پروانہ

علیم الحق حقی

حسب معمول ناشتے سے فارغ ہو کر سجاد نے دفتر جانے کی تیاری شروع کی۔ لباس تبدیل کر کے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے اس نے اپنا جائزہ لیا۔ خود ستائی کئے بغیر وہ خود کو نہایت آسانی سے خوب رو اور وجیہہ کہہ سکتا تھا۔ 33، 32 کی عمر کے باوجود وہ ابھی تک نوجوان لگتا تھا۔ چاہنے کے باوجود لباس کے معاملے میں وہ اہتمام نہیں کرتا تھا۔ وہی عام سا سوٹ جو دفتری ایگزیکٹوز کا مروجہ لباس ہے۔ روز وہ اسی طرح کا کوئی سوٹ پہن کر دفتر جاتا تھا۔ بس سوٹ کا رنگ بدلتا رہتا تھا۔ گرمیاں آتیں تو کوٹ جسم سے جدا ہو جاتا مگر ٹائی سے چھٹکارا نہ ملتا۔ انگریز اپنے پیچھے کیسی کیسی لعنتیں چھوڑ گئے ہیں۔

لباس کے معاملے میں جو وہ اہتمام نہیں کرتا تھا تو اس لئے کہ وہ عقل مند تھا۔ جانتا تھا کہ بیویاں بہت شکی ہوتی ہیں۔ اور قدسیہ تو اس معاملے میں عام بیویوں سے بھی دس ہاتھ آگے تھی۔ اس لئے وہ بہت محتاط رہتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ادھر شیطان کا نام لو اور ادھر وہ حاضر۔ آئینے میں قدسیہ کا عکس ابھر آیا۔ وہ اسے بلا تکلف نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "ہو گئے تیار؟" اس نے پوچھا۔

"ارے ہماری تیاری کیا۔ دس منٹ لگتے ہیں تیاری میں۔" سجاد نے آہ بھر کے کہا۔

"تو زیادہ دیر لگا لیا کریں۔ اتنی حسرت سے کیوں کہہ رہے ہیں۔" قدسیہ شوخ لہجے میں بولی۔

"تمہاری صحت بہت عزیز ہے مجھے۔"

"میری صحت سے اس کا کیا تعلق؟"

"میں اہتمام سے تیار ہونے لگا تو تم دن میں بلڈ پریشر کی رات میں بے خوابی کی مریضہ بن جاؤ گی۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ کو جانتی ہوں میں۔ آپ کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں۔" قدسیہ کے لہجے میں فخر تھا۔

"تبھی اس روز شادی میں بے چاری روبینہ سے الجھنے لگی تھیں۔" سجاد نے اسے یاد دلایا۔

قدسیہ کھسیا گئی۔ "وہ اور بات ہے۔ وہ ریشہ خطمی ہوئی جا رہی تھی آپ پر۔ تو کیا میں تماشا دیکھتی رہتی۔ مجھے ایسی عورتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اور اس روز بھی آپ پر شک تو نہیں تھا مجھے۔ آپ پر تو بڑا اعتبار ہے مجھے۔"

"تو ہونے دیتیں اسے ریشہ خطمی مجھ پر۔ یک طرفہ افیئر میں کیا حرج ہے۔"

"آدمی کو بہکتے دیر نہیں لگتی۔ ترغیب ہونی ہی نہیں چاہئے۔"

"بس یہی اعتبار ہے مجھ پر؟" سجاد نے شکایت کی۔

"اعتبار اپنی جگہ۔ میں تدبیر کی قائل ہوں۔ میں نے تو ایسا بندوبست کیا ہے کہ آپ عمر بھر مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتے۔ گنجائش ہی نہیں ہے آپ کے پاس۔"

"سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں وقت آنے پر۔" سجاد نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

"چھوڑیں ان باتوں کو۔ پرفیوم کیوں نہیں لگاتے آپ۔"

"تمہارے ڈر سے۔ پرفیوم لگاؤں گا تو کہو گی.... کسے پسینے کی بو سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

قدسیہ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی۔ پھر اس نے پرفیوم کی ایک شیشی نکال کر خود سجاد کے لگائی۔

"اور اب خود ہی کسی کو پسینے کی بو سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔" سجاد نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں۔ یہ خاص قسم کی خوشبو ہے۔"

"کیا خاصیت ہے اس میں بھلا؟"

"اسے میں لگائی بجھائی کرنی والی خوشبو کہتے ہوں۔" قدسیہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا "اب آپ کسی کے قریب جائیں گے تو یہ اس کی خوشبو جذب کر لے گی اور جب

آپ واپس آئیں گے تو اسے مجھ تک پہنچا دے گی۔ اور اس کے بعد تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اس چڑیل کی خیر نہیں۔"

"اس چڑیل کی تو خیر ہی خیر ہے۔" سجاد نے گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ ہے ہی ایسی۔"

وہ مڑا تو قدسیہ نے اس کا کوٹ ایک جگہ سے مسکا ہوا دیکھا۔ "اتاریں اسے۔ میں استری پھیر دیتی ہوں ایک منٹ میں۔"

"رہنے دو۔ دیر ہو رہی ہے۔" سجاد نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتاریں۔ مردوں کا حلیہ دیکھ کر ہی لوگ ان کی بیویوں اور ازدواجی زندگی کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں بلاوجہ کیوں خود کو بدنام ہونے دوں۔"

اس کے اصرار پر سجاد نے کوٹ اتار دیا لیکن وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔

"ایک بات تو بتائیں۔" قدسیہ نے استری کرتے کرتے کہا۔ "آپ اپنے کاروبار کے مالک ہیں۔ دفتر میں سب آپ کو جواب دہ ہیں۔ آپ کسی کو جواب دہ نہیں۔ پھر وقت کی پابندی کی اتنی فکر کیوں رہتی ہے آپ کو؟"

"دوسروں سے عمل کروانے کے لئے پہلے خود عمل کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ کام لینے کے لئے کام کرنا ضروری ہے۔ ویسے بھی میں ڈسپلن کا آدمی ہوں۔ زندگی میں بے ترتیبی اور بے قاعدگی مجھے پسند نہیں۔ زندگی کو ہموار اور پرسکون ہونا چاہئے...."

"اور اچانک پن اور تھرل سے محروم۔" قدسیہ نے جلدی سے ٹکڑا لگایا۔ پھر اس کی طرف کوٹ بڑھا دیا۔ "یہ لیجئے۔ دو منٹ کی بات تھی۔"

"تمہاری خاطر اتنا تو بدل لیا خود کو۔" سجاد نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جناب۔ اور ہم نے جو خود کو اس سے زیادہ بدل لیا.... صرف آپ کے لئے۔"

"میں بہت شکرگزار ہوں۔"

قدسیہ نے بریف کیس اٹھا کر اسے دیا۔ بریف کیس اٹھائے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک ننھی مریم اس کے پیروں سے لپٹ گئی۔ "کیا بات ہے گڑیا۔" اس نے جھک کے اس کا سر تھپتھپایا۔

"ابو ابو.... میں بھی تلوں دی آپ تے تھاتھ۔" مریم نے تتلاتے ہوئے کہا۔

سجاد نے بڑی بے بسی سے قدسیہ کو دیکھا۔ بچوں کے معاملے میں وہ بے حد نرم تھا۔ ان کی ننھی منی' معصوم سی اور ناممکن العمل خواہشوں کو بھی رد نہیں کر سکتا تھا۔ بچوں کو نفی میں جواب دینا بھی اسے گوارا نہیں تھا۔ قدسیہ یہ بات خوب سمجھتی تھی۔ اس لئے ایک اچھی بیوی کی طرح اس نے ڈانٹ ڈپٹ کا شعبہ اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ کبھی کبھار اپنے اس اختیار کا مظاہرہ وہ سجاد پر بھی کر دیتی تھی۔

اس وقت بھی قدسیہ اس کی مدد کو آگے بڑھی۔ "مریم۔" اس نے آنکھیں نکالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں پتہ ہے' ابو دفتر جا رہے ہیں۔"

"کم از کم تم تو مجھے ابو نہ کہا کرو۔" سجاد نے شریر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

قدسیہ بری طرح جھینپ گئی۔ اس کے رخسار دہکنے لگے۔ ایسے میں سجاد کو وہ ہمیشہ بے حد حسین لگتی تھی۔

"میں بھی دفتر داؤں دی۔" مریم نے ضد کی۔

قدسیہ کو غصہ آ گیا۔ "فضول باتیں نہ کیا کریں بچوں کے سامنے۔ میری بات کا اثر زائل کر دیا۔ اب خود بھگتیں۔"

سجاد نے سر جھکا کر دیکھا۔ مریم نے اس کی پینٹ کے پائنچے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن وہ سر اٹھا کر امید بھری نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں معصوم التجائیں مچل رہی تھیں۔ سجاد کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔ اس نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ "بیٹا.... آپ دفتر تو نہیں جا سکتیں۔ ہاں' ہم آپ کو سیر کرا کر لا سکتے ہیں مگر ایک شرط ہے۔"

"کیتا ابو؟"

"تو یہ آپ دفتر جانے کی ضد نہیں کریں گی۔"

"نہیں تلوں دی ابو۔"

وہ مریم کو گود میں لئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "ارے.... ارے.... کہاں لئے جا رہے ہیں اسے۔ دفتر کو دیر ہو جائے گی۔" قدسیہ نے اسے پکارا۔

سجاد نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "ہو جائے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "پہلے ہم اپنی بٹیا رانی کو تھوڑی سی سیر کرا لائیں۔"

"بس یہی تو حماقتیں ہیں۔ آپ کا بس چلے تو دو دن میں بچوں کو بگاڑ کر رکھ دیں۔" قدسیہ کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔ "ابھی کہہ رہے تھے کہ بے قاعدگی پسند نہیں۔ اور اب...."

"اتنی بے قاعدگی میری زندگی کا ضابطہ ہے۔" سجاد نے پلٹ کر دیکھے بغیر کہا۔ "میں ابھی آیا۔"

○

لوسی تقریباً بھاگ رہی تھی۔ ریٹا کے لئے اس کا ساتھ دینا مشکل تھا۔ "اے لوسی.... اتنا بھاگنے کی کیا جرورت ہے۔" اس نے پکارا۔

لیکن لوسی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ اسی طرح چلتی رہی۔ نہ اس نے پلٹ کر دیکھا' نہ کوئی جواب دیا۔

"پاگل ہے.... ایک دم پاگل۔" ریٹا کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بڑبڑائی "اب ملیر لوکل نہیں ملنے کا۔ چاہے اولمپک سمجھ کر دوڑ لے۔" اس نے اپنے قدم اور سست کر لئے۔ تیز چلنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ لانڈھی لوکل کو 45 منٹ بعد آنا تھا۔

پھر اس نے آگے ہی آگے بھاگتی ہوئی لوسی کو ایک دم رکتے دیکھا۔ کہاں تو وہ بھاگ رہی تھی اور کہاں بت بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اچانک ملیر لوکل کا انجن اور اس کے پیچھے بوگیاں جاتی نظر آئیں۔ ٹرین ٹھیک وقت پر اسٹیشن سے نکلی تھی۔

ریٹا اپنے معمول کی رفتار سے چلتی اس تک پہنچی۔ "خالی پیلی بھاگتی تھی تو۔ اپن گھر سے ہی لیٹ چلے تھے۔" اس نے لوسی کو دلاسا دیا' جو ابھی تک بت بنی کھڑی تھی۔

"اب ٹیکسی کرنی پڑے گی۔" لوسی نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر ریٹا کی طرف مڑی۔ "او کے۔ ٹیکسی کریں گے۔ ففٹی ففٹی۔ او کے؟"

"ارے کیسا ففٹی ففٹی۔ میں پونے نو والی لوکل سے جاؤں گی۔ سیرے کو لیٹ

ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو پڑتا ہے۔ میرا باس...."

"تو پھر تو ٹیکسی میں جا۔ میرے کو ٹیکسی میں جانا ہی نئیں۔ اکھا بھاڑا تو دے تو چلتی ہوں۔"

"نو.... نیور۔" لوسی نے پاؤں پٹخے۔

"دیکھ نا۔ تجھے جلدی پہنچنا ہے۔ ٹیکسی میں تو اکیلی جائے یا میں بھی جاؤں' تیرے کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نا۔ بھاڑا تو اتنا ہی بنے گا۔" ریٹا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اکیلی جاؤں گی۔ تم کنجوس مکھی چوس۔"

"دیکھ ٹیکسی ساڑھے آٹھ سے پہلے ہی پہنچا دینے کا۔ اپن واں کیفے نیویارک میں تجھ کو کافی پلائے گا.... گرما گرم کافی۔ او کے۔"

لوسی نے گزرتی ہوئی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور سے بات کرنے کے بعد اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ریٹا دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس سے پہلے ہی ٹیکسی میں بیٹھ چکی تھی۔ "یو.... آؤٹ۔" لوسی نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"گرما گرم کافی' او کے۔" ریٹا نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا پھر ڈرائیور پر برس پڑی "اے مین' چلانے کا کہ نئیں۔ گولی کا مافک چلاؤ۔ ہم لوگ آٹھ پچیس پر دفتر پہنچنا ما گٹا۔ ابی دباؤ ایکسی لیٹر۔"

ٹیکسی ڈرائیور کو اس کی بات اتنی بری لگی کہ اس نے گاڑی کو ہوائی جہاز بنا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ بج کر بیس منٹ پر وہ دونوں کیفے نیویارک میں بیٹھی تھیں۔ بھاپ اڑاتی کافی کی پیالیاں ان کے سامنے رکھی تھیں۔ لوسی بار بار گھڑی دیکھے جا رہی تھی "اے.... ابی تو بہت ٹیم پڑا ہے۔" ریٹا نے تفریحاً اسے ڈانٹا۔ "وہ سامنے ای تو دفتر ہے تیرا۔"

"پتا ہے مجھے۔" لوسی نے چڑ کر کہا۔

"اے لوسی.... ایک بات بول۔ تیرا باس بوت ڈراؤنا ہے۔ جالم ہے۔"

"ارے نہیں۔" لوسی نے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "وہ تو بہت ہینڈسم اور ویل

مینڈ ہے۔ چاکلیٹی ہیرو ہے وہ تو۔ ذرا غور سے دیکھ لو تو یہاں کچھ ہونے لگے۔" لوسی نے دل پر ہاتھ رکھ کر دکھایا۔

"تو پھر ڈانٹنا بموت ہوئیں گا۔"

"بالکل نہیں۔ اس نے تو کسی سے کبھی سخت بات بھی نہیں کی۔ ہنس کر ملتا ہے.... خوش اخلاق ہے۔"

"تو پھر تو اتنا کائے کو ڈرتی اس سے۔"

"اسے ڈسپلن پسند ہے۔ خود عمل کر کے دکھاتا ہے۔ ٹھیک نو بجے دفتر آ جاتا ہے۔ تو پھر ہم لوگ لیٹ کیسے ہوں۔"

"کمبصورت بھی ہے' پیسے والا بھی ہے۔ اتنے بڑے کاروبار کا مالک بھی ہے۔" ریٹا نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "اور تو اس کی سکریٹری ہے۔ اور تیرے مالک حسین لڑکی اپن نے دیکھی نئیں...."

"میرے دفتر میں دس لڑکیاں ہیں اور سب مجھ سے بڑھ کر حسین۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔" لوسی کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔

"پر سکریٹری تو توئی ہے۔ تیرے کو لین ماری تیرے باس نے کبھی؟"

لوسی نے نفی میں سر ہلایا۔ "کبھی نہیں۔"

"اور تو نے؟" ریٹا نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔ سج بن کے جاتی ہوں۔ اسمائیل دیتی ہوں.... لک دیتی ہوں۔ پر وہ تو پتھر ہے پتھر۔ He has a stone in place of his heart" لوسی نے اداسی سے کہا۔ "میں نے پچھلی نوکری اس لئے چھوڑی کہ باس کہتا تھا' سکریٹری آدھی وائف ہوتی ہے.... فل ٹائم سکریٹری' پارٹ ٹائم وائف۔ اب یہ نوکری دل ٹوٹنے کی وجہ سے چھوڑ دوں گی۔"

"باس اتنی لڑکیوں میں کسی کو بھی لین نئیں مارتا؟" ریٹا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ سب لڑکیاں اسے لائن مارتی ہیں۔ پر وہ کسی کو دیکھتا بھی نہیں۔"

"گیارہ لڑکیاں۔ سب تجھ سے کمبصورت۔ ایک سے بڑھ کر ایک اور کسی کا دال نئیں گلتا۔ تیرا باس پھر شتہ ہوئیں گا سالا۔"

"نہیں۔" لوسی نے سر ہلایا۔ "کہیں ایک چکر تو اس نے چلایا ہوا ہے.... دفتر سے باہر۔"

"تیرے کو کیسے مالوم پڑا؟"

"ہفتے میں ایک دن ڈسپلن کا پابند ماس سب اصول توڑ دیتا ہے۔ اس روز دفتر آتا ہے تو صبح ہی سے ایکسائیٹڈ ہوتا ہے۔ ہر کام ہاف ہارٹیڈلی کرتا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے دفتر سے نکلتا ہے.... لڑکوں جیسے شوخ کپڑوں میں۔ حالانکہ دفتر بزنس مین والے سوٹ میں آتا ہے۔ پھر وہ چار بجے واپس آتا ہے.... کوئی ٹیون گنگناتا ہوا... آپ ہی آپ مسکراتا ہوا۔ مجھے پتہ ہے' کسی سے چھپ کر ملتا ہے وہ۔ اس دن وہ ٹھیک وقت پر دفتر سے اٹھ جاتا ہے گھر جانے کے لئے۔ چاہے کتنا ہی کام پڑا ہو۔ بیوی چار بجے فون کر کے پوچھتی ہے۔ کبھی کام زیادہ ہو تو بول دیتا ہے.... آج لیٹ ہو جاؤں گا۔ پر جس دن بن سنور کر واپس جاتا ہے' اس دن بیوی کو بولتا ہے.... نہیں جان.... ساڑھے پانچ بجے گھر پہنچ جاؤں گا۔ مکاری کرتا ہے کہ کہیں چوری پکڑی نہ جائے۔" اب لوسی سوچ رہی تھی کہ اس روز وہ بریف کیس میں اپنے وہ کپڑے لاتا ہو گا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔ اچھا آدمی ہے.... ہیومن.... جسٹ ہیومن۔" ریٹا نے طمانیت سے کہا۔ فرشتے اسے بہت برے لگتے تھے۔ اچانک اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ "اے لوسی' تو اسکی وائف کو انفارم کر دے نا۔"

"میں کیوں کروں۔ انگور مجھے نہیں ملتا تو کیا۔ جس کے نصیب میں ہے' اسے ملتا ہے۔ تو میں کیوں کھٹا کروں۔"

"اے لوسی.... تو اپنا نام نہ بتانا۔ پر کال تو کر اس کی بیوی کو۔ مجا آئے گا۔"

لوسی سوچ میں پڑ گئی۔ بات سکریٹری شپ کے اصول کے خلاف تھی۔ باس کو پتہ چلتا تو نوکری جاتی ہی جاتی ہے۔ مگر گمنام کال تو کی جا سکتی ہے۔ اچانک اس کی نظر گھڑی پر پڑی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ گئی۔ "او گاڈ.... اے از ایٹ ففٹی فائیو۔"

"ارے سن تو...."

"پے منٹ تمہیں کرنی ہے۔ کر دینا۔ میں چلی۔ بائے۔" لوسی پرس جھلاتی ہوئی ریسٹورنٹ سے نکلی اور تیز قدموں سے اس عمارت کی طرف بڑھ گئی' جس میں فواد اینڈ

سن کے دفاتر تھے۔

○

اگلی صبح مریم سب کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ سجاد کا معمول تھا کہ وہ اپنے بیٹے راشد کو اسکول چھوڑ کر آتا تھا۔ اس کے بعد ناشتہ کر کے لباس تبدیل کرتا تھا۔ راشد کے اسکول کا وقت ساڑھے سات بجے کا تھا۔

کار کی چابی سجاد کے ہاتھ میں دیکھ کر مریم مچل گئی۔ "ابو.... میں بھی داؤدی اتول۔" اس نے ضدی پن سے کہا۔

"تم نہیں جا سکتیں اسکول۔ ابھی بہت چھوٹی ہو۔" قدسیہ نے اسے سمجھایا۔

"بھائی بھی تو تھوتے ہیں۔ پھر وہ تیوں داتے ہیں اتول۔" ننھی مریم نے اعتراض کیا۔

"بھائی چھوٹے نہیں' تم سے چار سال بڑے ہیں۔"

سجاد نے جھک کر مریم کو گود میں اٹھا لیا۔ "گڑیا.... بٹیا.... تم ہماری طرح اسکول جایا کرو.... ہمارے ساتھ۔ دیکھو' ہم جاتے ہیں۔ اسکول کا گیٹ دیکھتے ہیں اور واپس آ جاتے ہیں۔ ایسے ہی تم بھی کرنا۔"

"تھیت ہے ابو۔"

اسی وقت کمرے کی طرف سے راشد نمودار ہوا۔ "ابو.... میں تیار ہو گیا۔" اس کی نظر سجاد کی گود میں لدی مریم پر پڑی تو وہ بھڑک کر بولا۔ "اتاریں اس چڑیل کو۔"

"چڑیل نہیں' یہ تو میری پری ہے۔" سجاد نے کہا۔ "اور میرے ساتھ اسکول جا رہی ہے۔"

"ہنہہ.... بڑی آئی اسکول جانے والی۔ جاہل ہے۔ اسے تو الف ب بھی نہیں آتی۔"

"جاہل نہیں' ہاں ان پڑھ ہے ابھی۔" سجاد نے ہنستے ہوئے تصحیح کی۔ "اور وہ بھی اس لئے کہ ابھی صرف ڈھائی سال کی ہے۔ اگلے سال سے یہ بھی اسکول جانے لگے گی۔ اچھا اب چلو۔"

وہ چلے گئے۔ راشد کو اسکول چھوڑ کر وہ واپس آیا تو مریم اس کے کندھے پر

چڑھی ہوئی تھی۔ "چلو... اب ناشتا کرتے ہیں۔" اس نے مریم کو کندھے سے اتارا۔ مریم کی آنکھیں یوں چمک رہی تھیں، جیسے چندا ماموں اس کی جھولی میں اتر آئے ہوں۔"

سجاد نے گود میں اٹھا کر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ "اب تو خوش ہے میری شہزادی؟"

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں کی جگمگاہٹ اور بڑھ گئی۔ اور جب سجاد برابر والی کرسی پر بیٹھا تو مریم نے کرسی پر کھڑے ہو کر اس کی پیشانی چوم لی "آپ بہت اچھے ہیں ابو۔"

قدسیہ پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ "سچ آپ بہت بگاڑتے ہیں بچوں کو۔" اس نے خفگی سے کہا لیکن اس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ سجاد ان آنکھوں کی زبان خوب سمجھتا تھا۔

"بچوں کے سامنے ایسی نظروں سے نہ دیکھا کرو۔" وہ بولا اور قدسیہ جھینپ گئی۔

ناشتا کرتے ہوئے قدسیہ نے کہا۔ "مریم کے جلدی اٹھ جانے سے آج تک کی مرتب زندگی بے ترتیب ہونے سے بچ گئی۔ اب یہ آپ کو تنگ نہیں کرے گی۔"

"یہ خود سے نہیں اٹھی ہے۔ میں نے جگایا ہے اسے۔" سجاد نے کہا۔

"اوہ۔ اور کل جب آپ دفتر لیٹ پہنچے تو کیا ہوا؟"

"میں لیٹ پہنچا ہی نہیں۔ دو شارٹ کٹ لگائے اور اپنی مقرر کردہ تیز رفتاری کی حد سے تجاوز کیا۔ پہنچا میں وقت پر۔"

"گویا زندگی میں تھرل آ گیا چند منٹ کو۔" قدسیہ نے شوخی سے کہا۔ "مگر ایک بے قاعدگی تو سرزد ہوئی آپ سے۔ ڈسپلن تو ٹوٹا۔"

"ہاں۔ بچوں کی خاطر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اور بچے اس معاملے میں اپنی ماں پر گئے ہیں۔ انہیں بھی میرے ڈسپلن سے دشمنی ہے۔"

"یہ بات نہیں۔ میں تو خود آپ کے ڈسپلن کی پابندی کرتی ہوں۔"

"سو سنار کی ہماری اور ایک لوہار کی تمہاری۔" سجاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

مریم پھر اس کی گود میں لٹک گئی۔ "آپ آ د نئیں دائیں ابو۔" اس کے لہجے میں

شوخی اور شرارت تھی۔

قدسیہ نے جلدی سے اسے گود میں لے لیا۔ "تم ابو کو تنگ کرتی ہو گڑیا؟" اس نے مریم کا رخسار چومتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔" مریم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا۔

قدسیہ مریم کو گود میں لئے لئے پورچ تک آئی۔ سجاد کار میں بیٹھنے لگا تو اس نے پوچھا "شام کو جلدی آئیں گے نا؟"

سجاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کار کو گیٹ سے گزارتے ہوئے سجاد نے سر گھما کر دیکھا۔ بیوی اور بیٹی دونوں ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ ان کے ہونٹ خدا حافظ کہتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کو گاڑی روکی۔ مریم کا ننھا منا ہاتھ ہلتے دیکھ کر اس کے دل میں عجیب سی خوشی مچلنے لگی۔ زندگی کس قدر خوب صورت تحفہ ہے خدا کا۔ اس نے بے حد سرشار ہو کر سوچا۔ پھر اس نے جواباً ہاتھ ہلایا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

تمام راستے پرسکون انداز میں، مخصوص رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بڑی طمانیت محسوس کر رہا تھا۔ بہت سرشار تھا وہ۔ خوشگوار ازدواجی زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ محبت کرنے والی بیوی... پیارے پیارے بچے اور پرسکون گھر۔ اور کیا چاہئے آدمی کو۔ اس کا دل شکر گزاری سے معمور ہو کر چھلک اٹھا۔

لیکن دفتر والی بلڈنگ میں قدم رکھتے ہی وہ یکسر بدل گیا۔ اب اس کے چہرے پر متانت اور سنجیدگی تھی۔ آفس میں داخل ہونے کے بعد لوگوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتا رہا۔ آؤٹر روم میں اس کی سکریٹری لوسی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لگاوٹ بھری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔ "گڈ مارننگ سر۔" لگاوٹ اس کے لہجے میں بھی تھی۔

"مارننگ۔" سجاد نے خشک لہجے میں کہا اور اسے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسے بیٹھے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ "کم ان پلیز۔" اس نے پکارا۔

لوسی اسلحے سے لیس کمرے میں داخل ہوئی۔اس کے ہاتھ میں اپائنٹ منٹ ڈائری' نوٹس لینے والا پیڈ اور پنسل تھی۔

"بیٹھو مس لوسی۔"

لوسی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر باس کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا اور جسمانی حرکات و سکنات سے وہ نروس لگ رہا تھا۔ لوسی یہ علامات خوب پہچانتی تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے باس کے بریف کیس کو غور سے دیکھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسے کھول کر دیکھتی کہ آج کے لئے وہ کون سا لباس لایا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

"یس مس لوسی؟"

لوسی نے اپائنٹ منٹ ڈائری کھولی۔ اچانک باس نے کہا۔ "مس لوسی' آج کے تمام اپائنٹ منٹ کینسل کر دو۔"

"لیکن سر....."

"میں نے کہا نا' تمام اپائنٹ منٹ کینسل کر دو۔"

"لیکن سر' آپ کو یہ یاد دلانا میرا فرض ہے کہ آج آپ کا ایک بے حد اہم اپائنٹ منٹ ہے۔ آپ اسے کینسل نہیں کرنا چاہیں گے۔"

"از دیٹ سو؟" سجاد نے اسے گھورا۔

"یس سر۔ لاکھوں کا کنٹریکٹ ہے۔"

"مس لوسی' تم نے کبھی محبت کی ہے؟"

سوال اتنا اچانک تھا کہ لوسی گڑبڑا گئی۔ "یس سر... نو سر۔"

"یعنی کی بھی ہے اور نہیں بھی کی۔"

لوسی نے بہت تیزی سے خود کو سنبھالا۔ "یس سر۔ میں نے کی نہیں۔ خود بخود ہو گئی۔"

"ایسا ہی ہوتا ہے۔" سجاد نے مربیانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ محبت کے لئے کیا کر سکتی ہو؟"

لوسی پھر گڑبڑا گئی۔ "میں کچھ بھی کر سکتی ہوں سر۔ میرا مطلب ہے' ہاف وائف

بھی بن سکتی ہوں۔"

سجاد نے بڑی کڑی نگاہوں سے اسے گھورا۔ "وائف وائف ہوتی ہے۔ یا ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے۔ وہ کوئی چکن یا کھانے کی پلیٹ نہیں ہوتی کہ کہہ دیا کہ کوارٹر لے آؤ یا ہاف لے آؤ۔"

"سوری سر۔" لوسی کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا۔

"اور اس کے لئے تمہیں یہ جاب چھوڑ کر کسی ڈھنگ کے دفتر میں جاب تلاش کرنا ہو گی۔" سجاد نے سرد لہجے میں کہا۔

مگر وہاں محبت نہیں ہو گی۔ لوسی نے دل میں کہا۔ مگر باس سے کچھ اور کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا سر۔ وہ آپ نے اتنا آل آف سڈن پوچھا....."

"خیر... کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں' جن کے سامنے لاکھوں کیا' کروڑوں کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ' اپائنٹ منٹ کس وقت کا ہے؟"

"دو بجے کا سر۔" لوسی نے خطرہ ٹل جانے پر سکون کی سانس لی۔

"میں رحمان صاحب سے بات کروں گا۔ وہ دیکھ لیں گے۔ اور کچھ۔"

"اور کچھ ضروری خط ہیں سر۔ آپ نے کہا تھا' آج ڈکٹیشن دیں گے۔"

"ممکن ہوا تو میں مشین پر ریکارڈ کر دوں گا۔ نہیں تو کل دیکھا جائے گا۔ اب جاؤ۔" سجاد نے کہا۔ "اور ہاں' میں کوئی کال بھی ریسیو نہیں کروں گا۔"

کمرے سے نکل کر دروازہ بند کرتے ہی لوسی نے ہاتھ کی چیزیں میز پر پٹخیں اور ہینڈ بیگ سے رومال نکال کر چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ کیسا اندھا باس ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔ کاش اتنا ہینڈسم نہ ہوتا۔ اور ہینڈسم تھا تو اتنا پتھر دل نہ ہوتا۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ یہ پتھر پگھلتا بھی ہے۔ بلکہ آج پگھلا ہوا ہے۔ بیوی سے بے وفائی کرنے والا ہے۔ وہ اس خوش نصیب کے بارے میں سوچنے لگی' جس کے لئے باس کا دل پگھلتا ہے۔ لاکھوں کے نقصان کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔

کیا وہ میں نہیں ہو سکتی؟ اس نے حسرت سے سوچا۔

○

ہمیشہ کی طرح اس روز بھی سجاد کی عجیب کیفیت تھی۔ ایک عجیب سا اضطراب تھا۔

اک خوف تھا۔ کچھ خدشے تھے۔ مگر ان سب سے بالا تر ایک ہیجان تھا' جو اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ عام طور پر آدمی کی یہ کیفیت ٹین ایج میں ہوتی ہے' جب کوئی محبت کی منہ زور ندی اسے حقیر تنکے کی طرح بہائے لئے جا رہی ہو۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صرف سوا نو بجے تھے۔ اس کا ہاتھ اضطراری طور پر ڈائریکٹ لائن والے ٹیلی فون کی طرف بڑھا مگر اس نے اسے روک لیا۔ ابھی یہ مناسب نہیں تھا۔ اس نے سوچا' اتنی دیر کچھ کام ہی نمٹا لیا جائے۔

اس نے میز پر رکھی فائلیں اپنی طرف گھسیٹ لیں۔ اوپر والی فائل کھول کر اس نے کاغذات کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن اس وقت وہ اس کے لئے بے معنی تھے۔ ساری معنویت تو اس مسکراتے ہوئے حسین چہرے میں تھی' جو ان کاغذات کے نیچے سے جھانک رہا تھا۔ ان آنکھوں میں تھی جو اپنے اندر بلاوے سجائے اسے اشارے کر رہی تھیں.... پکار رہی تھیں۔

اس کا ہاتھ پھر ٹیلی فون کی طرف بڑھنے لگا لیکن اس نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ بے صبرا پن اور جلدی بازی اچھی نہیں۔ اس نے ہمیشہ کی طرح خود کو سمجھایا۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔

اور احتیاط واقعی بہت ضروری تھی۔ وہ جلتی پر تیل کا کام کرتی تھی۔ وجود میں ایسا ہیجان اٹھاتی.... ایسی سنسنی جگاتی تھی کہ لطف دوبالا ہو جاتا تھا۔ بے قراری حد سے نہ گزر جائے تو ملنے کا کیا مزہ۔ اس نے جان لیا تھا کہ محبت کا مزہ تبھی ہے' جب وجود میں دھیمی دھیمی آگ ہر وقت جلتی رہے۔

اس نے فائلیں پیچھے دھکیل دیں۔ اس وقت وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہاں خطوط نمٹانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ اس نے خطوط اٹھائے اور اپنی توجہ کام پر مرکوز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دشواری تو ہوئی مگر جیسے تیسے خطوط پڑھ کر اس نے ان پر لوسی کی لئے ہدایتی نوٹ لکھے۔ جواب طلب خطوط اس نے ایک طرف رکھ دیئے۔ اس وقت وہ جواب لکھوانے کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس نے جواب طلب خطوط کو گزشتہ روز کے خطوط کے ساتھ رکھ دیا۔

اس دوران میں وہ بار بار بے تابی سے گھڑی کو دیکھتا رہا تھا۔ سوئیوں کی حرکت

اتنی سست تھی کہ اسے جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔ وقت کا بھی عجیب مزاج ہے۔ بس آدمی کو ستاتا ہے.... tease کرتا ہے۔ انتظار ہو تو گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اور بے خودی ہو تو یوں گزرتا ہے کہ گھڑی ایک پل کی بھی نہیں رہتی۔

اضطراب تھا کہ بپھرے ہوئے سمندر کی طرح اسے اچھالتا ہوا بہائے لئے جا رہا تھا۔

اس نے بزر دے کر لوسی کو بلایا اور نوٹ لکھے ہوئے خطوط اس کے حوالے کر دیئے۔ پھر "بے کار مباش کچھ کیا کر" کے مصداق ایک فائل لے کر بیٹھ گیا۔ لیکن اس کی نظریں کاغذات کے نیچے سے جھانکتے ہوئے اسی چہرے میں الجھی رہیں۔ وقتاً" فوقتاً" بے تاب نظریں گھڑی کی طرف اٹھتیں۔

بالآخر دس بج گئے۔ اس نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ پانچ منٹ اور انتظار کر لیا جائے۔ احتیاط کے بڑے فائدے ہیں اور وہ تھا بھی محتاط آدمی۔

لیکن دس بج کر پانچ منٹ تک وہ ٹائم بم کی طرح ہو گیا۔ اب ایک لمحے کی تاخیر بھی ہوتی تو وہ دھماکے سے پھٹ جاتا۔ اس نے ڈائریکٹ لائن والا ٹیلی فون اپنی طرف کھینچا' ریسیور اٹھایا اور وہ نمبر ڈائل کرنے لگا' جو اس کے دل پر نقش تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں.... اب کوچہ جاناں آتا ہے' اب کوچہ جاناں آتا ہے۔

پھر دل کو قرار آ گیا۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو؟" جانی پہچانی مترنم آواز سنائی دی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح یہ خاص کال ریسیو کرتے وقت اس آواز کی کھنک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وہ دلکش سراپا لہرا گیا.... پھولوں سے لدی ہوئی وہ نرم و نازک شاخ۔ "سیماب!" اس نے چھلکتی آواز میں پکارا۔ یہ نام وہ جب بھی پکارتا' نوک زباں پر ہر بار ایک نیا ذائقہ محسوس ہوتا۔ ہر بار سانسوں میں ایک نئی خوشبو ہلکورے لینے لگتی۔ "میں سجاد بول رہا ہوں۔" ذرا توقف کے بعد اس نے مزید کہا۔

"جیسے میں تمہاری آواز پہچانتی نہیں۔" سیماب نے چوٹ کرنے والے انداز میں کہا۔

ہر بار گفتگو اسی انداز میں شروع ہوتی تھی۔ ہر بار سیماب کا یہ جملہ اسے ایک بہت بڑے اعزاز کا احساس دلاتا تھا۔ جیسے وہ کچھ اور معتبر ہو گیا ہو۔ "سیماب.... آج آ رہی ہو نا؟" اس کے لہجے میں بے تابی تھی.... مچلتی ہوئی آرزوئیں تھیں۔ سیماب کا جواب بھی اسے معلوم تھا۔ ہاں عذر ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے تھے۔

"اوہ سجاد۔ نہیں بھئی' آج تو مشکل ہے۔" دوسری طرف سے سیماب نے کہا۔

"کیا مشکل ہے؟" وہ جھنجلا گیا۔

"تم بھول جاتے ہو کہ مجھے بچوں کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ انہیں اس طرح چھوڑ کر آنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"انہیں چند گھنٹوں کے لئے آیا کے پاس چھوڑنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" اس نے دلیل دی۔

"نہیں سجاد۔ آج میرا آنا مشکل ہے۔ کچھ ضروری کام بھی ہیں۔"

"سیماب.... پلیز سیماب۔" وہ بری طرح گڑگڑانے لگا۔

"بچوں کی طرح ضد نہ کیا کرو۔" سیماب کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"دیکھو سیماب.... تمہیں میری قسم۔ تمہیں آنا پڑے گا۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔"

"خیر.... تمہاری قسم کی تو اتنی اہمیت نہیں۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"

"سنو سیماب.... تمہیں آنا ہی ہو گا۔" وہ اچانک ہی بپھر گیا۔

"کیوں؟ نہیں آئی تو تم کیا کر لو گے؟" سیماب کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"میں.... میں...." وہ سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی.... وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ لیکن وہ سیماب کو جانتا تھا۔ اس کے سامنے کمزوری دکھانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ وہ ایسی ہی لڑکی تھی۔ آپ اس کے رستے میں بچھ جایئے تو یا تو وہ آپ کی طرف دیکھے بغیر راستہ بدل کر گزر جائے گی یا آپ کے اوپر قدم رکھتی ہوئی یوں گزر جائے گی' جیسے آپ ہموار زمین ہوں۔ ایسی ہی انانیت تھی اس میں۔ اور وہ دوسروں میں بھی انانیت تلاش کرتی تھی۔

ذرا دیر سوچنے کے بعد سجاد نے راستہ نکالا۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم آج نہ آئیں تو آئندہ تم سے کبھی نہیں ملوں گا۔"

"بکتے ہو تم۔ مجھ سے نہیں ملو گے تو تمہارا گزارہ کیسے ہو گا۔"

اب کے سجاد بری طرح بھڑک گیا۔ "میری سکریٹری لوسی کو دیکھا ہے تم نے' وہ میرے ایک اشارے کی منتظر ہے۔ سمجھیں کچھ؟"

ریسیور پر چند لمحے خاموشی رہی۔ یقیناً وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اور یہ اچھی علامت تھی۔ پھر بھی سجاد کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ امید و بیم کی کیفیت میں ریسیور ہاتھ میں تھامے' کانوں سے لگائے بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے سجاد۔" بالآخر ریسیور پر سیماب کی آواز ابھری۔ "میں آ جاؤں گی۔ لیکن ڈیئر' ذرا وقفوں کا بھی خیال رکھو۔ میرا خیال ہے' ہم اوور پلے کر رہے ہیں۔ اتنی جلدی جلدی ملنا تو کوئی اچھی بات نہیں۔ کسی نے دیکھ لیا تو؟"

سجاد کو اس کی نصیحتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ پھر وہ بولا تو اس کی آواز بھی مسرت اور سنسنی کے بوجھ سے لرز رہی تھی.... "تو پھر تم آ رہی ہو نا؟"

"ہاں۔ لیکن کب اور کہاں؟"

"ایک بجے سجانی چوک سے میں تمہیں پک کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔"

دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔ سجاد چند لمحے ریسیور ہاتھ میں تھامے بت بنا بیٹھا رہا۔ ہیجان پہلے سے سوار ہو گیا تھا۔ سنسنی موج در موج جسم کی دیواروں سے سر ٹکراتی پھر رہی تھی۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب بھی ایک مسئلہ تھا۔ اسے ڈھائی گھنٹے گزارنے تھے۔ پہاڑ جیسے ڈھائی گھنٹے۔ کاش.... کاش وہ اس سے گیارہ بجے مل سکتا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے اس نے خود ایک بجے کا وقت طے کیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اسکول سے خود واپس لاتی ہے اور یہ وہ معمول تھا' جسے وہ اس کی ناراضی کی قیمت پر بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔

چند لمحے وہ یونہی بیٹھا رہا۔ انٹر کام پر لوسی کو ہدایت دی کہ وہ رحمان صاحب کو

اس کے پاس بھیج دے۔ دو منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی اور رحمان صاحب اندر آ گئے۔ وہ فواد اینڈ سن کے جنرل مینیجر تھے۔ ان کی عمر 45 برس کے قریب تھی۔

"تشریف رکھئے۔" سجاد نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

رحمان صاحب بیٹھ گئے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے آج ایک ضروری کام سے جانا ہے.... ساڑھے بارہ بجے۔" سجاد نے کہا۔

رحمان صاحب کے ہونٹوں پر ایک ثانئے کے لئے معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

"اور دو بجے ایک اہم میٹنگ تھی میری۔" سجاد نے مزید کہا۔ "فرحان ایسوسی ایٹس والوں سے؟"

"جی ہاں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لاکھوں کا کانٹریکٹ ہے۔ اب آپ ہی ان سے ڈیل کر لیں۔ آپ کے لئے اس ڈیل میں تین اضافی بونس ہیں۔"

"لیکن جناب' آپ کی بات اور ہے۔ آپ زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی شرائط...."

سجاد نے ان کی بات کاٹ دی۔ "میں آپ کو مکمل اختیار دے رہا ہوں۔ ویسے بھی آپ جنرل مینیجر ہیں۔"

"جی بہتر۔ میں ڈیل کر لوں گا انشاء اللہ۔ اور کوشش کروں گا کہ آپ کی توقع پر پورا اتروں۔"

"جاتے وقت اس ڈیل کی فائل مس لوسی سے لے لیجئے گا۔ اس میں میرے ریمارکس اور نوٹ بھی ہیں۔ گڈ لک۔"

رحمان صاحب چلے گئے۔ ان کی معنی خیز مسکراہٹ اس کی نظروں سے چھپی نہیں رہی تھی۔ شروع میں اس طرح کی مسکراہٹ اسے بے حد توہین آمیز لگتی تھی۔ لیکن اب وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔ رحمان صاحب کیا' دفتر کے سبھی لوگ جانتے تھے کہ ہفتہ دس دن میں ایک بار اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کا دن آتا ہے۔ وہ دن مقرر نہیں تھا۔ تنوع برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اسے خود بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ یہ پروگرام کب بنے گا۔

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ دس بج کر بائیس منٹ ہوئے تھے۔ گویا اسے ابھی دو گھنٹے سے کچھ زائد وقت گزارنا تھا۔ اس نے بڑی بیزاری سے سامنے رکھی فائل کھول لی۔ لیکن فائل سے اسے سروکار نہیں تھا۔ وہ سیماب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

جب وہ پہلی بار سیماب سے ملا تو وہ سات سال کی تھی اور وہ خود نو سال کا تھا....

○

رافعہ خالہ پانچ سال بعد یو کے سے واپس آئی تھیں۔ وہ امی اور ابو کے ساتھ ان کے گھر گیا تھا۔ ان کے اور اپنے بنگلے میں ویسے تو کوئی فرق نہیں تھا مگر وہاں سوئمنگ پول دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ امی اور ابو کے بھی یہی تاثرات تھے۔

خالہ نے ان کے تاثرات دیکھ کر وضاحت کی۔ "افسر تو بس مچھلی ہیں.... مچھلی۔ پانی کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ سوئمنگ پول کے بغیر گھر مکمل ہی نہیں ہوتا ان کا۔"

اتنی بات ہوئی تھی کہ سیماب وہاں سے کھسک گئی۔ چند منٹ بعد پانی میں چھپاکے کی آواز سن کر وہ سب چونکے تو پتہ چلا کہ وہ سوئمنگ سوٹ پہنے پیراکی کے جوہر دکھا رہی ہے۔ یہ اسے گوارا نہیں تھا کہ پاپا کی تعریف کی جائے اور اس کے متعلق بتایا ہی نہ جائے۔

خالہ نے بھی یہی بات کہی۔ "میں نے اپنی جل پری کی تعریف نہیں کی تھی نا۔" وہ بولیں۔ "اب یہ عملی مظاہرہ کر کے دکھا رہی ہے۔"

سجاد پانی میں اس کے کرتب دیکھ کر اش اش کرتا رہا۔ وہ اسے بہت اچھی لگی۔ اسی لمحے وہ اس کے دل میں کھب گئی۔ حالانکہ وہ اس وقت محبت کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا تھا۔

"بڑی زبردست ہے میری بیٹی۔" افسر خالو نے فخر سے کہا۔

"اس کے زبردست ہونے سے ہی ڈر لگتا ہے مجھے۔" خالہ زیر لب بولیں۔

یہ اس زبردست سے پہلا تعارف تھا اس کا۔ خالہ اور امی میں بڑی محبت تھی۔ آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ کبھی وہ آ جاتیں اور کبھی یہ لوگ چلے جاتے۔ سیماب کے ساتھ سجاد کی اچھی گھٹنے لگی تھی۔

اس روز وہ خالہ کے ہاں گیا ہوا تھا اور اس وقت سوئمنگ پول کے پاس کھڑا تھا۔

پول اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس پر سحر سا طاری ہو جاتا تھا۔ پانی کے باہر رہ کر پانی اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ لیکن پانی کے اندر جانے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پانی کی قربت سے اسے خوف آتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک دن ساحل سمندر پر وہ ابو کا ہاتھ تھامے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا تھا کہ ایک اونچی موج سر کے اوپر سے گزر گئی۔ اس لمحے کی گھبراہٹ وہ کبھی نہیں بھولا۔ پانی کے اندر اندھیرا تھا۔ اس نے گھبرا کر چیخنے کی کوشش کی تو منہ اور ناک میں بہت سارا پانی چلا گیا۔ اس وقت تو اسے پتہ نہیں چلا مگر بعد میں بہت دیر تک جلن ہوتی رہی۔۔۔ جی متلاتا رہا۔ موج اتری تو وہ ہاتھ چھڑا کر پیچھے ریت کی طرف بھاگا۔ ابو کہتے رہے کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ مگر وہ دیکھ چکا تھا کہ ڈرنے کی بات ہے۔ اس دن سے اس کے دل میں پانی کا ڈر بیٹھ گیا۔

وہ پول کے پاس کھڑا تھا کہ سیماب آ گئی۔ "تمہیں بھی پانی بہت اچھا لگتا ہے؟" اس نے بے حد اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ بہت اچھا۔" اس نے جواب دیا۔

"ہمارا پول خوب صورت ہے نا؟"

"بہت خوب صورت ہے۔"

"تو تم تیرتے کیوں نہیں؟"

سجاد جھرجھری لے کر رہ گیا "مجھے تیرنا نہیں آتا۔"

"جو تیر نہیں سکتا وہ زندگی کا لطف بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

سجاد نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ جملہ اس نے خالو جان کے منہ سے سنا تھا مگر سیماب کے منہ سے وہ بہت بڑا لگ رہا تھا۔

"تو تم تیرنا سیکھ لو۔" سیماب نے کہا۔

"نہیں سیکھ سکتا۔" سجاد بے بسی سے بولا۔

"کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ میں سکھا دوں گی۔"

"مجھے پانی کے اندر جانے سے ڈر لگتا ہے۔"

"ڈر لگتا ہے!" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسنے لگی۔ "پانی اچھا لگتا ہے اور پانی سے ڈر بھی لگتا ہے۔ ہے نا بے وقوفی کی بات۔"

سجاد کو طرارہ آ گیا۔ "سانپ بہت خوب صورت لگتے ہیں۔ لیکن سانپوں سے کھیلتا تو کوئی نہیں۔"

"مجھے سانپ خوب صورت لگیں گے تو میں ان سے ہرگز نہیں ڈروں گی۔ میں تو ان سے کھیلوں گی۔" سیماب نے ایک پل جھجکے بغیر کہا۔

"کہنے کی بات ہے۔ سانپ کو اپنے قریب دیکھ کر دم نکل جائے گا۔" سجاد کے لہجے میں حقارت تھی۔

سیماب نے اسے بہت غور سے دیکھا پھر بولی۔ "میں ابھی رکو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

سجاد وہیں کھڑا پول میں ہلکورے لیتے پانی کو سحر زدہ سا تکتا رہا۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ سیماب کب گئی اور کب واپس آئی۔ اسے تو ہلکا سا دھکا لگنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ اس کی محویت تو اس وقت ٹوٹی، جب اس نے خود کو پانی میں پایا۔ وہ ڈبکیاں لگتے ہی اس نے چلانا شروع کر دیا۔

پھر اسے مگر پر کھڑی سیماب نظر آئی۔ نظر کیا آئی۔۔۔ ایک لمحے کو اس کی نظر سے گزری۔ کیونکہ وہ اس وقت نظر جما کر کچھ دیکھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ سیماب کھڑی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں میں دلچسپی بھی تھی اور ملامت بھی۔ "اے۔۔۔ یوں سینے کے بل لیٹو اور ہاتھ چلاؤ۔۔۔ اور پاؤں سے پانی کو دھکیلو یوں۔۔۔" اس نے مظاہرہ کر کے دکھایا۔

"میں۔۔۔ میں ڈوب رہا ہوں۔۔۔ میں مر جاؤں گا۔" سجاد بری طرح چلا رہا تھا۔ وہ کچھ سننے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔

"تم بزدل بھی ہو اور احمق بھی۔" سیماب نے سخت لہجے میں کہا۔

سجاد بدستور چلاتا رہا۔ اسے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا نہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سیماب کے ہاتھ میں وہ رنگین ٹیوب بھی نہیں دیکھی تھی، جس میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ سیماب نے وہ ٹیوب اس کی طرف اچھال دی۔ "لو اسے پکڑ لو۔ اب ڈوبو گے نہیں۔ بزدل۔"

اس لمحے سجاد کو نہ اس کی حقارت کا احساس تھا نہ اپنی توہین کا۔ اس کے چھوٹے سے ذہن کے نزدیک مسئلہ اس کی بقا کا تھا۔ اس نے جلدی سے ٹیوب کو جھپٹ لیا۔

ٹیوب کو تھام کر پانی کی سطح پر رہنا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ پول سے کیسے نکلے۔ اس کے ہاتھ پاؤں مارنے کی وجہ سے پانی متلاطم ہو گیا تھا۔ وہ جب بھی مگر ایک ہاتھ سے پکڑنے کی کوشش کرتا' متلاطم پانی اسے پیچھے دھکیل دیتا۔ ٹیوب کو چھوڑنے کا خطرہ تو وہ مول لے ہی نہیں سکتا تھا۔

"نکلتے کیوں ہو۔ اب ٹیوب پکڑ کر تیرنا سیکھو۔" سیماب نے کہا۔

وہ ہدایات دیتی رہی اور وہ عمل کرتا رہا۔ لطف بھی آنے لگا اور خود اعتمادی بھی پیدا ہونے لگی۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ ٹیوب چھوٹی.... پتلی ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا پھر وہ چلایا۔ "اس کی ہوا نکل رہی ہے۔" اور یہ کہتے کہتے ٹیوب چھلکا سی ہو گئی اور وہ ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔

"اب تم تیرنا سیکھ چکے ہو۔ تیرو نا۔" سیماب نے کہا۔

"مجھے نہیں آتا۔" اس نے بمشکل کہا۔

"اچھا.... پانی کے اندر چیخنا مت۔ سانس روک لینا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا تمہیں۔" سیماب نے اسے دلاسا دیا۔

لیکن اب کے وہ پانی میں زیادہ دیر رہا تو سیماب گھبرا گئی۔ وہ چلانے لگی "پلیا.... پلیا.... جلدی آئیں۔ سجاد ڈوب رہا ہے۔"

مگر شاید گھر تک آواز نہیں سنی گئی۔ یا تمام بڑے باتوں میں منہمک تھے۔ کسی نے سنا نہیں۔ اب تو سجاد چلانا بھی بھول گیا تھا۔ سیماب بھی پریشان ہوئی۔ وہ پانی میں کودی اور تیرتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ ڈبکی کھا کر ابھرا تو سیماب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ہاتھ پاؤں نہیں چلاؤ۔ خود کو ڈھیلا چھوڑ دو۔"

جیسے تیسے وہ اسے اوپر لے آئی۔ خود باہر نکل کر اس نے اس کا ہاتھ تھاما۔ اسی وقت اندر سے سب لوگ نکل آئے۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" خالو جان نے کہا۔

"سجاد پانی میں گر گیا تھا۔ میں نے اسے نکالا ہے۔" سیماب نے کہا۔ سجاد تو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں تھا۔

"میری بہادر بیٹی۔" خالو نے بے حد فخر سے کہا۔

بعد میں سجاد اس بارے میں سوچتا تو متضاد جذبات کا شکار ہو جاتا۔ کبھی اسے غصہ آتا اور کبھی پیار۔ احسان مندی کا جذبہ امنڈتا کہ سیماب نے اسے مرنے سے بچایا۔ مگر پھر غصہ آتا کہ موت کے منہ میں دھکا بھی تو اسی نے دیا تھا۔ وہ مرعوب بھی ہوا۔ سیماب اس سے چھوٹی تھی پھر بھی اس نے خود اس کی مدد کی۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو مدد لینے کے لئے گھر کی طرف بھاگتی اور اتنی دیر میں وہ ڈوب جاتا۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سجاد نے پیراکی سیکھ لی۔

دو ہفتے بعد وہ لوگ پھر خالہ کے ہاں گئی۔ ذرا دیر بعد سیماب نے کہا۔ "سجاد.... ادھر آؤ۔ میں تمہیں کچھ دکھاؤں گی۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اوپری منزل کے بڑے کمرے میں لے گئی۔ وہاں اس نے اسے شیشے کے چند بڑے کیسوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ سجاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ شیشے کے ہر کیس میں ایک سانپ موجود تھا۔

"کیسے لگے؟" سیماب نے پوچھا۔

"سچ مچ کے ہیں؟" سجاد نے پوچھا۔

"تو اور کیا۔ ربڑ کے ہوتے تو یہ گھر کیوں بنواتے ان کے لئے۔" سیماب نے کہا پھر پوچھا "کیسے ہیں؟ خوب صورت ہیں نا؟"

"ہاں' بہت خوبصورت ہیں۔ اب خود ہی دیکھ لو' اچھے اور خوب صورت لگنے کے باوجود ان سے کھیل تو نہیں سکتے ہم۔"

"کیوں نہیں۔ میرا تو جب جی چاہتا ہے' ان سے کھیلتی ہوں۔"

"جھوٹی۔" سجاد نے اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

سیماب نے برا نہیں مانا۔ کبھی کبھی سجاد کو وہ خود سے بڑی لگتی تھی۔ بڑے تضادات تھے اس میں اور وہ کم عمر ہونے کے باوجود انہیں سمجھتا اور ان کے بارے میں الجھتا تھا۔ مثلاً وہ بہت اخلاقی بھی تھی اور بہت گہری بھی۔ بہت انا پرست بھی تھی اور کبھی بڑی سے بڑی توہین کو بھی پی جاتی تھی۔ کچھ بھی تھا' اس کی کشش اس کے لئے ناقابل تردید تھی۔ وہ اس کی طرف یوں کھنچتا تھا' جیسے لوہا مقناطیس کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔

"تمہیں ان میں سے کون سا اچھا لگتا ہے؟" سیماب نے اس سے پوچھا۔

اب اس نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہاں چار کیس تھے اور چار سانپ تھے۔ ان کے رنگ' ان کی کھالوں کے ڈیزائن بلا شبہ بہت پرکشش تھے۔ "چاروں ہی خوب صورت ہیں۔" وہ بولا۔

"سب سے اچھا کون سا لگ رہا ہے؟"

ذرا غور کرنے کے بعد سجاد نے ایک کیس کی طرف اشارہ کیا۔ اس میں جو سانپ تھا' وہ سرخ رنگ کا تھا اور جا بجا سیاہ دائرے بنے تھے۔

"تو اس سے کھیلو۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔" سجاد بری طرح بھڑکا۔

"چلو.... دونوں مل کر اس سے کھیلتے ہیں۔ مجھے بھی یہ بہت اچھا لگتا ہے۔" یہ کہہ کر سیماب نے شیشہ سرکایا اور ہاتھ بڑھا کر اس سانپ کو پکڑ لیا۔ سجاد کی تو گھگھی بندھ گئی۔ وہ بت بن کر رہ گیا۔ لیکن جب سیماب سانپ کو لئے اس کی طرف بڑھی اور قریب پہنچ کر سانپ کو اس کی طرف بڑھایا تو وہ دہشت سے چلایا اور اندھا دھند بھاگ کھڑا ہوا۔ سیماب سانپ لئے ہوئے اس کے پیچھے تھی۔ اور اسے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ چیختا ہوا اوپر کمروں میں چکر لگاتا رہا۔ اتفاق سے زینے نظر آئے تو وہ نیچے اترا۔ ڈرائنگ روم میں سب لوگ موجود تھے۔ وہاں بھی وہ اس حال میں پہنچے کہ وہ آگے آگے تھا اور سیماب پیچھے پیچھے۔

امی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "کیا ہوا؟" انہوں نے اسے پوچھا۔ وہ ان سے لپٹ گیا۔ اسی وقت امی کی نظر سانپ پر پڑی اور وہ بھی چیخنے لگیں۔

خالو جان بیٹھے ہنستے رہے۔ ان کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا تھا۔ "اس سانپ سے ڈر رہے ہو سجاد بیٹے۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔ "ارے میاں' یہ تو بے ضرر ہے.... بے ضرر نہ ہوتا تو یہ سیماب اسے ہاتھ لگا سکتی تھی۔"

سجاد کی سمجھ میں بھی بات آ گئی۔ یہ بات تو اسے بھی سوچنی چاہئے تھی۔ لیکن اس نے نہیں سوچی۔ چھوٹا ہونے کے باوجود اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اس پر سیماب کا رعب پوری طرح بیٹھ چکا ہے۔ اس حد تک کہ اس کے خیال میں وہ ہر

ناممکن کام بھی کر سکتی ہے۔

لیکن اتنے خطرناک تجربوں کے باوجود وہ اس سے بھاگا نہیں بلکہ اس کی طرف اور زیادہ کھچا۔ دونوں طرف سے آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ اس کے باوجود کبھی امی اور ابو کو اس کی ضد کی وجہ سے بھی خالہ کی طرف جانا پڑتا تھا۔

ایک مہینے میں وہ دونوں بہت قریب ہو گئے۔ وہ عجیب بچی تھی۔ ایک طرف لڑکیوں کی طرح نرم و نازک.... گڑیوں سے کھیلنے والی.... بات بات پر رونے والی۔ دوسری طرف لڑکوں سے زیادہ سخت۔ کرکٹ کھیلنے کو وہ تیار' زور آزمائی پر بھی آمادہ۔ دونوں میں لڑائی بھی ہو جاتی تھی۔ سیماب ضدی بھی بہت تھی۔ جبکہ سجاد بہت صلح جو اور امن پسند تھا۔ مگر جب ضد کرتا تو کسی قیمت پر پیچھے نہ ہٹتا۔ دونوں میں لڑائی ہوتی تو 100 میں سے 99 مرتبہ وہی صلح کرتا.... اسے مناتا۔ لیکن ایک بار ایسا ہوتا تو وہ ڈٹ جاتا۔ تب سیماب ہی اسے مناتی۔

"میں ایسی ہوں نہیں۔" ایک دن اس نے سجاد سے کہا۔ "میں کسی کو مناتی وناتی نہیں۔ مجھے پرواہ نہیں ہوتی' کوئی روٹھتا ہے تو روٹھے۔"

"تو مجھے کیوں مناتی ہو۔" سجاد نے کہا۔

"پتا نہیں کیوں۔ تم مجھے پورے نہیں لگتے۔ پھر بھی۔ تم میں کوئی کمی ہے۔"

سجاد نے سوچا' مجھے اس میں کوئی چیز زیادہ لگتی ہے۔ اسے مجھ میں کوئی چیز کم لگتی ہے "کیا کمی ہے' بتاؤ۔"

سیماب کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ "بہادری کی.... تم ڈرپوک ہو۔"

سجاد کی سمجھ میں آ گیا۔ سیماب میں بہادری کی زیادتی تھی۔

دو ماہ بعد سیماب والدین کے ساتھ لندن واپس چلی گئی۔ تب سجاد کو پتا چلا کہ وہ اسے کتنی اچھی لگتی تھی۔ وہ اسے بہت یاد کرتا تھا۔ اسکول کی کلاسیں بدلتی رہیں' زندگی گزرتی رہی۔ وہ بڑھتا رہا۔ لیکن ایک بہت بڑی کمی کے احساس کے ساتھ جیسے وہ نامکمل ہو۔ کوئی بھی دوست سیماب کے چھوڑے ہوئے اس خلا کو نہیں بھر سکا تھا۔ اس نے کم عمری میں ہی ساتھی کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا۔

ٹرن.... ٹرن.... ٹرن....

سجاد یوں چونکا جیسے کسی نے اسے جھنجوڑ دیا ہو۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ مگر ٹیلی فون کی گھنٹی کی بھی یہ عجیب خاصیت ہے۔ بولنا شروع کرتی ہے تو کسی طرح چپ ہی نہیں ہوتی.... جب تک کہ ٹیلی فون اٹینڈ نہ کر لو.... عورت کی طرح۔

پھر بھی اس کا ہاتھ فوراً ریسیور کی طرف نہیں بڑھا۔ اسے لوسی پر بری طرح غصہ آیا۔ جب وہ کہہ چکا ہے کہ اسے ہرگز ڈسٹرب نہ کرے۔ تمام اپائنٹ منٹ تک کینسل کر دیئے اس نے.... ایسے میں کوئی کال اندر دینے کا کیا مطلب ہے۔ اسے لوسی کی خبر لینی پڑے گی اچھی طرح....

مگر پہلا مسئلہ لوسی نہیں تھی' ٹیلی فون کی گھنٹی تھی جو اب بھی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے احساس ہوا کہ لوسی کا کوئی قصور نہیں۔ ڈائریکٹ لائن والے ٹیلی فون کا تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔

اس کا ہاتھ ریسیور سے چھوا ہی تھا کہ اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ڈائریکٹ لائن! یہ فون کس کا ہو سکتا ہے۔ یہ نمبر تو اس نے زیادہ لوگوں کو دیا بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ سیماب کا فون ہو۔ مگر سیماب اب فون کیوں کرے گی؟ ملاقات کینسل کرنے کے لئے۔ اس کے اندر سے ایک آواز نے جواب دیا۔ نہیں' یہ کیسے ممکن ہے؟ سیماب کا معاملہ ہو تو کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ ناممکن کچھ بھی نہیں رہتا۔

تب تو اسے یہ فون ریسیو نہیں کرنا چاہئے۔ نہ وہ فون ریسیو کرے گا' نہ ملاقات خطرے میں پڑے گی۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی کسی ضدی بچے کی طرح.... بلکہ سیماب کی طرح اڑی ہوئی تھی۔ مسلسل بجے جا رہی تھی۔ اس کے اندازے کے مطابق کم از کم پندرہ گھنٹیاں بج چکی تھیں۔ عام طور پر لوگ اتنی کوشش سے پہلے ہی مان لیتے ہیں کہ ان کا مطلوبہ فرد فون ریسیو کرنے کے لئے موجود نہیں ہے مگر یہ گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔ بجے جا رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ سیماب کا ہی فون ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ فون اسے ریسیو کرنا پڑے گا۔ ورنہ گھنٹی بجتی رہے گی۔ سیماب تو پسپا ہونے والی نہیں۔

ریسیور اٹھانے سے پہلے اس نے اپنی جنگی حکمت عملی مرتب کی۔ اگر سیماب ملاقات منسوخ کرنے کا کہے گی تو وہ کیا کرے گا۔ کیسے اسے مجبور کرے گا۔ کون سے حربے ہیں اس کے پاس....؟ کچھ بھی نہیں' سوائے اس کے کہ آئندہ وہ اس سے کبھی نہیں ملے گا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ یہ کھوکھلی دھمکی ہے۔ یہ اس کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اگر سیماب اس پر بھی نہ مانی تو....؟ تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر اس افیئر کی تاریخ گواہ تھی کہ اس دھمکی کے بعد سیماب ہتھیار ڈال دیتی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا کیونکہ گھنٹی ابھی تک نہیں تھکی تھی۔ "یس پلیز.... سجاد اسپیکنگ۔" اس نے باوقار لہجے میں کہا۔

دوسری طرف سے جانی پہچانی آواز سنتے ہی اس کے وجود سے ٹینشن یوں نکل گئی' جیسے غبارے سے ہوا۔ اس نے سکون کی گہری سانس لی۔

"کہاں تھے آپ؟ اتنی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی۔ میں تو اب فون رکھنے ہی والی تھی۔"

"تمہیں فون رکھ ہی دینا چاہئے تھا۔" سجاد نے دل ہی دل میں کہا۔ پھر وہ ایک دم پریشان ہو گیا "قدسیہ.... کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں۔ خیریت ہے۔"

"تو پھر اس وقت فون کرنے کا کیا مطلب؟"

"کیوں بھئی.... میں تو کسی بھی وقت فون کر سکتی ہوں آپ کو۔"

"صرف ایمرجنسی میں۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ دفتر میں تو میں ڈسپلن میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتا۔"

"تو اسے بھی ایمرجنسی سمجھ لیں۔"

"کچھ بتاؤ تو۔"

"آپ کو شاید یاد نہیں' آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔ میں تاریخیں کبھی نہیں بھولتا۔" سجاد جھنجلا گیا۔

"میں نے سوچا' ممکن ہے آپ کو یاد نہ ہو۔ آج شام جلدی آئیں گے نا۔"

"ہاں.... یقیناً...."

وہ ریسیور رکھنے والا تھا کہ قدسیہ نے کہا۔ "ایک بات اور۔"

"وہ بھی کہہ دو جلدی سے۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

"آپ بہت یاد آ رہے تھے۔ آپ کی آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"جب سامنے ہوتا ہوں تو تمام وقت بولتی رہتی ہو۔ تو پھر آواز سننے کو ترسنا ہی ہے۔ آج شام کے بعد سن لینا میری آواز۔"

"کاش.... میرے بس میں ہوتا تو میں اڑ کر آپ تک پہنچ جاتی...." قدسیہ کی آواز جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مگر فلائٹ واپس ہو جاتی۔ کیونکہ یہاں لینڈنگ کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ اچھا.... خدا حافظ۔" سجاد نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اس نے دراز کھول کر سیماب کی فریم شدہ تصویر نکالی اور اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتا رہا۔ بارہا اس کا جی چاہا تھا کہ اس فریم کو میز پر سجا لے۔ لیکن دراز میں چھپا کر رکھی گئی تصویر جو ہیجان جگاتی ہے' وہ میز پر سجی ہوئی تصویر نہیں جگا سکتی۔ اس نے تصویر کو دوبارہ دراز میں رکھ دیا۔ اس کا تصور کسی تصویر کا محتاج نہیں تھا۔ تصویر تو بس سنسنی کے لئے تھی۔

اس کے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی۔ آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی۔ سچ یہ ہے کہ اسے یہ بات یاد ہی نہیں تھی۔ ورنہ شاید وہ..... نہیں' سیماب کو تب تو وہ ضرور فون کرتا۔ کیسی تھرلنگ بات ہے۔ شادی کی ساتویں سالگرہ.... اور بے وفائی.... تھوڑی سی بے وفائی! اور شام کو بیوی کے ساتھ سیلی بریشن۔ ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ کیسے زندگی میں رنگ ہی رنگ بھر جاتے ہیں۔ خوشی اور سنسنی ایک دوسرے سے لپٹ کر رگوں میں دوڑتی.... چیختی چلاتی پھرتی ہیں۔

اس نے سوچا' اٹھ کر' جانے کی تیاری کرے۔ مگر گھڑی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ دس بج کر تینتیس منٹ۔ صرف گیارہ منٹ گزرے ہیں جب سے۔ اتنا عرصہ زندگی کا دوبارہ جی لیا' اتنی باتیں کر لیں اور اتنا سوچ لیا.... صرف گیارہ منٹ! وقت کتنا سست رفتار ہے۔

وہ پھر اسی دلکش چہرے کی کہانی میں کھو گیا!

○

خالہ اور خالو سات سال بعد سیماب کو لے کر پھر پاکستان واپس آئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ سجاد کی مسیں بھیگنے لگی تھیں۔ سیماب کی یادوں کا' اس کی کمی محسوس کرنے کا مفہوم کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیماب سے ملتے ہوئے اس کے انداز میں جھجک تھی۔

لیکن سیماب کے تو انداز ہی اور تھے۔ وہ تو آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ وہ بوکھلا گیا "ارے... ارے ہٹو۔ کیا کرتی ہو۔"

"یار اتنے سالوں کے بعد مل رہے ہو۔ اچھی طرح ملو۔" وہ اور چپک گئی۔

سجاد نے گھبرا کر خالہ اور خالو کو دیکھا۔ خالہ جھینپ رہی تھیں۔ نظریں چرا رہی تھیں مگر خالو بے پروائی سے ابو سے باتیں کر رہے تھے۔

بڑے باتوں میں مصروف تھے۔ سیماب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر لان کی طرف چل دی۔ سجاد چپکے چپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور جو اسے نظر آیا' وہ مایوس کن تھا۔ سیماب ایک دم لمبی ہو گئی تھی اور بالکل لڑکا لگ رہی تھی۔ انداز تو اس کے پہلے ہی سے لڑکوں والے تھے۔ لیکن عجیب تر بات یہ تھی کہ اس کی کشش کا وہی عالم تھا بلکہ وہ پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ جب وہ اس سے لپٹی تو اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ اب بھی وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی اور وہ عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا۔

ایک درخت کے پاس پہنچ کر وہ رک گئے۔ "چلو.... یہاں بیٹھتے ہیں۔" سیماب نے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد سیماب نے کہا۔ "ذرا پرے ہٹو.... تمہیں ٹھیک سے دیکھ لوں۔"

وہ دیکھنے لگی۔ سجاد کو عجیب سا لگا۔ وہ کھسیانے لگا۔ "کیسے بے ڈھب اور لمبے ہو گئے ہو۔" بالآخر سیماب نے تبصرہ کیا۔ "اور یہ بال کتنے برے لگ رہے ہیں چہرے پر۔ چوزے اور مرغے کے درمیان کی چیز لگ رہے ہو۔"

"آئینہ بھی دیکھ لیا کرو کبھی؟" سجاد نے چڑ کر کہا۔

"اور آواز کوے جیسی ہو گئی ہے۔" سیماب نے سنی ان سنی کر دی۔ "واہ کیا

کامبی نیشن ہے۔ مرغ اور لوے کا۔"

سجاد اپنی آواز کی تبدیلی پر خود بھی پریشان تھا۔ وہ بھاری ہوتی ہوئی آواز اسے خود بھی اجنبی لگتی تھی۔ لڑکے جب جوانی کی سرحد میں قدم رکھنے لگتے ہیں تو انہیں اس مرحلے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ اور کھسیا گیا۔ "تو مت کرو مجھ سے بات۔" اس نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"یہی تو نہیں ہو سکتا۔ یہاں بات کرنے کو کوئی اور ہے ہی نہیں۔"

"تو واپس چلی جاؤ۔" سجاد اٹھ کھڑا ہوا اور ناراض ہو کر چل دیا۔ سیماب نے اسے منانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

ناراض ہونے کو تو وہ ہو گیا مگر اس امید پر کہ وہ اسے منا لے گی۔ اس لئے کہ یہاں ایک وہی اس کا دوست ہے۔ وہ اس کی ضرورت ہے۔ مگر دو دن بعد ابو اور امی ان لوگوں سے ملنے گئے تو اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ سیماب اپنے دو چچا زاد بھائیوں کے درمیان تھرک رہی تھی۔ وہ دونوں ہی اس پر والہ و شیدا ہو رہے تھے۔ سیماب نے اسے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ بات تک نہیں کی۔

تب سجاد کو یہ پتا چلا کہ اس بار ان لوگوں کا قیام خالو کے چھوٹے بھائی کے گھر تھا۔

وہاں سے واپس آیا تو وہ بہت اداس اور پژمردہ تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے کوئی بہت قیمتی چیز اس سے چھن گئی ہے۔ سچ یہ تھا کہ سیماب کی بے رخی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ طبعاً" وہ بہت خود دار اور ناک والا تھا۔ اس کے باوجود کئی بار اس کا جی چاہا کہ سیماب سے خود ہی بات کر لے۔ لیکن سیماب نے اپنے ہر انداز سے واضح کر دیا تھا کہ اس کی سنے گی بھی نہیں۔ اب وہ اس بات پر بھی جھنجلا رہا تھا کہ سیماب کے معاملے میں وہ اتنا کمزور کیوں ہو گیا ہے۔

گھر آ کر وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔ سیماب ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ اس نے اپنے عکس کو دیکھتے ہی سوچا۔ رخساروں پر' ٹھوڑی پر' ہونٹوں کے اوپر نرم' مڑے ہوئے لجھے بال.... واقعی مرغے جیسی ہیئت ہو رہی تھی اس کی۔ اپنا آپ خود اسے بھی برا لگ رہا تھا۔

آئینہ دیکھ کر وہ اور پژمردہ ہو گیا مگر پھر دل میں امید کی ننھی سی کرن پھوٹی۔ اس کرن کی روشنی میں اسے ابو کا کلین شیو' تر و تازہ چہرہ نظر آیا۔ وہ بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ ابو سے بہت ملتا ہے۔ تو پھر وہ اتنا گندہ کیوں لگے.... کیوں رہے کہ دوسروں کو بھی برا لگے اور خود کو بھی۔

اس نے جلدی سے باتھ روم کا دروازہ اندر سے بند کیا اور کیبنٹ میں سے ابو کا شیو کا سامان نکال لیا۔ ابو کو شیو کرتے ہوئے وہ ہمیشہ غور سے دیکھتا تھا۔ ان کی نقل کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ وہ تو شیو کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ ریزر اس کی نرم جلد کے لئے بے حد ظالم ثابت ہو رہا تھا۔ جا بجا کٹ لگ گئے اور خون کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں جو دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے چھوٹے کنوئیں سے بن گئے۔ اس نے آفٹر شیو لوشن لگایا تو ناچ ہی اٹھا۔ خراشوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئیں۔ روئی موجود تھی۔ اس نے وہ لگائی اور لمحوں میں چہرہ کپاس کا کھیت بن کر رہ گیا۔

آخر میں اس نے آئینے میں نتیجہ دیکھا' جو خاصا مایوس کن تھا۔ اب وہ اور طرح سے برا لگ رہا تھا۔ مگر بہرحال پہلے سے بہت بہتر تھا۔

دن بھر خراشوں میں جلن ہوتی رہی۔ ایسا کچھاؤ تھا کہ لگتا تھا' چہرہ اتنا ہی بڑا ہے مگر جلد کم ہو گئی ہے۔

اگلے روز خالہ آئیں۔ وہ انہیں چپکے سے سلام کر کے باہر نکل گیا۔ وہ لان کے درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ ذرا دیر بعد سیماب وہاں آ گئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح ہنس رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آ بیٹھی مگر ہنسی روکنے کی کوشش میں اس کا پورا جسم ہل رہا تھا۔

سجاد کو اس کا ہنسنا بہت برا لگا۔ وہ منہ بنائے بیٹھا رہا۔ اس نے ہنسنے کی وجہ بھی نہیں پوچھی۔ ذرا دیر میں سیماب نے اپنی ہنسی پر قابو پایا اور گھٹے گھٹے لہجے میں بولی "سوچا تھا' اب تم سے بھی بات نہیں کروں گی۔"

"تو نہ کرو۔" سجاد نے بھنا کر کہا۔

"کیسے نہ کروں۔ تم حرکتیں ہی ایسی کرتے ہو۔"

"کیسی حرکتیں؟"

"اب بھی دیکھ لو۔ پہلے مرغا تھے اور اب ابلا ہوا انڈا بن گئے۔" سیماب نے اور پھر ہنسنے لگی۔

"تمہیں اس سے کیا؟"

"بس تم برے لگتے ہو تو برا لگتا ہے۔"

"تمہیں تو اپنے چچا کے بیٹے اچھے لگتے ہیں۔"

"تم اپنی جگہ اور وہ اپنی جگہ۔" سیماب نے بے نیازی سے کہا۔

ذرا دیر بعد وہ پھر ہنسنے بولنے لگے۔

یوں قبل از وقت شیو کر کے سجاد نے خود کو وقت سے پہلے بڑا کر لیا۔

ایک روز خالہ اکیلی آئی ہوئی تھیں۔ وہ امی سے بات کر رہی تھیں۔ سجاد گزرتے ہوئے سیماب کا تذکرہ سنا تو دروازے پر رک کر سننے لگا۔

"میں تو باجی ہر وقت سیماب کی طرف سے پریشان رہتی ہوں۔" خالہ کہہ رہی تھیں۔

"کیوں بھئی۔ اتنی پیاری بیٹی ہے تمہاری۔" امی نے کہا۔

"بہت آزاد خیال ہے باجی۔ مجھے تو ڈر لگا رہتا ہے۔"

"بچی ہے ابھی۔ ناسمجھ ہے۔ سمجھ دار ہو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں باجی۔ میں جانتی ہوں۔ وہ اندر سے آدھی مغربی ہے' آدھی مشرقی۔ کبھی تو مجھے لگتا ہے' دو لڑکیاں گھسی ہوئی ہیں اس میں۔ میں فیصلہ کر کے آئی ہوں کہ اب اسے لندن نہیں لے کر جاؤں گی۔ میں تو اب خود بھی نہیں رہنا چاہتی مگر افسر کہتے ہیں' کاروبار سمیٹنے میں دو سال لگیں گے۔"

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" امی نے کہا۔ "اور سوچا کیا ہے اس سلسلے میں؟"

"میں تو آپ کے پاس چھوڑ کر جاتی اسے۔ لیکن افسر نہیں مانتے۔ وہ اسے اختر کے ہاں چھوڑنے پر راضی ہیں۔"

"چلو... کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑ بھی سکتا ہے باجی۔ مگر خیر... دیکھا جائے گا۔"

"سنو نرگس۔" امی ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔ "میں پہلے سے تمہارے کان میں ڈال رہی ہوں۔ میں سیماب کو بہو بنانا چاہتی ہوں۔ وقت آنے پر اسے مانگوں گی سجاد کے لئے۔"

"اس سے اچھا کیا ہے باجی۔ آپ سے بڑھ کر کون ہے۔"

سجاد آگے بڑھ گیا۔

اسے آج بھی یاد تھا۔ اس وقت اس نے مانگنے کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن یہ سوچ کر اس کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئی تھیں کہ سیماب اب لندن واپس نہیں جائے گی۔ یہیں رہے گی۔ اس بات پر اسے افسوس بھی ہوا کہ وہ اپنے چچا کے ہاں رہے گی۔ کاش.... وہ انہی کے ہاں رہتی۔

اس نے چونک کر گھڑی کو دیکھا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔

دس بج کر انتالیس منٹ!

○

بعد میں اسے یہ افسوس بھی نہیں رہا۔ اس نے سمجھ لیا کہ سیماب ہواؤں کی طرح آزاد لڑکی ہے۔ وہ جہاں بھی رہے گی' آزاد ہی رہے گی۔ جتنا وہ اب اس سے ملتی تھی' اس کے گھر میں رہ کر بھی اس سے زیادہ نہیں ملتی بلکہ اس کے لئے یہ اچھا ہی تھا کہ وہ اپنے چچا کے گھر ٹھہری تھی۔ وہ اس سے ملتی تھی تو اسے خوشی ہوتی تھی۔ لیکن وہ ان کے ہاں ٹھہری ہوتی اور اسی طرح اپنے چچا زاد بھائیوں عامر اور عاطر سے ملنے جاتی تو وہ کڑھتا۔ اسے افسوس ہوتا کہ وہ ان کے گھر میں ہوتے ہوئے بھی اس سے اچھی طرح نہیں ملتی۔ اب وہ جانتا تھا کہ عامر اور عاطر کے یہی جذبات ہوں گے۔ وہ کڑھ رہے ہوں گے۔

سیماب کا اسکول میں داخلہ ہو گیا تھا اور وہ اسکول جانے لگی تھی لیکن اس سلسلے میں وہ سخت بور تھی۔ "ایسی بور جگہ میں نے کبھی نہیں دیکھی۔" وہ اکثر کہتی۔ "کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ دم گھٹ جائے گا میرا۔ میں مر جاؤں گی۔"

"کیوں.... ایسی کیا بات ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ وہ بہت اچھا سکول ہے۔" سجاد

نے کہا۔

"خاک اچھا ہے۔ جہاں دل نہ لگے' اس جگہ کو اچھا کہا جا سکتا ہے؟" سیماب حقارت سے بولی۔

"اسکول پڑھنے کی جگہ ہے' دل لگانے کی تو نہیں۔" سجاد نے اعتراض کیا۔

اس وقت عامر اور عاطر بھی سیماب کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ عامر نے ہنس کر کہا۔ "یہ تو ہر جگہ دل لگانا چاہتی ہے۔"

"ذرا عادی ہو جائے گی تو اسکول میں بھی دل لگ جائے گا۔" سجاد بولا۔

"نہیں لگے گا۔" عاطر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "وہ گرلز اسکول ہے۔"

"کیا مطلب؟" سجاد کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔

"وہاں صرف لڑکیاں ہوتی ہیں۔" عامر نے وضاحت کی۔ "اور سیماب کا دل صرف لڑکوں میں لگتا ہے۔"

"اسی لئے یہاں تم تینوں کے درمیان بیٹھی ہوں۔" سیماب نے تڑخ کر کہا۔ "ورنہ میں لڑکیوں میں ہوتی اور تم تینوں الگ الگ بور رہے ہوتے۔"

"ہماری طبیعت تمہارے جیسی نہیں ہے۔" عاطر بولا۔

"جھوٹے ہو۔ جس بات کو برا سمجھتے ہو' اسے کرنے سے باز نہیں آتے۔ مگر اسے چھپا کر رکھ لیتے ہو۔ میں جو بات جیسے ہو' ویسے ہی کہہ دیتی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" عامر اور عاطر نے بیک آواز کہا۔

سجاد چند لمحے سوچتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ سیماب ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اسے اس لمحے سیماب اور اچھی لگی۔ وہ دلیر تھی' بولڈ تھی' منافق نہیں تھی۔ "نہیں بھئی۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں مانتا ہوں کہ سیماب ٹھیک کہہ رہی ہے۔ نہ ماننے سے حقیقت تو نہیں بدلے گی۔"

"اپنے اپنے مزاج کی بات ہے۔" عامر نے کہا۔ "تم اس معاملے میں سیماب کے مزاج کے ہو گے لیکن میں نہیں ہوں۔"

"میں بھی نہیں ہوں۔" عاطر بولا۔

"اگر سچ کہہ رہے ہو تو تم دونوں ایب نارمل ہو۔" سیماب نے کہا۔

"وہ کیسے؟" عاطر کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"فطرت یہی ہے کہ مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی کمپنی اچھی لگتی ہے۔ اور جو لوگ فطرت کے خلاف عمل کریں' وہ ایب نارمل ہوتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" عاطر نے کہا۔ "تم انگلینڈ میں رہ کر انگریزوں جیسی بے شرم ہو گئی ہو۔ کوئی پاکستانی لڑکی یہ بات نہیں کہہ سکتی۔"

"میرے خیال میں سیماب ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا کیا ہے۔ تم تو سیماب کے چمچے ہو۔" عامر نے طعنہ دیا۔

بات بڑھی اور اتنی بڑھی کہ ان کی لڑائی ہو گئی۔

اس کا فائدہ سجاد کو ہوا۔ سیماب کی اس سے دوستی پکی ہو گئی۔ جو کچھ سجاد نے سوچا اور کہا' وہ محض سیماب کو خوش کرنے کے لئے نہیں تھا۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔ طبعاً" وہ بہت معقولیت پسند تھا۔ معقول بات اس کی سمجھ میں آتی تھی او وہ اسے کشادہ دلی سے قبول بھی کر لیتا تھا۔

سیماب کو وہ اچھا تو لگتا تھا لیکن اسے اس کی یہ بات بہت بھائی۔ اس کے بعد دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔

اس عمر میں لڑائیاں پکی نہیں ہوتیں۔ عامر اور عاطر نے بھی اپنی غلطی مانی اور ان کے درمیان صلح ہو گئی۔ لیکن ترجیحات کا تعین ہو چکا تھا۔

آنا جانا لگا رہتا تھا۔ کبھی سجاد بھی اختر چچا کے گھر چلا جاتا۔ اور سیماب تو تھی ہی من موجی۔ ہفتے میں دو تین بار تو وہ آتی ہی تھی۔ کبھی ویک اینڈ پر آتی تو رات کو رک بھی جاتی۔ امی اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ ان کے خیال میں وہ ان کی ہونے والی بہو تھی۔

ان قربتوں کے نتیجے میں عاطر اور سجاد کی دوستی ہو گئی لیکن سجاد کی عامر سے کبھی نہیں بنی۔

○

دس بج کر چھیالیس منٹ!

ایک سال گزر گیا۔ اب سجاد نہ مرغا تھا نہ ابلا ہوا انڈا۔ وہ بے حد وجیہہ و شکیل

لڑکا تھا۔ میٹرک کے بعد اس نے کالج میں داخلہ لیا۔ وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ تھوڑ وقت گزرا تو وہ کئی لڑکیوں کی دلچسپی کا محور بن گیا۔ لیکن خود اس نے کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لی۔ ایک تو وہ طبعاً" شرمیلا تھا۔ دوسرے اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک لڑکی میں دلچسپی لیتا ہے۔ بلکہ اب وہ سمجھ سکتا تھا کہ اسے سیماب سے محبت ہے۔ لیکن یہ بات کالج کی کئی لڑکیوں کے اظہار محبت کے بعد اس کی سمجھ میں آئی۔

کبھی وہ کالج کی لڑکیوں سے سیماب کا موازنہ کرتا تو اسے ایک پل کو مایوسی ہوتی۔ کالج کی لڑکیوں میں عجیب سی خوب صورتی تھی' جسے وہ محسوس تو کر لیتا تھا' سمجھ نہیں پاتا تھا۔ جبکہ سیماب میں وہ بات نہیں تھی۔ وہ غور سے دیکھتا تو اسے اعتراف کرنا پڑتا کہ چہرے کی خوب صورتی کے اعتبار سے سیماب کالج کی لڑکیوں سے بہت حسین ہے مگر کہیں کوئی کمی تھی اس میں۔ شاید وہ دبلی پتلی بہت تھی.....اور شاید وہ لمبی بھی بہت تھی.... تاڑ کی طرح۔ اس میں شاید توازن کی.....تناسب کی کمی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کبھی کچھ سمجھ نہیں سکا۔

مگر ایک دن بات اس کی سمجھ میں آ گئی!

سیماب لڑکی سے زیادہ لڑکا لگتی تھی۔ یہ بات سمجھنے میں اسے اتنی دیر اس لئے لگی کہ سیماب کی تمام حرکتیں لڑکوں والی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ کرکٹ کھیلتی' فٹ بال کھیلتی۔ ہاتھا پائی اور دھینگا مشتی سے بھی وہ کبھی نہیں ہچکچاتی تھی۔ یہاں رہتے ہوئے ایک سال ہوا تو وہ بات بھی لڑکوں کی طرح کرنے لگی۔ اسے' عامر اور عاطر کو یار کہہ کر مخاطب کرتی۔ بس یہی غنیمت تھا کہ خود اپنے لئے وہ تانیث کا صیغہ استعمال کرتی تھی۔ اس کے لڑکا پن کا یہ پہلو اتنا نمایاں تھا' اتنی سامنے کی بات تھی کہ اس کے پیچھے چھپی ایک اور سامنے کی حقیقت وہ نہ دیکھ سکا۔ اور وہ حقیقت یہ تھی کہ دبلی پتلی ہونے کے باوجود سیماب اس نزاکت سے محروم تھی' جو لڑکیوں کا بہت اہم اثاثہ ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں' چہرے سے قطع نظر جسمانی اعتبار سے وہ لڑکا لگتی تھی۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس بات کے ادراک کے بعد وہ اس سے دور ہو جاتا۔ بہت حسین لڑکی کا التفات اسے میسر تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر سیماب اس کے لئے پہلے ہی کی طرح پرکشش رہی۔ بلکہ شاید اس کی کشش اور بڑھ گئی۔

دوسری طرف عامر اور عاطر بھی سجاد کی طرح کالج میں پہنچ گئے تھے۔ انہیں بھی سجاد کی سی صورت حال سے واسطہ پڑا تھا۔ لیکن ایک فرق تھا۔ انہیں جو موقع مل رہا تھا' وہ اس سے استفادہ کر رہے تھے۔ کالج میں پہنچتے ہی انہوں نے پر پرزے نکال لئے تھے۔ ان کے چکر چلتے ہی رہتے تھے۔

اور شاید ان دونوں نے بھی کالج کی لڑکیوں سے سیماب کا موازنہ کیا تھا۔ یہاں بھی وہی فرق سامنے آیا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا' اسکے نتیجے میں ان کی سیماب میں دلچسپی ختم ہو گئی۔ سیماب سے انہیں لگاؤ تھا تو صرف اس لئے کہ اس کا تعلق صنف مخالف سے تھا۔ اور اسکول کے دنوں تک ان کے اردگرد کوئی لڑکی تھی ہی نہیں۔ مگر اب انہیں لڑکیوں کی قربت بھی میسر تھی اور التفات بھی..... اور وہ بھی حسین لڑکیوں کا۔ اس لئے لڑکا نما سیماب ان کے لئے غیر اہم ہو کر رہ گئی۔

سیماب کو اگر ان کے رویئے سے دھچکا لگا تو اس نے کسی کو اس کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اس کی خود اعتمادی کا اب بھی وہی عالم تھا۔ لیکن وہ واضح طور پر سجاد سے قریب تر ہو گئی۔

ایک سال گزرا اور اسکول کی موسم گرما کی چھٹیاں ہو گئیں۔ لڑکے فرسٹ ایئر میں تھے۔ ان پر پڑھائی کا بوجھ بڑھ گیا تھا کیونکہ دو ماہ بعد امتحان ہونے والے تھے۔ پھر بھی انہوں نے شروع میں ایک ماہ کی چھٹیوں میں سیماب کا خوب ساتھ دیا۔ کبھی سجاد' اختر چچا کے ہاں چلا جاتا اور کبھی وہ لوگ ان کے ہاں آ جاتے۔ خوب دھما چوکڑی مچتی۔ گانے گائے جاتے' لطیفے سنائے جاتے' کسوٹی کھیلی جاتی۔ کرکٹ اور فٹ بال کی بھی شامت آتی۔ کبھی وقت پرسکون ہوتا تو وہ لوگ کیرم یا تاش کھیلتے۔

ایک اور مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ پہلے ہمیشہ اس بات پر جھگڑا ہوتا تھا کہ سیماب کا پارٹنر کون بنے گا۔ اس سلسلے میں سجاد کے سوا کبھی کوئی لڑکا مفاہمت پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ ہاں سجاد فیصلہ سیماب پر چھوڑ کر الگ ہو جاتا تھا۔ مگر عاطر اور عامر بعض اوقات سیماب کا فیصلہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ کھیل ہی نہ پاتے۔ اس لحاظ سے وہ بے حد غیر متوازن چوکڑی تھی۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہو گا کہ تین ماؤں میں مرغی حرام ہو رہی تھی۔

مگر لڑکوں کے کالج پہنچتے ہی یہ مسئلہ نہیں رہا۔ اب پارٹنر کے انتخاب کا مسئلہ سیماب پر چھوڑ دیا جاتا۔ عاطر اور عامر اب اس مسئلے پر کبھی نہ الجھتے۔ سیماب ہر بار سجاد کے حق میں فیصلہ کرتی اور کبھی بدمزگی نہیں ہوتی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ یہ مسئلہ ہی ختم ہو گیا۔ سجاد مستقل طور پر سیماب کا پارٹنر بن گیا اور تسلیم کر لیا گیا۔ مگر سجاد نے سیماب کے چہرے پر تکدر کا سایہ دیکھ لیا تھا۔ پہلے جب اس کو پارٹنر بنانے کے لئے جھگڑے ہوتے تھے تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہوتا تھا۔ اسے اچھا لگتا تھا کہ وہ اس کے لئے لڑ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ محرومی اسے بہت ناگوار لگی۔ تاہم اس کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا کھیل بہتر سے بہتر ہوتا گیا۔ وہ سچ مچ بہت اچھا کھیلنے لگی۔

سجاد کے لئے یہ سب فائدہ مند تھا۔ سیماب اب اس کی مستقل پارٹنر تھی.... اور کیرم ہوتا یا تاش' زیادہ تر جیت اس کے اور سیماب ہی کے حصے میں آتی تھی۔

چھٹیوں کا ایک ماہ باقی تھا کہ ایک دن سیماب ناشپاتی کے درخت پر چڑھ کر ناشپاتیاں توڑ رہی تھی۔ اچانک وہ بہت بے تکے پن سے گری۔ اس کے بائیں پاؤں پر بہت زیادہ زور پڑا تھا اور وہ مڑ گیا تھا۔ امی نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا لیکن بالآخر اسے اسپتال لے جانا پڑا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ احتیاط اور تصدیق ضروری ہے۔ کہیں فریکچر نہ ہو۔ بہرحال ایکسرے سے یہ معلوم ہو گیا کہ ہڈی نہیں ٹوٹی ہے لیکن موچ بہت شدید تھی۔ ڈاکٹر نے دوائیں دیں۔ لیکن واضح طور پر خبردار کیا کہ احتیاط اور آرام بہت ضروری ہے۔ ورنہ چوٹ بہت تکلیف دہ ثابت ہو گی۔

اختر چچا اور چچی سیماب کی عیادت کے لئے آئے۔ انہوں نے گھر چلنے کو اصرار کیا لیکن سیماب نے منع کر دیا کہ ڈاکٹر نے نقل و حرکت کو سختی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ وہ بادل نخواستہ اسے وہاں چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ یوں سیماب اسکول کی باقی چھٹیوں تک وہیں رہی۔

سجاد سیماب کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتا تھا لیکن خود اس نے وہ وقت بہت اچھا گزارا۔ وہ اس کے لئے یادگار دن تھے۔ سیماب بلا شرکت غیرے اس کی تھی۔ وہ تمام وقت اس کا سایہ بنا رہا۔ حالانکہ امتحان سر پر آ گئے تھے۔ مگر یہ بھی تھا کہ فرسٹ ایئر اتنا اہم نہیں ہوتا۔ اگلے سال ہر کمی کی تلافی کی جا سکتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ سجاد نے سیماب کی بہت خدمت کی۔ وہ ہر وقت اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔ وہ نہ ہوتا تو سیماب دوسرے ہی دن سے چلنا شروع کر دیتی اور اس کا نتیجہ یقیناً خراب نکلتا۔ ہر بار وہ اسے کسی کھیل میں الجھا لیتا۔ یا وی سی آر پر کوئی فلم لگا دیتا۔

اس عرصے میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے سیماب کو بہت قریب سے دیکھا اور اسے سمجھا۔ یہ اندازہ تو اسے تھا کہ وہ بہت دشوار لڑکی ہے۔ لیکن مسلسل اتنا عرصہ قریب رہنے کے بعد اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ مشکل.... بہت ہی مشکل لڑکی ہے۔ ابتدا میں اسے حیرت بھی ہوئی اور تکلیف بھی۔ مگر حقیقت جان لینا بالآخر بہتر ہی ہوتا ہے۔

وہ سیماب کے پیر کی موچ کا تیسرا دن تھا۔ وہ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ اچانک سیماب نے غصے سے پتے ایک طرف پھینک دیئے۔ سجاد حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ "کیا ہوا؟ کیا تمہارے خیال میں میں بے ایمانی کر رہا ہوں؟" بالآخر اس نے سنبھل کر پوچھا۔

"جی نہیں۔ بے ایمانی کرنے دوں گی تمہیں۔" سیماب نے چیلنج کیا۔

"تو پھر؟"

"یہ کیا مصیبت ہے۔ کیا تاش کھیلنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے؟" وہ غصے سے بولی۔

"کیوں نہیں۔" سجاد نے بے حد حلیمی سے کہا۔ "چلو کسوٹی کھیلتے ہیں۔"

"میں بور ہو گئی ہوں یہ سب کر کے۔" سیماب نے کہا پھر تنبیہی لہجے میں بولی "اور خبردار فلم دیکھنے کی بات بھی نہ کرنا۔ میں فلمیں دیکھ دیکھ کر تنگ آ چکی ہوں۔"

سجاد حیران تھا۔ ابھی تیسرا دن ختم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ڈھائی دن میں وہ اپنے تمام مشاغل سے اکتا چکی تھی' جن کی تعداد بہرحال کم نہیں' بلکہ اچھی خاصی تھی۔ کم از کم اسے اکتاہٹ کا بالکل احساس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اسے یقین تھا کہ وہ ان مصروفیات میں کئی مہینے بور ہوئے بغیر گزار سکتا ہے۔ اس کے لئے تو سیماب کی قربت ہی بہت تھی۔ وہ اگر آنکھیں بند کئے لیٹی رہتی اور وہ اسے تکتا رہتا تو بھی اسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا۔ یہ سوچ کر اس کے دل پر چوٹ سی لگی کہ سیماب کے لئے اس کی اتنی

اہمیت نہیں ہے۔ ورنہ وہ بور نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سیماب نگاہوں میں سختی لئے اسے گھور رہی تھی۔ جیسے وہی اس کی بوریت کا ذمے دار ہو۔ "تو پھر کیا کریں؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"سوچو.... کچھ ایسا ہو' جو ہم نے اب تک نہیں کیا ہو۔ بالکل نیا۔"

سجاد سوچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ جانتا تھا کہ اسے ایسا کچھ نہیں سوجھے گا۔ ایسا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

"تم بہت بور آدمی ہو۔ ذرا بھی creative نہیں ہو۔ تمہاری کمپنی میں کوئی خوش نہیں رہ سکتا۔" سیماب نے غصے سے کہا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں سوچنے کی۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔ مجھ پر چھوڑ دو۔ اچھا چلو' باغیچے میں چل کر سوچتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں اٹھنے نہیں دوں گا۔"

"تم.... تم کیسے روک سکتے ہو مجھے۔" سیماب کے لہجے میں حقارت تھی۔

"تمہاری ٹانگ کی ہڈی توڑ دوں گا۔ پھر تم چلنے کے قابل ہی نہیں رہو گی۔"

سیماب نے اسے تولنے والی نظروں سے دیکھا مگر اس کے انداز میں سنجیدگی دیکھ کر مسکرا دی۔ "یہ بات اچھی لگی مجھے۔ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہئے.... مضبوط اور زور آور۔ لیکن تم پر تو بس یہ دورہ سا پڑتا ہے کبھی کبھی۔ اس کے بعد ویسے ہی کمزور اور لجلجے ہو جاتے ہو۔"

اور سجاد فوراً ہی کمزور اور لجلجا ہو گیا۔ مسئلہ وقتی طور پر حل ہو گیا تھا۔

سیماب کچھ سوچ رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ "اور یہ تم اسی طرح میرے ساتھ کھیلتے رہو گے تو فیل نہیں ہو جاؤ گے امتحان میں؟"

"ہونے دو۔ اگلے سال دیکھ لیں گے۔"

"نہیں' یہ کوئی بات نہیں۔ الزام تو مجھ پر ہی آئے گا اور یہ میں پسند نہیں کروں گی۔"

"تو پھر؟"

وہ پھر سوچنے لگی۔ "اچھا' فرض کر لو' میں چچا جان کے ہاں چلی جاؤں تو....؟"

"کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ میں وہاں بھی روز آیا کروں گا۔ اس حال میں تمہیں اکیلا تو نہیں چھوڑوں گا میں۔"

سیماب نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔ "تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ عام حالات میں تم امتحان کی تیاری کیسے کرتے۔ کیا شیڈول ہوتا تمہارا؟ دیکھو نا' کوئی بھی چوبیس گھنٹے تو نہیں پڑھ سکتا۔ پڑھے تو اس کا کچھ فائدہ بھی نہیں۔ تفریح بھی ضروری ہوتی ہے۔ اب یہ سوچ کر بتاؤ کہ میں انگلینڈ میں ہوتی تو تم کیا ٹائم ٹیبل بناتے۔"

"میں...."

"ایک منٹ۔" سیماب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "بتاؤ نہیں۔ لکھ کر.... ٹائم ٹیبل بنا کر دکھاؤ مجھے۔"

پانچ منٹ بعد سجاد نے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کاغذ کا جائزہ لیا اور بڑوں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "گڈ.... ویری گڈ۔ آج سے اس پر عمل ہو گا۔"

سجاد کو غصہ آنے لگا۔ وہ امی کے انداز میں بول رہی تھی۔ اور وہ مذاق بھی نہیں تھا کیونکہ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ "مگر تم بور ہو جاؤ گی۔" اس نے اپنے بے سود غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہوں گی۔ ہم ایک بالکل نیا کام کر رہے ہوں گے' جو ہم نے اب تک نہیں کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سجاد حیران رہ گیا۔

"ہم مل کر پڑھیں گے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ تم مجھ سے بہت پیچھے ہو۔"

"ہوں۔ لیکن ضروری نہیں کہ رہوں بھی۔ تم جو پڑھو گے' زور سے پڑھو گے۔ میں سنوں گی۔ پھر میں وہی پڑھوں گی' تم سنو گے۔ اس کے بعد ہم اس پر ڈسکشن کریں گے۔"

سجاد کو وہ ناممکن معلوم ہو رہا تھا مگر کرنے میں کچھ حرج بھی نہیں تھا۔ سیماب کے

لئے تو وہ ایک طرح کا نیا اور انوکھا کھیل تھا۔ جب تک اس سے دل نہ بھر جاتا' وہ خوش رہتی۔ اور سجاد کا اپنا نقصان بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ امتحان پر پہلے ہی صبر کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کے بنائے ہوئے ٹائم ٹیبل پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔

لیکن تین دن میں سجاد کو اندازہ ہو گیا کہ اس پروگرام سے اسے بہت زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہے۔ سیماب واقعی غیر معمولی لڑکی تھی۔ اس کا حافظہ غضب کا تھا اور وہ بے حد فہیم بھی تھی۔ وہ تو کسی لیکچرار کے سے اعتماد سے اسے سمجھاتی تھی۔ یوں کھیل ہی کھیل میں امتحان کی تیاری بہت اچھی طرح ہونے لگی۔

چوتھے دن سیماب پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ لگے بندھے معمولات کے مطابق وقت گزارنا اس کے مزاج میں تھا ہی نہیں۔ لیکن وہ ٹائم ٹیبل کی اہمیت کو خوب سمجھتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس کی ایک اور ترکیب نکال لی۔ ٹائم ٹیبل کو بے حد مرتب انداز میں بے ترتیب کیا جانے لگا۔ کیمسٹری کے وقت وہ لوڈو کھیلتے۔ لوڈو کھیلنے کے وقت میں ریاضی پڑھا جاتا اور ریاضی کے وقت میں فزکس ہوتی۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ خود انہیں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کب کیا ہو گا۔ سب کام ہوتے۔ تمام مضامین کی سٹڈی ہوتی۔ کھیل بھی سارے کھیلے جاتے۔ بس کسی کے بھی وقت کا تعین نہیں تھا۔

اس عرصے میں سجاد نے سیماب کو خاصی حد تک سمجھ لیا۔ یہ بھی جان لیا کہ وہ اسے پوری طرح کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے مزاج میں تلون بہت تھا۔ وہ بے حد تنوع پسند تھی۔ زندگی میں مسلسل نئے پن' انوکھے پن کی متلاشی۔ اس میں اضطراب بہت تھا۔ وہ ظاہری طور پر ہی نہیں' باطنی طور پر بھی بے حد متحرک تھی۔ عام طور پر متلون مزاج لوگ قوت ارادی کے پکے نہیں ہوتے مگر سیماب جو ٹھان لیتی وہ کر کے رہتی تھی۔

دیکھنے میں تو وہ ایسی نہیں لگتی تھی لیکن ایک دن سجاد کو پتا چلا کہ سیماب حساس بھی ہے۔ شاید اس روز وہ کوئی کمزور لمحہ تھا' جو اس پر آیا تھا۔ اس نے بے حد اداس لہجے میں بڑی دل گرفتگی سے کہا۔ "عامر اور عاطر نے کیسے مجھے چھوڑ دیا۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس وقت وہ اسے کسی زخمی پرندے کی طرح لگی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "وہ بھی امتحان کی تیاری میں الجھے

ہوئے ہیں۔"

"نہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ انہوں نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" سیماب کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

سجاد کو حیرت ہوئی۔ اب تک سیماب نے یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ اسے اس بات کی کوئی پرواہ ہے۔ یہ تو اب اچانک پتا چلا تھا کہ اسے ان کی بے رخی کا دکھ ہے۔

اسے احساس ہوا کہ سیماب اسے بہت غور سے دیکھ رہی ہے۔ "تم بہت اچھے ہو..... سچے اور مخلص۔ اسی لئے میں تمہاری قدر کرتی ہوں۔"

سجاد اس کے تضادات پر حیران ہوتا۔ کبھی کبھی تو اسے واضح طور پر محسوس ہوتا کہ سیماب کے ایک وجود میں دو شخصیتیں ہیں..... اور وہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں اور یہ بھی تھا کہ ان میں سے ایک شخصیت دبی ہوئی تھی اور دوسری بہت زیادہ ابھری ہوئی تھی۔ سجاد کو ہمیشہ اس کی دبی ہوئی شخصیت نے بہت اپیل کیا' جو بس کبھی کبھار ہی ابھرتی تھی۔ اس سیماب میں نزاکت' نسوانیت اور ٹھہراؤ تھا۔ وہ شرمیلی تھی۔ وہ دوسروں کا' ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے والی تھی۔ لیکن بولڈ اور آزاد رو سیماب اسے ابھرنے کا موقع کم ہی دیتی تھی۔

ادھر سجاد کے امتحان شروع ہوئے اور ادھر اسکولوں کی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔

ایک سال گزر چکا تھا!

سجاد نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ وہ پھر سیماب کی یادوں میں کھو گیا!

اس کے اور سیماب کے درمیان دو سال کا فاصلہ تھا..... عمر کا بھی اور تعلیم کا بھی۔ عمر کا فرق تو کبھی نہیں مٹتا۔ لیکن وقت نے عجیب انداز میں اس کی تعلیمی برتری کو صاف کر دیا۔ اگلے سال سیماب نے میٹرک کا امتحان دیا۔ اسے انٹر' سیکنڈ ایئر کا امتحان دینا تھا۔ لیکن عین امتحان کے دنوں میں وہ بیمار پڑ گیا۔ اسے ٹائی فائیڈ ہو گیا تھا۔

یہی وہ عرصہ تھا' جب خالہ مستقل طور پر پاکستان آ گئیں۔ سیماب چچا کے گھر سے اپنے ہاں منتقل ہو گئی۔ بیماری کے اس عرصے میں سیماب نے اس کا بہت ساتھ دیا۔ وہ

زیادہ تر انہی کے ہاں رہی۔ شاید وہ اپنی موج والے عرصے میں اس کی تیمار داری کا حساب چکا رہی تھی۔

اور پھر ایک دن سجاد نے جو پوری آنکھیں کھول کر دیکھا تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔

شاید یہ فطرت کا اصول ہے کہ عرصہ بہار میں جن درختوں پر دیر سے بہار آتی ہے تو ایسی بہار آتی ہے کہ پورے چمن کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔ یہی کچھ سیماب کے ساتھ بھی ہوا۔ کہاں تو وہ سوکھی ٹہنی کی طرح تھی۔ کہاں ایک دم پھولوں اور پھلوں سے لدی شاخ بن گئی۔ یہ بھی طے ہے کہ ایسی شاخوں پر بھنورے بھی بڑی کثرت سے منڈلاتے ہیں۔ اور پرانے بھنورے تو لوٹ کر آتے ہی ہیں۔

پرانے بھنورے لوٹ کر آئے تو پھر مسائل سر اٹھانے لگے۔

اب پھر سیماب کا پارٹنر بننے کے سلسلے میں جھگڑے ہونے لگے مگر ایک فرق تھا۔ سیماب نے خود ہی سجاد کو اس مقابلے سے باہر کر دیا۔ "بھئی سجاد کو بیچ میں مت لاؤ۔" اس نے ابتدا ہی میں فیصلہ سنا دیا۔ "تم دونوں آپس میں فیصلہ کر لو کہ کون میرا پارٹنر بنے گا۔"

رقابت تو بھائیوں کے دلوں میں بھی فرق ڈال دیتی ہے۔ پھر بھی بھائیوں میں اگر محبت ہو تو وہ کوئی درمیانی راہ نکال ہی لیتے ہیں۔ دونوں خوش تھے کہ اصل کانٹا یعنی سجاد صفائی سے نکل گیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ لڑنا بے وقوفی ہے۔ دونوں باری باری سیماب کے پارٹنر بنتے رہیں گے۔

سجاد کو اس صورت حال پر بہت رنج ہوا۔ وہ عاطر اور عامر کے بدلے ہوئے رویوں پر سیماب کی دل گرفتگی دیکھ چکا تھا۔ اس کے خیال میں تو سیماب کو ان دونوں کو منہ ہی نہیں لگانا چاہئے تھا مگر وہ تو ان کے ساتھ پہلے جیسی ہو گئی تھی۔ اور مقابلے سے خارج وہ ہو گیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بے انصافی تھی۔ پھر بھی اس کا دل سیماب سے برا نہیں ہوا۔ وہ اب بھی اس کے التفات کے لئے کوششیں کرتا تھا۔

اور یہ بات نہیں کہ سیماب اس پر ملتفت نہ ہو۔ واضح طور پر اس کا جھکاؤ سجاد کی ہی طرف تھا۔ اس سے بات کرتے وقت اس کے لہجے میں عجیب سی کھنک آ جاتی۔ اسے دیکھتے ہوئے اس کی نظروں میں وارفتگی ہوتی اور آنکھیں بھی چمکتیں۔ مگر سجاد کو

یہ سب نظر نہ آتا۔ وہ تو بس یہ سوچ کر کڑھتا کہ سیماب نے اسے کبھی پارٹنر نہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اس محرومی کا ایک مثبت نتیجہ بھی نکلا۔ سجاد سیماب پر اپنی اہلیت ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس پر ثابت کر دینا چاہتا تھا کہ عاطر اور عامر کے مقابلے میں وہ اس کا پارٹنر بننے کا کہیں زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ اس نے کھیل پر دھیان دینا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اس کا کھیل نکھرتا چلا گیا۔ کیرم میں تو یہ صورت حال ہوئی کہ وہ اکیلا بھی ان تینوں کو ہرا سکتا تھا۔

اس روز عاطر اور عامر نہیں تھے۔ وہ اور سیماب سنگل میں کھیل رہے تھے۔ سیماب نے nil ہارنے کے بعد بے بسی سے کندھے جھٹکے اور بولی۔ "تم سے کیرم کھیلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں کوفت ہوتی ہو گی مجھ سے کھیل کر۔ بے جوڑ مقابلے میں کہاں مزہ آتا ہے۔"

"ایسا بھی نہیں۔" سجاد نے انکساری سے کہا۔ "تمہارا کھیل بھی اچھا ہے۔"

"میں جانتی ہوں لیکن تم سے کوئی مقابلہ نہیں۔ تمہارا کھیل بہت اچھا ہے۔"

"اس کے باوجود تم مجھے اپنا پارٹنر نہیں بناتیں۔" دل کی بات اچانک زبان پر آ ہی گئی۔

سیماب نے چونک کر اسے دیکھا۔ چند لمحے وہ اسے بغور دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تو اس لئے منہ لٹکائے رہتے ہو؟"

"تو اور کیا۔ مجھے تم نے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دیا۔" وہ باقاعدہ شکایت پر اتر آیا۔

سیماب اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" سجاد جھنجلا گیا۔

"سوچ رہی ہوں کہ بہت ذہین لوگ بھی کسی معاملے میں کتنے بے وقوف ہو جاتے ہیں۔"

سجاد اور چڑ گیا۔ "کہاں کی ہانک رہی ہو؟"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے تھا۔ اس پر....."

"...کہ تم نے مجھے اپنا پارٹنر نہیں بنایا۔" سجاد نے اس کا جملہ پورا کر دیا "اور میں بے وقوف ہوں کہ اس عنایت پر افسردہ ہوں۔"

"ہاں' یہی بات ہے۔" سیماب نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ منطق میری سمجھ میں تو نہیں آ سکتی۔" سجاد بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میں واقعی بے وقوف ہوں۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ذہین ہونے کے باوجود اس معاملے میں تم بے وقوف ثابت ہوئے ہو۔"

"تو اے دانائے زمانہ' ذرا مجھے بھی سمجھا دو۔"

"ایسی باتیں سمجھائی نہیں جاتیں' خود سمجھنی ہوتی ہیں۔"

"مگر میں تو بے وقوف ثابت ہو چکا ہوں۔" سجاد کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اب تو تمہیں ہی سمجھانا پڑے گا۔"

سیماب چند لمحے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی پھر عجیب سے لہجے میں بولی "تم میں لطیف باتیں سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے۔"

"اس میں لطافت کہاں سے آ گئی۔" سجاد بھنا گیا۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی ہے۔" سیماب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اور یہ اہلیت اس لئے نہیں کہ تم جرات مند نہیں ہو' بزدل ہو۔ کسی چیز کو اپنے لئے بے حد اہم سمجھنے کے باوجود بھی تم اس کے حصول کے لئے نہیں لڑ سکتے۔ تمہارا دل جو کرنا چاہتا ہے' وہ تم کر نہیں سکتے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً تمہارا دل چاہتا ہے کہ میرا ہاتھ پکڑ لو مگر تم میں اتنی جرات نہیں ہے۔"

سجاد کا دماغ گھوما جا رہا تھا۔ "کیسی بے سرو پا باتیں کر رہی ہو۔"

"تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ تمہارے معاملے میں سب کچھ مجھے ہی سوچنا اور کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"تو سمجھاؤ نا۔ ابھی تک تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہے۔"

"بس اتنا سوچ لو کہ پارٹنر زیادہ قریب ہوتا ہے یا حریف۔" سیماب نے کہا اور اٹھ

کر کچن کی طرف چلی گئی۔

سجاد اس کے جملے پر غور کرتا رہا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا مگر پھر اچانک جھماکا سا ہوا اور سب کچھ روشن ہو گیا۔ واقعی.... یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ پارٹنر سامنے ضرور ہوتا ہے مگر فاصلہ بھی ہوتا ہے۔ جبکہ حریف بہت قریب ہوتا ہے۔ اتنا قریب کہ جسم بار بار چھوتے رہتے ہیں۔

پھر اسے احساس ہوا کہ وہ واقعی بے وقوف ہے۔ کم از کم اس معاملے میں۔ اب اسے باتیں یاد آ رہی تھیں..... اور سمجھ میں بھی آ رہی تھیں۔ کیرم کھیلتے ہوئے سیماب کوئی گوٹ کھیلنے کے بہانے اس کی طرف جھکتی تھی بلکہ اس پر لد جاتی تھی۔ اور اب تو وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ سیماب دوسری طرف کی آسان گوٹیں چھوڑ کر اس کی طرف کی مشکل گوٹیں کھیلتی تھی۔ اس پر کبھی اس کی اپنے پارٹنر سے بحث بھی ہو جاتی تھی۔

سجاد نے تصور میں وہ منظر دیکھا.... اور اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ واقعی بہت بے وقوف تھا۔ جب سیماب اس کی طرف جھکتی تو قدرتی طور پر اس کا لمس اس کے وجود میں سنسنی دوڑا دیتا تھا مگر وہ اس قربت سے محظوظ ہونے کے بجائے اس پر ہی کڑھتا رہتا کہ سیماب نے اسے پارٹنر نہیں بنایا ہے۔

اس روز سجاد نے بہت کچھ سوچا اور بہت کچھ اس کی سمجھ میں آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ خوش بھی ہوا' مگر جھنجلایا بھی۔ ایک بات تو وہ یقینی طور پر سمجھ گیا.... یہ کہ اسے سیماب سے محبت ہے اور وہ اس کے بغیر.... اس سے دور نہیں رہ سکتا۔ اور آثار بتاتے تھے کہ اس کا جذبہ یک طرفہ نہیں۔ سیماب بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ لیکن یہ بات وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ سیماب کے مزاج میں تلون ہی اتنا تھا۔ وہ تو پل پل رنگ بدلنے والی لڑکی تھی۔ اگر یہی سب کچھ کسی اور لڑکی نے کیا ہوتا تو وہ بلا جھجک یقین کر لیتا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ مگر معاملہ سیماب کا تھا' جس کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ یہاں کوئی خوش فہمی پالنا عمر بھر کا روگ ہی ثابت ہوتا۔

پھر اسے احساس ہوا کہ سیماب کی طرح وہ بھی کچھ عجیب ہی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ سیماب کا یہ کہنا غلط تھا کہ وہ بزدل ہے اور اس میں جرات کی کمی ہے۔ خود کو پوری طرح ٹٹولنے کے بعد وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ

خالص مرد ہے۔ وہ جرات مند بھی ہے۔ لیکن وہ روایتی معاشرے کی مروجہ قدروں کو سمجھتا بھی ہے اور ان کا احترام بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سب کچھ سمجھنے کے بعد اس کے اندر متضاد رویئے ابھرے ہیں۔ ایک طرف اسے خوشی ہوئی مگر دوسری طرف اسے برا بھی لگا۔ اچھی لڑکیاں ایسی تو نہیں ہوتیں۔ لڑکیوں کو ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔ محبت تو ایک خود کار جذبہ ہے' جس پر کسی کا اختیار نہیں۔ وہ تو بس ہو جاتی ہے' آدمی چاہے یا نہ چاہے۔ مگر لڑکیوں میں حجاب ایک ضروری وصف ہے۔

یہاں وہ سیماب کو ایک مارجن دینے پر مجبور تھا۔ ذہنی نشو و نما کا تمام عرصہ اس نے انگلینڈ کے آزاد ماحول میں گزارا تھا۔ اس سے بھی بڑا فرق پڑتا ہے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس بات کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سیماب کی فطرت ہی ایسی ہے۔ کچھ لڑکیاں ہوتی ہی باغی ہیں اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سیماب کوئی بری لڑکی نہیں۔ بس وہ بہت آزاد طبیعت کی ہے اور کوئی بات نہیں۔

وہ اور بھی بہت کچھ سوچتا مگر سیماب آندھی طوفان کی طرح آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی۔ "یہ رہے جناب گرما گرم پکوڑے۔" اس نے اعلان کیا۔ "یہ سرکہ اور یہ زبردست چٹنی۔" اس نے چٹخارا لیتے ہوئے کہا۔

سجاد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"بتایا تو ہے۔" وہ معصومیت سے بولی "اور پکوڑے میں نے خود بنائے ہیں۔ کھا کر دیکھو نا۔"

سجاد مزے لے لے کر پکوڑے کھانے لگا۔ "بہت مزے کے ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"اب شاید میری بات سمجھ میں آ جائے۔"

"وہ تو سمجھ میں آ چکی ہے۔" سجاد نے بے ساختہ کہا۔

"تو پھر میرا شکریہ ادا کرو۔"

"یہ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میں تم سے متفق نہیں ہوں۔"

"کس بات سے؟"

"تمہاری عنایت سے۔ تمہاری سوچ مجھے اچھی نہیں لگی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میرے لئے تمہارا پارٹنر بننے کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور جو تم نے عنایت کی' تو اس بارے میں میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔"

"یعنی تمہارے لئے میرا پارٹنر بننا ایک بہت بڑا اعزاز ہے؟"

سجاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور اس قربت کی کوئی اہمیت نہیں' جو تمہیں ملتی رہی ہے؟"

سجاد نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جانتے ہو' عاطر اور عامر مجھے چھونے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں اور میں انہیں موقع نہیں دیتی۔"

"یہ ان کا مزاج ہے۔ میں ایسا نہیں ہوں۔" سجاد نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ تم میں لطیف باتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"میرے نزدیک یہ لطافت' نہیں' کثافت ہے۔"

"ہاؤ اسٹوپڈ۔ اچھا یہ بتاؤ' پارٹنر بننا اتنی بڑی بات کیوں لگتا ہے تمہیں۔"

"اس میں معنویت اور گہرائی ہے۔ یہ دیرپا اور باضابطہ ہوتا ہے۔"

سیماب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "او مائی گاڈ..... تم بہت فرسودہ آدمی ہو۔"

"مجھ سے کچھ کہا تم نے؟" سجاد نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم پکوڑے کھاتے رہو۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر سیماب ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔ "میں جانتی تھی کہ تم ایسے ہی ہو۔ پھر بھی....."

سجاد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آج ذرا مجھے صاف صاف بتا دو کہ میں کیسا ہوں..... اور تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔"

"ضرور بتاؤں گی۔" سیماب نے غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔ "تم بیک ورڈ' شائی' تھڑدلے اور بزدل ہو۔"

سجاد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر سختی تھی۔ "اپنے بیک ورڈ اور شرمیلے ہونے پر تو مجھے فخر ہے۔ اور میں معاشرے کی روایات اور پابندیوں کو توڑنے کو بہادری نہیں سمجھتا۔ میرے خیال میں خود سے اور اپنی خواہشوں سے لڑنا بہادری ہے۔"

"باتوں کے زور پر کوئی بہادر نہیں بن سکتا۔"

سجاد نے یک لخت آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "جو جی میں آئے' وہ کر لینے میں کیا دیر لگتی ہے۔ یہ تو بہادری ہے نا؟" اس نے سیماب کو اپنی طرف کھینچا۔

"بہادری تو جب مانوں کہ تم سب کے سامنے میرا ہاتھ پکڑو۔" سیماب نے چیلنج کیا۔

"ابھی جو تم نے کہا' بے خبری میں کہا۔ ایک بار اور..... سوچ سمجھ کر کہو تو پھر میں بھی دکھاؤں کہ میں کتنا بہادر ہوں۔"

سیماب نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں جو کچھ دکھائی دیا' اس نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

"کہو نا..... اب چیلنج کرو مجھے۔" سجاد کے لہجے میں اصرار تھا۔

سیماب اب بھی خاموش رہی۔

"کہو نا۔ نہیں کہتیں تو آج کے بعد بزدلی کا طعنہ کبھی نہ دینا مجھے۔"

اس بار سیماب مسکرائی۔ "جب تک بہادری کا عملی ثبوت دیتے رہو گے' نہیں کہوں گی۔"

سجاد کو بہت زور کا غصہ آیا۔ عجیب لڑکی تھی وہ۔ کسی صورت مانتی ہی نہیں تھی۔ اب اور آزمائشوں سے مشروط کر رہی تھی اسے۔ "اور یہ بھی سن لو۔ میرے خیال میں لڑکیوں کو ایسا نہیں ہونا چاہئے' جیسی تم ہو۔"

اس کے لہجے کی تندی اور شدت سیماب کے وجود پر کوڑے کی طرح لگی۔ وہ سمٹ کر رہ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر ایک لمحے کو اسے زخمی نگاہوں سے دیکھا۔ مگر اگلے ہی لمحے خوش دلی سے مسکرائی۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو ایسی ہی ہوں۔ اب بدل بھی نہیں سکتی۔ میں گھٹ گھٹ کر جینے والی روایتی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے دھیرے دھیرے سلگنا اچھا نہیں لگتا۔ میں بھڑک کر جلنے والی ہوں۔ جو دل میں ہے' اس کا اعلان

نہ کرنے کو بزدلی سمجھتی ہوں۔ جو جی میں آئے وہ کر گزرنے کی قائل ہوں میں۔ تمہیں اچھی نہیں لگتی تو نہ سہی۔ میں بدلنے والی نہیں۔"

"ہم دونوں بالکل مختلف ہیں ایک دوسرے سے..... بلکہ ضد ہیں۔" سجاد نے آہ بھر کر کہا پھر جل کر بولا۔ "کاش تم یہاں آئی ہی نہ ہوتیں۔"

"اب تو کچھ ہو نہیں سکتا۔ اور یہ بھی سن لو کہ تم مجھے بہت برے لگتے ہو....." وہ کہتے کہتے رکی پھر اضافہ کیا۔ "کبھی کبھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ تم مجھے بہت اچھے بھی لگتے ہو۔" اس کے لہجے میں الجھن تھی اور وہ بے بسی سے ہاتھ مل رہی تھی۔

"ادھر بھی یہی حال ہے۔" سجاد نے کہا۔

"مگر ایک بات بتا دوں۔ ہمیشہ یاد رکھنا۔ ہر جگہ تمہارے پیچھے آؤں گی میں۔ تمہارا کبھی پیچھا نہیں چھوٹے گا مجھ سے۔"

"میں پیچھا چھڑانا بھی نہیں چاہتا۔" سجاد نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"جب چاہو گے' تب بھی نہیں چھوڑوں گی۔"

○

اس وقت تو سجاد کو خیال بھی نہیں تھا مگر اب وہ جانتا تھا کہ وہ بڑا سچا لمحہ تھا..... اور سیماب نے زندگی کا سب سے بڑا سچ بولا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ سیماب نے کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مگر وہ خود بھی سچا ثابت ہوا۔ اس نے بھی کبھی سیماب سے پیچھا نہیں چھڑانا چاہا۔ وہ آج بھی اس کے دل و دماغ پر اسی طرح قابض تھی۔ اسی لئے تو آج وہ اس سے ملنے کے انتظار میں ایک ایک لمحہ شمار کر رہا تھا۔

اس پر اس نے چونک کر گھڑی میں وقت دیکھا مگر وقت تو جیسے ٹھہر گیا تھا..... گزر ہی نہیں رہا تھا۔ گیارہ بج کر بائیس منٹ!

اور وہ صرف بیتے ہوئے لمحوں کے دامن میں ہی پناہ لے سکتا تھا!

○

کالج کے معاملے میں سیماب نے بڑی رازداری سے کام لیا اور اسے پتا ہی نہیں چلنے دیا کہ وہ کہاں داخلہ لے رہی ہے۔

اس روز ایک خالی پیریڈ تھا۔ سجاد کامن روم جانے کی غرض سے کلاس سے نکلا۔ فرسٹ ایئر کے کلاس روم سے سیماب کو نکلتے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ سیماب نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' سیماب بول پڑی۔ "ارے.... تم یہاں۔ وہاٹ اے سرپرائیز۔"

"یہ تو مجھے کہنا چاہئے۔"

"مگر میں کہہ رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ تم اس کالج میں پڑھتے ہو۔"

"جھوٹ مت بولو۔ سیکڑوں بار تمہیں اپنی کالج کا نام بتا چکا ہوں میں۔"

"ضرور بتایا ہو گا۔ مگر اسکول اور کالج کا نام دھیان سے کون سنتا ہے۔ بہرحال مجھے خوشی ہوئی اس اتفاق پر۔"

سجاد کا خون کھولنے لگا۔ وہ کتنی ڈھٹائی سے اسے اتفاق کہہ رہی تھی۔ "کیوں؟" اس نے ترشی سے پوچھا۔

"فرسٹ ایئر فول بننا ہے تو کسی اپنے ہی کے ہاتھوں بن لوں۔"

"تمہیں کون فول بنا سکتا ہے۔" سجاد نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "اور مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ الٹا میں پریشان ہو گیا ہوں۔"

"کیوں بھئی؟"

"میری چھٹی حس مجھے بتا رہی ہے کہ تمہاری یہاں آمد مجھے بہت مہنگی پڑے گی۔" سجاد نے کہا۔ اس وقت اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس نے کس قدر سچی بات کہی ہے۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہیں پریشانی ہوئی۔" سیماب نے کہا۔

"چلو' کوئی بات نہیں۔ ایک سال ہی کی تو بات ہے۔" سجاد بے پرواہی سے بولا۔

"وہ کیسے؟" سیماب نے بھنویں اچکائیں۔

"میں ایک سال بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم یہاں رہ جاؤ گی۔"

سیماب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تم ایک بات بھول رہے ہو۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے کہا تھا کہ میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔"

"چلو.... دیکھیں گے۔"

"اچھا.... چھوڑو اس بات کو۔ لڑ کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔ اس وقت کہاں جا رہے تھے؟"

"خالی پیریڈ ہے۔ میں نے سوچا...."

"کہ مجھے چائے پلا دو۔ ہے نا؟" سیماب نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "دیکھو نا' آج کالج میں میرا پہلا دن ہے۔"

"جی نہیں۔ میں کامن روم جا رہا ہوں۔"

"چائے پلا دو نا۔" سیماب ٹھنکی۔

"میں نے کہا نا' میں کامن روم جا رہا ہوں۔"

"تو چلو۔ میں بھی چلتی ہوں۔"

"ضرور چلو۔" سجاد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس وقت اسے خیال بھی نہیں آیا کہ چائے پلا دینے ہی میں عافیت ہے۔

گرلز کامن روم اور بوائز کامن روم برابر برابر ہی تھے۔ وہاں پہنچ کر سجاد نے سیماب سے کہا۔ "اب میری جان چھوڑ دو۔ یہ رہا گرلز کامن روم۔"

"میں تو گرلز اور بوائز کامن روم کی تفریق کو نہیں مانتی۔ کامن روم تو بس کامن روم ہوتا ہے۔ جس میں میرا جی چاہے گا' جاؤں گی۔"

سجاد کا چہرہ فق ہو گیا۔ یہ افتاد تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ "دیکھو' یہاں من مانی نہیں چلے گی۔ یہ کالج کے ڈسپلن کا معاملہ ہے۔ پرنسپل صاحب بہت سخت آدمی ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں تو تمہارے ساتھ چلوں گی۔" سیماب اڑ گئی۔ "چلو ایسا کرو کہ تم گرلز کامن روم میں چلے چلو۔"

"یہ.... یہ کیسے ممکن ہے۔" سجاد اور گڑبڑا گیا۔

"بس تو پھر میں تمہارے ساتھ بوائز کامن روم میں چلتی ہوں۔ جواب وہی میں خود کر لوں گی۔"

سجاد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کچھ بھی سہی' سیماب اس کی کزن تھی۔ عتاب اس پر بھی آتا۔ وہ گھبرا کر فرار کی راہ سوچنے لگا۔ "واقعی.... میں بڑا بے مروت ہوں۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا پہلا دن ہے کالج میں۔ چلو تمہیں چائے پلواؤں۔"

"اب تو میں کامن روم میں ضرور جاؤں گی۔"

"پلیز سیماب...." وہ گھگیانے لگا۔

سیماب چند لمحے سوچتی رہی۔ "اچھا.... اگر چائے پلوانے کا پکا وعدہ کرتے ہو تو میں بھی وعدہ ہے کہ ٹیبل ٹینس کا صرف ایک گیم کھیلوں گی۔"

سجاد چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ ضد پوری کئے بغیر نہیں مانے گی۔ "اچھا.... چلو۔" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

وہ دونوں کامن روم میں داخل ہوئے۔ وہاں دس بارہ لڑکے پہلے سے موجود تھے۔ دو شطرنج کھیل رہے تھے۔ چار کیرم بورڈ پر مصروف تھے۔ ٹیبل ٹینس کی دونوں میزیں گھری ہوئی تھیں۔ کسی کو ان دونوں کی آمد کا پتہ بھی نہیں چلا۔

"ایکسکیوز می حضرات!" سیماب نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

کامن روم میں نسوانی آواز بم کا دھماکا ثابت ہوئی۔ سب لڑکوں نے چونک کر دیکھا۔ سیماب کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ کھیل ایک دم موقوف ہو گیا۔

"پہلے میں اپنا تعارف کرا دوں۔ میں سیماب ہوں.... فرسٹ ایئر فول۔"

سجاد سناٹے کے عالم میں کھڑا تھا۔ لڑکوں کی بھی کم و بیش یہی کیفیت تھی۔

سیماب چند لمحے کسی ردعمل کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ سامنے نہیں آیا۔ "آپ لوگ مجھے خوش آمدید نہیں کہیں گے؟"

اس پر لڑکوں کا جمود ٹوٹا۔ قمر نے جو سجاد کا دوست تھا' بلند آواز میں کہا۔ "ویلکم مس سیماب۔"

پھر سب لڑکے اپنی اپنی بولی بولنے لگے۔ اچھی خاصی دوستانہ فضا بن گئی۔

"تو میں کھیل سکتی ہوں؟"

اس سوال پر پھر خاموشی ہو گئی۔ "پرنسپل صاحب کو یہاں آپ کی موجودگی کا پتا

پتہ چل گیا تو آپ مصیبت میں پھنس جائیں گی۔" قمر بولا۔

"لیکن پرنسپل صاحب کو پتا چلے گا کیسے؟" سیماب نے معصومیت سے پوچھا۔

سب لڑکے چہرے پر الجھن لئے سوالیہ نظروں سے اسے تکتے رہے۔

"میرا مطلب ہے' آپ لوگ نہیں بتائیں گے تو کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔"

کچھ سر اثبات میں ہلے مگر کچھ چہروں پر پریشانی بھی ابھری۔ "اس صورت میں ہم سب بھی پھنس جائیں گے۔" قمر نے کہا۔

"پتا چلے گا ہی نہیں۔" سیماب نے زور دے کر کہا۔

"یہ بہت بڑا رسک ہے مس سیماب۔" ایک اور لڑکا بولا۔

"آپ لوگ میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے؟" سیماب دل آویز انداز میں مسکرائی۔

"کیوں نہیں.... کیوں نہیں...." کئی آوازیں ابھریں۔

لیکن قمر اب بھی مخالفت کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہم سب کالج سے نکالے بھی جا سکتے ہیں۔"

"میں صرف ایک گیم کھیلوں گی۔" سیماب نے بے حد لجاجت سے کہا۔

سجاد خاموش کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ سب سیماب کی طرف اس طرح متوجہ تھے کہ انہیں اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

"چلیں.... ٹھیک ہے۔" قمر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد رضامندی میں سر ہلایا۔ اس کے ساتھ ہی امیدواری کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سب اپنی اپنی کہنے لگے۔

"آپ مجھ سے کھیل لیں۔"

"تم شطرنج کھیل رہے تھے۔ کھیلتے رہو.... اور ہاں' تم کیرم میں لگے رہو۔"

"کیرم کھیلنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں ٹیبل ٹینس نہیں کھیل سکتا۔"

"بات سنیں' ڈبلز میں کیوں نہ کھیلیں۔" ایک لڑکے نے امکانات بڑھانے کی کوشش کی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سیماب نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"بس تو آپ میری پارٹنر بن جائیں۔ میں بہت اچھا کھیلتا ہوں۔"

اس پر پارٹنر بننے کے امیدواروں میں بحث شروع ہو گئی۔ اور جتنے موجود تھے سب ہی امیدوار تھے۔ سجاد سیماب کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ سیماب بہت خوش تھی اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ایسی ہی فضا میں تو وہ خوش رہتی تھی۔

امیدواروں کی بحث کسی نتیجے پر پہنچنے والی نہیں تھی۔ بالآخر سیماب کو مداخلت کرنی پڑی۔ "ایکسکیوز می۔" اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

سب خاموش ہو کر اسے تکنے لگے۔

"آپ خوامخواہ لڑ رہے ہیں۔" سیماب نے کہا۔ "میرا پارٹنر تو موجود ہے۔ اور ہمارے خلاف کھیلنے کے لئے بھی لڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں روز ایک گیم کھیلا کروں گی۔ سب کی باری آ جائے گی۔"

"مگر آپ کا پارٹنر کون ہے؟"

"میٹ مائی کزن' سجاد حمید۔" سیماب نے سجاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔

سب لڑکوں نے پہلی بار سجاد کو دیکھا۔ "یہ.....یہ..... آپ کے کزن" قمر ہکلایا۔

"جی ہاں۔ میں ان کے ساتھ کھیلوں گی۔"

سجاد کو تماشا بننے کا احساس ہونے لگا۔ "میں نہیں کھیلنا چاہتا۔" اس نے آہستہ سے سیماب سے کہا۔

"میں کسی اور کو پارٹنر بنا لوں تو برا مت ماننا۔" سیماب نے سرگوشی میں وعدہ دی۔

سجاد نے خاموشی سے ایک لڑکے سے ریکٹ لے لیا۔

یوں گیم شروع ہوا۔ مخالف ٹیم کے سلسلے میں بحث نہیں ہوئی۔ شاید لڑکوں نے سمجھ لیا تھا کہ دیکھنے میں زیادہ لطف آئے گا۔

گیم سیماب اور سجاد نے بہ آسانی جیت لیا۔ مخالفین سے کھیلا ہی نہیں گیا۔ حالانکہ وہ بہت اچھے کھلاڑی تھے۔

"تھینکس فار آل آف یو۔" سیماب نے کامن روم سے نکلتے ہوئے کہا۔ "پھر ملیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کالج کی کینٹین میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ سجاد سوچ رہا تھا کہ اب اس کالج میں زندگی آسان نہیں رہے گی۔ کتنی دشوار ہو جائے گی' اس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ "کوئی بات نہیں۔ ایک سال ہی کی تو بات ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔

"کیا کہا؟" سیماب نے چونک کر پوچھا۔

"کہا تو کچھ بھی نہیں۔ میں تو بس سوچ رہا ہوں۔"

"ٹھیک سوچ رہے ہو۔" سیماب مسکرائی۔ "ہم بس ایک سال کے لئے دور ہوں گے۔ اس کے بعد پھر مل جائیں گے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا....."

"میں جانتی ہوں۔" سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر تم بھول رہے ہو۔ ں نے بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے کہ تمہاری جان کبھی نہیں چھوڑوں گی۔"

سجاد کے ہونٹوں پر درگزر کرنے والی مسکراہٹ ابھری۔ "کوئی بات نہیں سہی۔ بکھا جائے گا۔"

کالج میں ایک قمر ہی ایسا تھا' جس سے سجاد کی گہری دوستی اور بے تکلفی تھی ورنہ م طور پر وہ بہت لئے دیئے رہنے کا قائل تھا۔ مگر اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ پورے لج کے لڑکے اس سے بے تکلف ہو گئے ہیں۔ وہ بھی' جنہیں وہ جانتا تک نہیں تھا' ں سے سلام دعا کرنے لگے۔

"یہ سب کمالات ہیں تمہاری کزن کے۔" قمر نے کینٹین میں چائے پیتے ہوئے رہ کیا "اگر کالج کی یونین کا انتخاب لڑو تو تمہیں کوئی نہیں ہرا سکتا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو۔" سجاد نے بدمزدگی سے کہا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ تم کالج کی مشہور ترین شخصیت بن چکے ہو۔ سب تمہیں نتے ہیں۔ سب تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"کزن کے کمالات۔" قمر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سیماب ہر ایک سے یہی

کہتی ہے کہ اپنے کزن کی مرضی کے بغیر وہ کسی سے بات بھی نہیں کر سکتی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتی ہے کہ تمہارا اور اس کا کوئی ایسا ویسا تعلق بھی نہیں۔ یعنی جتا دیتی ہے کہ اصل و یکینسی ابھی خالی ہے۔ عرضی ڈالی جا سکتی ہے۔ مگر کزن سجاد کی تائید ضروری ہے۔"

سجاد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا "کاش.... یہ سال جلدی ختم ہو جائے۔"

"ویسے تمہاری کزن ہے بہت زور دار چیز۔" قمر نے کہا۔

سجاد نے سر اٹھا کر اسے بے حد کڑی نظروں سے دیکھا۔ "تم تمیز سے بات نہیں کر سکتے؟" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" قمر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "دراصل تمہاری کزن کے معاملے میں کسی کو بھی صحیح لفظ نہیں سوجھتے۔ زور دار چیز سے میرا وہ روایتی مطلب نہیں تھا۔ حالانکہ وہ اس پر بھی پوری اترتی ہے...."

اس پر سجاد نے پھر اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔

"میرا مطلب تھا کہ آنسہ سیماب بہت زبردست لڑکی ہیں۔" قمر نے تیزی سے کہا۔ "وہ جو سوچتی ہیں' اسے پورا بھی کرتی ہیں۔ اپنی بات پر کسی سے بھی عمل کرا۔ کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی حیثیت کالج کی ملکہ کی سی ہو گ ہے۔ یہ کہنا چاہتا تھا میں.... اور منہ سے زور دار چیز نکل گیا.... ارر ہپ۔"

"میں تو تنگ آ گیا ہوں یار۔" سجاد نے جھلا کر کہا۔

"تم ہی نہیں' کالج کے تمام لڑکے بھی تم سے تنگ آ چکے ہیں۔"

"چھوڑ یار' چائے تو سکون سے پینے دے۔"

○

گیارہ بج کر پینتیس منٹ!

اس روز سجاد کو پتا چلا کہ سیماب بار بار چیلنج کس بنیاد پر کرتی ہے کہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

وہ پریکٹس کر کے گھر آیا تو خالہ اور خالو آئے ہوئے تھے۔ وہ انہیں سلام کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

"ارے بھئی سجاد' تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ آگے تمہارا کیا کرنے کا پروگرام ہے۔" خالو نے اس سے کہا۔

"انٹر کے بعد انشاء اللہ آئی بی اے میں ایڈمشن لوں گا۔ پہلے بی بی اے اور پھر ایم بی اے کروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

خالہ اچھل ہی پڑیں۔ "اچھا.... تم بھی ایم بی اے کرو گے؟"

"کیا کوئی اور بھی کر رہا ہے خالہ؟ عاطر یا عامر؟"

"انکا تو مجھے نہیں پتا لیکن سیماب کا یہی ارادہ ہے۔"

سجاد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ سیماب! لیکن اسے کیسے معلوم کہ.... وہ اپنی حیرت چھوڑ کر خالہ کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب امی سے مخاطب تھیں۔

"ان دونوں کے خیالات اور عزائم کتنے ملتے جلتے ہیں۔" خالہ کہہ رہی تھیں۔ "سجاد کا تو اب پتا چلا ہے ورنہ میں یہی سمجھتی کہ سیماب نے اس سے متاثر ہو کر ایم بی اے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن سیماب نے تو میٹرک کرتے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ایم بی اے کرے گی۔"

سجاد کو یاد آیا۔ سیماب ہمیشہ چیلنج کرتی تھی کہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تو یہ بات تھی۔ لیکن اسے معلوم کیسے ہوا کہ وہ ایم بی اے کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات تو کبھی ان کے درمیان ہوئی ہی نہیں۔ وہ سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے میں سیماب موجود تھی۔ "ارے.... تم سے کب پیچھا چھوٹے گا میرا؟" سجاد نے جان بوجھ کر یہ جملہ کہا۔ وہ اسے کریدنا چاہتا تھا۔

"کبھی نہیں۔ میں ہر جگہ تمہارا پیچھا کروں گی۔"

"مگر کیسے؟ تمہیں کیا معلوم کہ انٹر کے بعد میں کیا کروں گا۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ مگر میں ایم بی اے ضرور کروں گی۔" سیماب کے لہجے میں شوخی تھی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ایم بی اے کروں گا۔" سجاد نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"میرے دل نے بتایا تھا۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔"

اس سے زیادہ سجاد اس سے اگلوا نہیں سکا۔ بس اتنا اس نے سمجھ لیا کہ اس سے واقعی پیچھا نہیں چھوٹے گا۔ اگلے ہی لمحے اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا۔ وہ اس سے پیچھا چھڑانا ہی کب چاہتا تھا۔ بات اتنی سی تھی کہ وہ اسے پریشان بہت کرتی تھی۔

گیارہ بج کر چالیس منٹ!

یہ تعلیمی سال بھی پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اختتام کے قریب پہنچ گیا مگر وہ سال تھا بڑا ہنگامہ خیز۔ اور سب ہنگاموں کا سبب ایک ہی تھا.... سیماب! اس نے صحیح معنوں میں سجاد کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے پہلی بار پتا چلا کہ وہ بلیک میل کرنا بھی جانتی ہے۔ وہ واحد لڑکی تھی' جو دھڑلے سے لڑکوں کے کامن روم میں جاتی اور کھیلتی۔ سجاد اسے کسی بات سے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ بلیک میلنگ پر اتر آتی "کاشف نے مجھے پکنک کی بیٹکش کی ہے۔" وہ اسے بتاتی۔

"کہاں کا پروگرام ہے؟"

"میں نے پوچھا تھا کاشف سے۔ وہ کہنے لگا' جہاں ہم تم اکیلے ہوں' وہ جگہ ویران ہو وہ بھی ہر پکنک اسپاٹ سے خوب صورت لگے گی۔"

"کیا مطلب؟ تم دونوں۔ بس تم دونوں...."

"ہاں.... یہی تو کہہ رہا ہے وہ۔" سیماب اس کے تمتماتے ہوئے چہرے کو بغور دیکھتی۔

"تم نے منع کر دیا نا؟" وہ پرامید لہجے میں پوچھتا۔

"نہیں بھئی۔ ایسی مخلصانہ پیشکش سے انکار کیسے ممکن ہے۔ لیکن میں نے کہہ دیا کہ چلنا ہے تو کلری جھیل چلو۔"

"کلری جھیل..... اور صرف تم دونوں؟"

"کیا حرج ہے اس میں؟ میں جانتی ہوں' وہ اچھا لڑکا ہے۔"

"تنہائی میں کوئی لڑکا اچھا نہیں ہوتا۔" سجاد لرزتی آواز میں کہتا۔

"وہم ہے تمہارا۔ میں نے تو تنہائی میں کبھی کسی کو برا نہیں پایا۔"

سجاد کی سانسیں رکنے لگتیں۔ "تو تم ملتی رہی ہو لڑکوں سے؟"

"ہاں۔" سیماب نے کندھے جھٹک دیئے۔

"اب تک کس کس کو یہ اعزاز عطا کر چکی ہو تم؟" سجاد اب غصے میں تھا۔

"تمہیں نہیں یاد۔ ہم تم بارہا تنہا رہے ہیں۔"

"میری اور بات ہے۔" سجاد نے سکون کی سانس لی۔

"اور عاطر عامر بھی۔" سیماب نے کہا۔ "سب اچھے ثابت ہوئے۔ بس تم خشک اور بور ہو۔ عاطر اور عامر رنگین باتیں کرتے ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ۔" سجاد نے خشک لہجے میں کہا۔

"کاشف نے کہا ہے کہ جمعے کو چلیں گے۔ اس کے پاس بائیک ہے نا۔"

"تم ہرگز نہیں جاؤ گی۔" سجاد نے سخت لہجے میں کہا۔

"بھئی' میں بور ہو رہی ہوں بہت۔"

"میں نے کہا نا...."

"تم کیوں پابندیاں لگاتے ہو مجھ پر؟ میں نے پپا سے اجازت لے لی ہے۔" سیماب کہتے کہتے رکی اور چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ "ارے تمہارے پاس تو گاڑی ہے۔ جمعے کو کلفٹن لے چلو مجھے۔ مجھے کاشف سے کوئی خاص دلچسپی تو نہیں۔"

"چلو' ٹھیک ہے۔" سجاد مان جاتا مگر اس بلیک میلنگ پر کڑھتا رہتا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اب بلیک میل نہیں ہو گا۔ مگر سیماب کے سامنے اس کے فیصلے یوں ڈھیر ہو جاتے تھے' جیسے ساحل پر سر پٹخنے والی موجوں کے سامنے مٹی کے گھروندے۔

اس روز ان دونوں کا پیریڈ خالی تھا۔ سیماب نے کہا۔ "چائے تو پلواؤ یار۔"

"یہ یار وار مت کہا کرو۔" سجاد چڑ کر بولا۔

"سب لڑکیاں ایسے ہی بات کرتی ہیں۔" سیماب نے معصومیت سے کہا۔

"تم مت کیا کرو۔ سب کو چھوڑو۔"

"اچھا' تم سے نہیں کروں گی۔"

"کسی سے بھی نہیں کرو گی۔" سجاد نے درشتی سے کہا۔

"اچھی زبردستی ہے۔ چلو چھوڑو' چائے تو پلواؤ۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ چلو کینٹین...."

"نہیں۔" سیماب نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیفے شبستان میں پیٹس گے۔"

کیفے شبستان کالج کے قریب ہی تھا۔ سجاد اکثر دوستوں کے ساتھ وہاں جاتا رہتا تھا لیکن سیماب کے ساتھ کیفے شبستان جانے کا تصور بھی محال تھا۔ وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔

"وہاں میں نے کبھی لڑکے لڑکیوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

سیماب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "بالکل ہی بونگے ہو یار۔ وہاں فیملی روم بھی ہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" سجاد نے اسے شک آمیز نظروں سے دیکھا۔

"ارے بھئی، کالج کی سبھی لڑکیاں وہاں کسی نہ کسی کے ساتھ جا چکی ہیں۔"

"تم بھی جا چکی ہو؟"

"نہیں۔ لیکن آج جانا چاہتی ہوں۔ مجھے ریسٹورنٹ اور ہوٹل بہت اچھے لگتے ہیں۔ اب چلو بھی۔" سیماب نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھسیٹا۔

اس وقت وہ دونوں لائبریری میں تھے۔ اس طرح ہاتھ پکڑنے پر سجاد بوکھلا گیا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ "اچھا ہاتھ تو چھوڑو۔ چلتا ہوں۔"

سیماب اس کے باوجود چند لمحوں تک اس کا ہاتھ تھامے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔

یوں سجاد بارہا اس کے ساتھ گھوما پھرا تھا مگر اس روز اس کی عجیب حالت تھی۔ خود کو چور محسوس کر رہا تھا۔ لگتا تھا، ہر راہ گیر اسے اور سیماب کو گھور کر دیکھ رہا ہے وہ تیز چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیماب کو اسے ٹوکنا پڑ گیا "بھاگے کیوں جا رہے ہو؟"

کیفے شبستان کے فیملی روم دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بہت بڑا ہال تھا جس میں دو رویہ بڑی پشت گاہوں والی نشستیں تھیں۔ یہ گویا فیملی روم کی دو دیواریں تھیں۔ تیسری سچ مچ کی دیوار تھی۔ چوتھی جانب داخلی دروازہ سمجھ لیں۔ وہاں پردہ موجود تھا۔ جی چاہے تو پردہ کھینچ لیں۔ اور وہاں دھیمی روشنی تھی۔ بڑا رومانوی اور خواب ناک ماحول تھا وہ۔ مگر سجاد کا وہاں دم گھٹ رہا تھا۔

ہال میں داخل ہو کر خالی نشست کی تلاش میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ تقریباً تمام میزیں بھری ہوئی ہیں۔ اور وہاں جوڑے ہی جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ بہرکیف خاصا اندر جا کر انہیں بھی ایک میز میسر آ ہی گئی۔ راستے کے دوسری طرف والی میز پر بھی ایک جوڑا بیٹھا تھا۔ وہ یوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے، جیسے گرد و پیش سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ انہوں نے پردہ بھی نہیں کھینچا ہوا تھا۔

سجاد کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا کہ جلدی سے چائے پی کر وہاں سے نکل بھاگے۔ اس خیال سے اس نے ویٹر کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں لیکن دور دور تک ویٹر کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ اٹھنے لگا تو سیماب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کہاں بھاگے جا رہے ہو۔؟"

"ویٹر کے لئے.... آرڈر دینا ہے نا۔"

سیماب ہنسی۔ "یہاں ویٹر کے دیر سے آنے کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے ویٹر دیر سے آتے ہیں۔"

سیماب کی ہنسی کی وجہ سے دوسری طرف بیٹھے ہوئے جوڑے کو پہلی بار ان کی موجودگی کا احساس ہوا۔ لڑکے نے جلدی سے پردہ کھینچ لیا۔

"کیوں؟ میں سمجھا نہیں؟" سجاد نے سیماب سے پوچھا۔

"عجیب بے وقوف آدمی ہو۔" سیماب نے برا مانتے ہوئے کہا۔ "بھئی، یہاں بس رسماً کچھ کھایا پیا جاتا ہے۔ لوگ یہاں تنہائی کے لئے آتے ہیں۔ اور ویٹر کو بل جتنی ٹپ دی جاتی ہے۔"

سجاد کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "لاحول ولا قوۃ...."

"کوئی غائب نہیں ہو گا لاحول سے۔ یہ سب انسان ہیں۔"

"میں ویٹر کو بلاتا ہوں۔" سجاد پھر اٹھنے لگا۔

"بیٹھے رہو آرام سے۔" سیماب نے سخت لہجے میں کہا پھر وہ مزے سے باتیں کرنے لگی۔ لیکن سجاد کچھ سن نہیں رہا تھا۔ اسے تو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ کوئی پندرہ بیس منٹ بعد ویٹر آیا۔ اس نے اسے چائے اور کیک پیس لانے کو کہا اور سکون کی سانس لی۔ وہ جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ویٹر کے جانے کے بعد سیماب نے سجاد سے کہا۔ "ذرا یہ پردہ کھینچ دو۔"

"کک.... کیوں؟"

"اس لئے کہ یہ یہاں اسی لئے لگایا گیا ہے۔"

"چھوڑو.... رہنے دو۔"

"میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گی۔" سیماب نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"کیا ضرورت ہے اس کی؟"

اتنی دیر میں ویٹر چائے اور کیک پیس لے آیا۔ اس کے جانے کے بعد سیماب نے اس کے سوال کا جواب دیا۔ "کھانے پینے کی چیزوں کو نظر بھی لگ جاتی ہے۔ ہر آنے جانے والا گھورتے ہوئے گزرتا ہے۔ پردہ کھینچ دو۔"

سجاد نے پہلی بار سیماب کو بہت غور سے دیکھا۔ وہاں وہی ایک ایسی تھی جسے نظر لگنے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس لمحے وہ اسے بہت اچھی لگی۔ اس نے پردہ کھینچ کر برابر کر دیا۔ اب وہ خلوت میں تھے۔

سیماب چائے بنا رہی تھی۔ نظروں کی چبھن محسوس ہوئی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سجاد اسے والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تم بہت اچھی.... بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

"یا تو گھگھی بندھی جا رہی تھی یا پردہ کھینچتے ہی میرے حسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ اس کے بعد دست درازی بھی کرو گے۔"

سجاد کھسیا گیا۔ "جی نہیں۔ تم جانتی ہو' میں ایسا نہیں ہوں۔"

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دل سیماب کو چھونے کو مچل رہا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ تنہائی کتنی فتنہ انگیز ہوتی ہے۔

سیماب نے چائے بنا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ چائے پینے کے دوران میں وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اچانک سیماب نے پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ۔ کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟"

"اچھا بھی لگ رہا ہے اور برا بھی۔ ہے نا عجیب بات۔"

"تم آدمی ہی عجیب ہو۔" سیماب نے بھنا کر کہا۔ "تم جیسے لوگ کبھی خوش نہیں

رہ سکتے۔"

چائے کے بعد وہ ویٹر کا انتظار کرتے رہے۔ تنگ آ کر سجاد نے کہا۔ "چلو' کاؤنٹر پر ہی بل دے دیں گے۔"

"اچھا نہیں لگتا۔" سیماب نے کہا۔ "پردہ ہٹا دو۔"

ذرا دیر بعد ویٹر گزرا تو سجاد نے اس سے بل لانے کو کہا۔

باہر نکل کر سجاد نے سکون کی سانس لی۔ لیکن ہاتھ پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔ "میرا ایک پیریڈ نکل گیا۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"چھوڑو یار۔ پڑھائی تو تم کرتے ہی رہتے ہو۔" سیماب بولی۔

○

"یہ تم کل آخری پیریڈ میں کہاں غائب ہو گئے تھے؟" اگلے روز قمر نے سجاد سے پوچھا۔

سجاد نے اسے کیفے شبستان کے ایڈونچر کی تفصیل سنا دی۔ وہ دلچسپی سے سنتا رہا مگر اس کی آنکھیں بھی پھیل گئی تھیں۔

سب کچھ سننے کے بعد قمر نے کہا۔ "یار سجاد' تم میرے دوست ہو نا۔ میں کچھ کہوں گا تو برا تو نہیں مانو گے؟"

"کہو نا بھائی' کیا ہے؟"

"یار' یہ تمہاری کزن بہت خطرناک لڑکی ہے۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔"

"کیا بکواس ہے؟" سجاد کو اس کی بات سچ مچ بری لگی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ برا مت ماننا۔ تمہاری بھلائی کے خیال سے کہہ رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہاتھ پاؤں بچا کر چلو۔"

"کچھ پتا بھی چلے کہ بات کیا ہے۔" سجاد نے لہجہ نرم کر لیا۔

"دیکھو یار' وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔"

"لاؤیں.... کالج کے لڑکے لڑکیوں سے ہی ہال بھرا ہوا تھا۔"

"تمہارا خیال ہے۔" قمر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ بدنام ریسٹورنٹ ہے۔

شہر بھر سے لوگ آتے ہیں۔ ہمارے کالج کی لڑکیاں کم ہی ہوتی ہیں..... اور وہ ہوتی ہیں' جو اچھی نہیں ہیں۔ سمجھے کچھ۔"

"مجھے تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔" سجاد نے سیماب کی صفائی پیش کرنے کی غرض سے کہا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں تو مان لو۔ اور اپنی اس کزن سے بھی ذرا دور ہی رہو۔ جانتے ہو' کالج کے کتنے لڑکے اس کی قربت کی کہانیاں سناتے ہیں۔"

"بکتے ہیں۔ وہ ایسی نہیں۔"

"چلو' نہ سہی۔ لیکن کیفے شبستان اچھی جگہ نہیں ہے۔"

"خرابی کیا ہے' یہ تو بتاؤ۔"

"دیکھو بھائی' ایسی جگہوں پر آئے دن پولیس چھاپے مارتی رہتی ہے۔ اب ذرا سوچو' چھاپا پڑا اور سب اندر۔ اور اگلے روز اخباروں میں تصویریں۔ گھر والے ضمانت کراتے پھرتے ہیں۔ ذرا سوچو تو یار۔" قمر نے ڈرامائی انداز میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

سجاد لرز کر رہ گیا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"او بھائی' ایسا ہو چکا ہے کئی بار۔ اخبار میں تصویریں تم نے بھی دیکھی ہوں گی۔ ہاتھوں سے چہرہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں لوگ۔"

"یقین نہیں آتا۔" سجاد نے لرزتی آواز میں کہا۔

"میں نے سمجھا دیا۔ آگے تم جانو۔" قمر نے بے حد خفا ہو کر کہا۔

سجاد نے بے نیازی ظاہر کی مگر اندر سے وہ ہل گیا تھا۔ یہ چھاپنے والا پہلو تو بہت ہی خطرناک تھا۔

چار دن بعد سیماب نے پھر چائے کی فرمائش کی لیکن اس بار سجاد نے صاف انکار کر دیا۔

"لیکن کیوں؟"

سجاد نے قمر سے جو کچھ سنا تھا' اس کی سماعت میں انڈیل دیا۔ "اب یہ خطرہ تو مول نہیں لے سکتے نا۔" اس نے آخر میں کہا۔

"کیا بکواس ہے یہ..... خرافات..... ہنہ۔" سیماب نے بے حد خفا ہو کر کہا۔

"بکواس نہیں' حقیقت ہے۔ اور پولیس والوں کو تو تم جانتی ہی نہیں۔ کسی کی جیب میں حمائل شریف ہو تو وہ خود رکھ لیتے ہیں اور چرس کی پڑیا برآمد کر کے دکھا دیتے ہیں۔ پھر اخبار میں تصویر' تصویر کے نیچے چٹپٹا کیپشن۔ تصویر اپنی ہو تو میرا خیال ہے' کیپشن چٹپٹا نہیں' زہریلا لگے گا۔"

"عجیب احمق ہو تم۔ یہ تو زبردست ایڈونچر رہے گا۔ اور اخبار میں تصویر کا مطلب مفت کی پبلسٹی۔"

سجاد بری طرح بھنا گیا۔ "تم کیسی عجیب لڑکی ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں....."

"ہاں۔ شاید میں عجیب ہوں۔ سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر یہ میری فطرت ہے۔ جو دل چاہے' ضرور کرتی ہوں..... اور سرعام کرتی ہوں۔ چھپ کر کچھ کرنا میری فطرت میں نہیں....."

"اس پر مجھے کیپشن یاد آ گیا۔" اس بار سجاد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اخبار میں لکھا ہوتا ہے..... سرعام بوس و کنار....."

سیماب کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "مجھے بات پوری کرنے دو۔" یہ کہتے کہتے اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ وہ ایسی ہی پل پل رنگ بدلنے والی لڑکی تھی۔ "کسی کا ہاتھ تھامنے کو دل چاہے گا تو میں یہ کبھی نہیں سوچوں گی کہ کسی پبلک پلیس پر ایسا کرنا مناسب نہیں۔ میں زندگی کو انجوائے منٹ سمجھتی ہوں۔ مجھے مردوں کی طرح آزادی سے گھومنا اچھا لگتا ہے۔ نت نئے ہوٹلوں میں کھانا کھانا' چائے پینا میری ہابی ہے۔" اس کا لہجہ خوابناک ہو گیا تھا "شاید مجھ میں نسوانیت کی کمی ہے۔"

سجاد نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور فوراً ہی نظر جھکا بھی لی۔ "نہیں..... ایسا تو نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن شاید تم ذہنی طور پر اب بھی انگلینڈ میں ہو۔ تم نے ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا' یہ پاکستان ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں پتا ہی نہیں کہ انگریز یورپ میں سب سے زیادہ قدامت پسند قوم ہے۔"

"پاکستانی معیار سے وہ بے راہ رو ہیں دیکھو سیماب' سمجھنے کی کوشش کرو۔" سجاد نے اسے مشرقی روایات' اقدار اور ماحول کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی۔

سیماب برہم ہو گئی۔ "یار سجاد' تم بہت بیک ورڈ آدمی ہو۔ اس کے باوجود میں تمہیں پسند کرتی ہوں..... نجانے کیوں۔ خیر... تو تم نہیں چلو گے؟"

"سوری۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں۔" سجاد نے خشک لہجے میں کہا۔

سیماب پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سجاد نے اسے شاہد کے ساتھ کالج سے باہر جاتے دیکھا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ سیماب ہر حال میں اپنی ضد پوری کرتی تھی۔

اگلے تین چار روز سیماب اس کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ اس دوران میں سجاد اسے مختلف لڑکوں کے ساتھ گھومتے دیکھتا رہا۔ بالآخر سجاد کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے موقع پا کر اسے کالج کے لاج میں گھیر لیا۔ وہ وہاں بیٹھی بظاہر کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ "یہ کیا کرتی پھر رہی ہو تم؟" سجاد نے بے حد خراب لہجے میں اس سے کہا۔

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور فوراً ہی دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کے انداز میں بے نیازی تھی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے۔" سجاد نے غصے سے کہا۔

"کیا کرتی پھر رہی ہوں میں؟"

"یہ شاہد' آفاق اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ بے تکلفی..... میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تو مت کرو۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ میں بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"یہ سب کچھ مت کرو۔"

"تمہیں کیا حق ہے یہ کہنے کا۔"

"میں تمہارا کزن ہوں۔"

"مگر میں روایتی پاکستانی لڑکی نہیں' جس کے جملہ حقوق از خود کزنز کے نام محفوظ ہوتے ہیں۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"دیکھو..... میری بہت توہین ہوتی ہے۔ مجھے ان کی چبھتی ہوئی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"چائے پینے کا موڈ ہو تو کیا کروں؟"

سجاد نے تیزی سے سوچا۔ سال ختم ہو رہا تھا۔ پھر اس عذاب سے نجات مل جاتی۔ اس وقت تک..... "مجھ سے کہا کرو۔ میں لے چلوں گا۔" اس نے زہر کے سے گھونٹ پی کر کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ تو چلو۔" سیماب نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

لیکن سجاد جب بھی اس کے ساتھ کیفے شبستان میں گیا' اس پر چھاپے کی دہشت طاری رہی۔ تصور میں کبھی پولیس والے نظر آتے اور کبھی اخبار میں چھپی ہوئی اپنی اور سیماب کی تصویر اور نیچے کیپشن.....

○

گیارہ بج کر پچپن منٹ!

اب وہ آئی بی اے میں تھا۔ سیماب سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا تھا لیکن وہ خوش نہیں تھا۔ وہ سیماب کو بہت مس کرتا تھا۔ اسے اس پر جھنجلاہٹ بھی ہوتی تھی کہ وہ اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ اور وہ ساتھ ہو تو الجھن رہتی ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ اس پر مختلف اوقات میں بہت متضاد کیفیات طاری ہوتی تھیں۔ ابتدا میں تو آئی بی اے میں اس کا دل ہی نہیں لگا۔ سیماب اسے بہت یاد آتی تھی۔ حالانکہ آئی بی اے میں بھی لڑکیوں کی کمی نہیں تھی..... اور چند ایک تو اس پر ملتفت بھی تھیں مگر اس کا ان میں سے کسی سے راہ و رسم بڑھانے کو جی نہیں چاہا۔ وہ تو اکثر سیماب ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ گزرا تو اس کی سمجھ میں اپنی بے چینی کی وجہ بھی آ گئی۔ اور اسے شاک لگا۔ کیسی عجیب بات تھی کہ اسے سیماب پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ کالج چھوڑنے کے بعد لاشعوری طور پر پریشان رہا کہ سیماب نجانے کتنے لڑکوں کے ساتھ چکر چلا رہی ہو گی۔ پھر یہ پریشانی تاریکی سے روشنی میں..... یعنی لاشعور سے شعور میں آ گئی۔ اس کی پریشانی اور ذہنی خلفشار کم ہو گیا۔ لیکن اس پر غصہ آنے لگا کہ وہ کتنے گھٹیا انداز میں سوچتا ہے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ سیماب کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں۔ لیکن لڑکوں میں تو کوئی ایسا ویسا ہو سکتا ہے۔ اس کے اندر کسی خدشے نے چلا کر کہا۔ صرف اپنے اچھے ہونے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔

دن عجیب انداز سے گزر رہے تھے۔ یہاں پڑھائی کا بوجھ بہت زیادہ تھا۔ فرصت کم

ہی ملتی تھی۔ خالہ کے گھر جانے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اور سیماب نے تو آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس بات پر بھی غصہ آتا تھا۔ وہ اگر مصروف ہو گیا ہے تو سیماب تو اتنی مصروف نہیں ہے۔

لیکن آدمی کتنا ہی مصروف ہو' اس کی پریشانیاں تو پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ اور پھر پریشانی کا تعلق دل سے ہو تو کیا کہنا۔ وہ ہر وقت سیماب کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ اس وقت کیا کر رہی ہو گی۔ بوائز کامن روم.... کیفے شبستان کا فیملی کیبن.... یہ دو جگہیں اس کے تصور میں خاص طور پر ابھرتیں۔ وہ سیماب کو ہمیشہ کسی نہ کسی لڑکے کے ساتھ دیکھتا۔ پھر اسے کیفے شبستان پر چھلاوا پڑتا دکھائی دیتا۔ وہ بہت کرب ناک تصور ہوتا تھا۔ اگلے روز وہ صبح کا اخبار کھنگالتا کہ کہیں چھاپے کی خبر تو نہیں چھپی۔

بڑی بات یہ تھی کہ اس سب کے باوجود اس کی پڑھائی ٹھیک چل رہی تھی۔ کالج کی طرح آئی بی اے میں بھی وہ بہت اچھے طلبہ میں شامل ہو چکا تھا۔ سیماب کی پریشانی نہ ہوتی تو شاید پہلی ٹرم میں ہی وہ سب سے اچھا طالب علم شمار ہونے لگتا۔

کئی بار اسے خیال آیا کہ وہ فون کر کے ہی سیماب کی خیریت معلوم کر لے لیکن خالہ کے گھر جانا ہی کون سی بڑی بات تھی۔ بس خود داری اسے روکتی تھی۔ اگر سیماب کو اس کا خیال نہیں ہے تو اسے بھی اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔ سیماب تو اتنی مصروف نہیں تھی۔ وہ آ سکتی تھی' مگر نہیں آئی۔ اس نے کبھی فون بھی نہیں کیا۔ تو وہ اس کے پیچھے کیوں بھاگے۔ یک طرفہ تعلق کبھی طویل اور دیرپا نہیں ہوتا۔

اس عرصے میں یہ ضرور ہوا کہ اس نے اپنے اور سیماب کے تعلق کو سمجھ لیا۔ وہ سیماب سے محبت کرتا تھا۔ عجیب محبت تھی وہ۔ سیماب کی آزادی پر وہ جلتا کڑھتا رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اس کی قربت سے گھبراتا تھا۔ لیکن اس سے دور رہنا اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ کبھی اسے خیال آتا کہ اتنے مختلف مزاج کی لڑکی سے محبت تو جنجال ہے۔ اچھا ہے کہ یہ تعلق آپ ہی ختم ہو رہا ہے۔ مگر یہ سوچتے سوچتے دل سے ٹیسیں بھی اٹھنے لگتیں۔

اسی طرح چار مہینے گزر گئے!

وہ چھٹی کا دن تھا۔ ہفتے بھر کا تھکا ہوا' اس دن وہ بہت تک سوتا تھا۔ اور سو

کر اٹھتے ہی پڑھائی کی فکر سوار ہو جاتی۔ آئی بی اے کے مسابقتی ماحول میں آرام کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ طلبہ پڑھائی کے دوران میں ہی آرام اور تفریح کے چھوٹے چھوٹے مواقع نکال لیتے تھے۔ گھر پر ریلیکس کرنے کا مطلب تھا کہ آپ مقابلے سے آؤٹ۔

اس روز وہ جاگا تو پڑھائی کی فکر کے ساتھ نہیں۔ وہ ایک مختلف دن تھا۔ وہ سیماب کے خیال کے ساتھ جاگا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس نے بہت طویل خواب دیکھا ہے.... اور پورے خواب پر سیماب چھائی ہوئی تھی۔ مگر اسے خواب بالکل یاد نہیں تھا۔ جاگنے کے بعد پانچ منٹ تک وہ بستر پر بیٹھا رہا۔ وہ بے اختیار سیماب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

وہ بستر سے اس وقت اٹھا' جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ آج خالہ کے گھر ضرور جائے گا۔ ایک دن ریلیکس کرنے سے پڑھائی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ الٹا فائدہ ہو گا۔ سیماب سے مل کر وہ تازہ دم اور یک سو ہو جائے گا اور پڑھائی پر زیادہ توجہ دے سکے گا۔

لیکن وہ باتھ روم سے نکلا بھی نہیں تھا کہ سیماب خود آ گئی۔ وہ باتھ روم سے نکلا تو وہ کمرے میں موجود تھی۔ "اوہ' تم کب آئیں؟" اس نے حیرت اور مسرت کی ملی جلی کیفیت میں اس سے پوچھا۔

"دس منٹ ہوئے ہیں۔" سیماب نے خشک لہجے میں کہا۔

سجاد پریشان ہو گیا۔ وہ ناراض لگ رہی تھی۔ "مجھ سے خفا ہو؟"

"کیا نہیں ہونا چاہئے؟" سیماب نے الٹا سوال کر ڈالا۔ "سوچتی تھی' شاید تم بہت مصروف ہو۔ آئی تو پتا چل گیا کہ تمہیں بارہ بجے تک سونے کی مصروفیت لاحق ہو گئی ہے۔"

"تم نہیں جانتیں...."

"پہلے نہیں جانتی تھی...." سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر اب جان گئی ہوں۔"

"میری بات سنو...."

مگر ایک لمحے میں سیماب بدل گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھرکی اور اسکا چہرہ روشن روشن لگنے لگا۔ "چھوڑو ان باتوں کو۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ "لڑ کر یہ وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔"

سجاد جھنجلانے لگا۔ عجیب لڑکی تھی.... چھا جانے والی۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق آتے ہی شروع ہو گئی۔ اور اسے شکایت کا موقع بھی نہیں دیا۔

"اب چلو بھی۔"

"کہاں؟" سجاد نے گھبرا کر پوچھا۔

"کہیں بھی.... گارڈن میں۔"

"مگر میں نے ناشتا بھی نہیں کیا ہے۔"

"میں نے بھی ناشتا نہیں کیا ہے۔ تمہارے ساتھ ہی کروں گی۔ پھر خوب باتیں کریں گے۔"

سجاد کی جھنجلاہٹ غصے میں تبدیل ہو گئی۔ "تم نے ناشتا کیوں نہیں کیا ہے؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"دیر سے اٹھی تھی۔ بغیر ناشتے کے یہاں آگئی۔" وہ مسکرائی۔ "میں بھی دیر تک سونے لگی ہوں۔"

"جواب دہی سے بچنے کا یہ اچھا طریقہ ہے۔ آتے ہی تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

سیماب کے ہونٹوں پر تاؤ دلانے والی مسکراہٹ ابھری۔ "Best defence is to attack"

"مگر میں چھوڑوں گا نہیں...."

"پہلے ناشتا۔" سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔

ناشتے کے دوران میں سجاد پریشان کن سوچوں میں الجھا رہا۔ وہ بار بار سیماب کو دیکھتا۔ وہ اسے پہلے سے کمزور اور کچھ مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اور اس نے کہا تھا کہ وہ بھی دیر تک سونے لگی ہے۔ کیوں؟ وہ خود تو پڑھائی کی وجہ سے پورے ہفتے نیند پوری نہیں کر پاتا ہے۔ اس لئے چھٹی کے دن دیر تک سوتا ہے۔ اور سیماب نے جس

انداز میں کہا تھا' اس سے ایک دن دیر تک سونے کا تاثر نہیں ملتا تھا۔ لگتا تھا' وہ روز دیر سے اٹھتی ہے۔ کیوں؟ کالج کی مصروفیات....؟ غیر نصابی مصروفیات! وہ اس بارے میں سوچتا رہا اور اس کی بھوک ختم ہو گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ کیرم کھیلنے بیٹھے تو سجاد نے سیماب سے پوچھا۔ "کالج کا کیا حال ہے؟" اس نے کوشش کی تھی کہ سوال سرسری انداز میں کرے۔ پھر بھی ایسے لگتا تھا کہ سیماب اس کے لہجے سے اصل بات پکڑ لے گی۔

"پہلے جیسا.... سب کچھ پہلے جیسا ہے۔ کسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بس تمہارا دوست قمر بہت بجھا بجھا رہنے لگا ہے۔"

سجاد پوچھنا چاہتا تھا.... اور تم؟ مگر ہمت نہیں ہوئی۔ پھر بھی اس نے پوچھا "تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"میں تو کالج لائف کو خوب انجوائے کر رہی ہوں۔" وہ چہک کر بولی۔ "تمہارے کالج سے جانے کے بعد مصروفیات بھی بڑھ گئی ہیں۔ آزاد جو ہو گئی ہوں۔"

اب سجاد سے رہا نہیں گیا۔ "کلیفنے شبستان جاتی ہو؟" اس نے لہجہ سرسری رکھنے کی کوشش کی۔

"روز۔ مگر چھلیا آج تک نہیں پڑا۔" سیماب کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا تھا۔

سجاد کا دل بجھ گیا۔ گویا اس کا اندازہ درست تھا۔ "تمہیں میں یاد نہیں آتا؟"

"آتے ہو۔ اور ہر بار غصہ آتا ہے۔ تم نے تو مجھے چھوڑ ہی دیا۔"

"مصروفیت ہی اتنی ہے۔ تمام مضامین نئے ہیں۔ بہت توجہ دینی پڑتی ہے مگر تم آ سکتی تھیں۔" سجاد نے شکایت کی۔

"میں بھی بہت مصروف ہو گئی ہوں۔ کالج سے بھی دیر سے ہی آتی ہوں...."

اب سجاد میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ کالج سے دیر سے آنے کا سبب پوچھتا۔

"اور شام کی بھی ایک مصروفیت لگا لی ہے۔" سیماب کہتی رہی۔ "کچھ میں یوں بھی نہیں آئی کہ جب تم نے چھوڑ دیا تو مجھے کیا۔ اور اتنی مصروفیات میں کسی کو یاد رکھنا آسان نہیں ہوتا۔"

"تو پھر اب کیوں آگئیں؟" سجاد نے تلخی سے کہا۔

"میں نہیں چاہتی کہ جیسے میں تمہیں بھول گئی' تم بھی مجھے بھول جاؤ۔"

اس پر سجاد مارے غصے کے گنگ ہو گیا....

اس کے کوئی ایک ماہ بعد خالہ ان کے ہاں آئیں۔ اکیلی تھیں۔ "افسر بھائی کیوں نہیں آئے؟" امی نے پوچھا۔ "بہت عرصہ ہو گیا انہیں ہمارے ہاں آئے۔"

"مصروف ہی اتنے ہیں۔ کاروبار جمنے کے مرحلے میں ہے۔ ان دنوں کچھ پریشان بھی ہیں۔" خالہ نے کہا۔

"تو سیماب کو تو لے آتیں۔"

"وہ تھکی ہوئی تھی۔ بہت کہا' لیکن نہیں مانی۔"

"وہ بہت کمزور ہو رہی ہے آج کل۔" امی نے تشویش سے کہا۔ "کیا بات ہے؟"

سجاد سر جھکائے بیٹھا تھا لیکن کان خالہ کی طرف لگے تھے۔

"ہر وقت پڑھائی میں لگی رہتی ہے۔ فرسٹ ایئر میں پرسنٹیج کم تھی۔ کہتی ہے' اس کی تلافی کرنی ہے۔ پھر آئی بی اے میں داخلے کی بھی اسے بڑی فکر ہے۔ اس کی تیاری الگ کرتی ہے۔ کہتی ہے' داخلے کا ٹیسٹ بہت مشکل ہوتا ہے۔ نیند تک پوری نہیں ہوتی بے چاری کی۔"

سجاد کو خالہ پر ترس آیا اور سیماب کی مکاری پر غصہ آیا شہرت پڑھائی کی.... اور تفریح کرتی پھرتی ہے۔ زندگی کو انجوائے کرنا ضروری ہے.....وہ بھی من چاہے انداز میں....

ان دنوں سجاد' سیماب کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سوچنے اور کڑھنے لگا تھا۔ کبھی کبھی تو پڑھائی میں بھی دل نہ لگتا۔ وہ سوچتا' کاش یہ روگ نہ لگا ہوتا۔ تب وہ سکون اور یکسوئی سے پڑھائی کر سکتا تھا۔

تیسری ٹرم ختم ہوئی اور چھٹیاں ہوئیں تو ذرا فرصت ہوئی۔ وہ پورا دن گزارنے کی غرض سے خالہ کے گھر چلا گیا۔ وہ اپنے حساب سے کالج کی چھٹی سے پہلے گیا تھا تا کہ یہ تاثر نہ قائم ہو کہ وہ صرف سیماب کی وجہ سے آیا ہے۔ سوچا تھا' خالہ سے خوب باتیں کرے گا۔

وہ خالہ کے پاس بیٹھا' چائے پی اور ان سے باتیں کرتا رہا۔ پھر خالہ نے کہا "

سیماب سے نہیں ملو گے؟"

"وہ تو کالج گئی ہوئی ہو گی۔"

"نہیں۔ آج ہی سے چھٹیاں شروع ہوئی ہیں۔ اسی مہینے امتحان ہے نا۔ وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

سجاد اوپر چلا گیا۔ سیماب پڑھائی میں یوں منہمک تھی کہ اسے دروازہ کھلنے اور سجاد کے اندر آنے کا بھی پتا نہیں چلا۔ بالآخر سجاد کو کھنکھار کر اپنی آمد کا اعلان کرنا پڑا۔

سیماب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ارے تم! کب آئے؟"

"دیر ہو گئی۔ پانچ منٹ سے تو اس کمرے میں ہی ہوں۔"

"مجھے پتا ہی نہیں چلا۔"

"کوئی بہت دلچسپ ناول پڑھ رہی ہو؟"

وہ جھینپ گئی۔ "نہیں۔ کورس کی کتاب ہے۔"

"تو اتنا انہماک!"

"پورے سال پڑھائی نہیں کی ہے۔ اب امتحان سر پر آ گئے ہیں تو تیاری تو کرنی ہے۔" سیماب کے لہجے میں معذرت تھی۔

"آئی بی اے میں یوں تو ایڈمشن نہیں ملے گا۔"

"تو نہ ملے۔" سیماب نے بے پروائی سے کہا۔ "مجھے بہت پڑھ کر کرنا بھی کیا ہے۔ بس ڈگری میں دلچسپی ہے مجھے۔ ایم بی اے نہ سہی' ایم اے کر لوں گی۔ ایک بی ہی کا تو فرق ہے۔"

سجاد کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ کتنی بدل گئی تھی۔ "میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں؟ اتنی سی دیر کے لئے آئے تھے؟"

"نہیں' آیا تو دن بھر کے لئے تھا مگر تمہاری پڑھائی میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"ارے چھوڑو پڑھائی کو..... ہو جائے گی۔" سیماب نے کتاب ایک طرف پٹخی اور اٹھ گئی۔ "تفریح بھی ضروری ہے پڑھائی کے لئے۔"

وہ پورا دن ان دونوں نے ساتھ گزارا۔ سیماب نے پڑھائی کا نام بھی نہیں لیا۔

انہی چھٹیوں میں ایک دن سجاد کو قمر سے ملنے کا خیال آگیا۔ وہ ماننا نہیں چاہتا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ صرف سیماب کی وجہ سے اس سے ملنے جا رہا تھا۔

قمر اسے دیکھ کر خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔ "ہماری یاد کیسے آگئی۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "تم تو ہمیں یوں بھول گئے جیسے ہم کچھ ہیں ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں یار۔ بس فرصت ہی نہیں ملتی۔"

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ کالج کی باتیں بھی ہوئیں پھر قمر چونکا۔ "ارے یار.... وہ تمہاری کزن ہے نا.... سیماب...."

سجاد کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ "کیا ہوا اسے؟"

"ہوا تو کچھ نہیں مگر وہ بڑی باکمال نکلی۔ اس نے تو حیران کر دیا مجھے۔"

'اور اب میں حیران ہونے والا ہوں۔' سجاد نے تلخی سے سوچا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ صرف تعداد بتاؤ؟"

"کس کی؟" قمر نے حیرت سے پوچھا۔

"سیماب کے بوائے فرینڈز کی۔"

"ایسی بات ہوتی تو حیرانی کیسے ہوتی۔ یار' معاملہ برعکس ہے۔"

سجاد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس سال وہ بالکل بدل گئی۔ تم جانتے ہو کہ کالج کے تمام قابل ذکر لڑکے اس کے لئے آہیں بھرتے ہیں۔ پہلے وہ سب سے بات بھی کر لیتی تھی۔ ان کے ساتھ چائے پینے بھی چلی جاتی تھی مگر اب تو وہ کسی سے بات بھی نہیں کرتی۔ بوائز کامن روم کیا' گرلز کامن روم کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ لائبریری اس کا سب سے پسندیدہ ٹھکانہ ہے۔ خالی پیریڈ میں وہ لائبریری میں بیٹھ کر پڑھتی ہے۔ چھٹی کے بعد بھی دیر تک لائبریری میں رہتی ہے۔ وہ تو بالکل بدل گئی بھائی...."

سجاد منہ کھولے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ "لیکن وہ تو کہہ رہی تھی...."

"بس یار۔ آدمی کبھی کبھی تبدیل ہو جاتا ہے اچانک۔ لیکن میں جو دیکھ چکا ہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ایک لڑکی میں کم از کم دو لڑکیاں موجود ہیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ چار ہوں۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"مجھے بھی یقین نہیں آتا تھا مگر کرنا پڑا۔ اور یہ بھی سن لو کہ وہ کم از کم کالج میں ٹاپ ضرور کرے گی۔"

"حیرت ہے۔"

سجاد کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر چلا آیا۔ قمر کے پاس وہ ڈرتے ڈرتے اپنے بدترین اندیشوں کی تصدیق کے لئے گیا تھا لیکن وہاں اس کی تمام الجھنیں اور پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اور یہ نتیجہ تو وہ پہلے ہی اخذ کر چکا تھا کہ سیماب دہری شخصیت کی مالک ہے۔

اس کے باوجود سیماب نے انٹر کے امتحان میں پورے بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی تو اسے حیرت ہوئی۔ ہاں' آئی بی اے کے ٹیسٹ میں سیماب نے ٹاپ کیا تو اسے حیرت نہیں ہوئی۔ اس وقت تک وہ اس بات پر یقین کر چکا تھا کہ سیماب جو چاہے' کر سکتی ہے۔

آئی بی اے میں داخلے کے بعد وہ پھر اس کے قریب آگئی۔ پھر وہی متضاد کیفیات' وہی مسائل....!

○

سجاد نے چونک کر گھڑی میں وقت دیکھا۔ بارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں تیزی آگئی۔ وصل یار کی ساعت قریب آ پہنچی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب تیاری شروع کر دے گا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ابھی اس کے پاس دس منٹ کی مہلت اور ہے۔ اور ماضی کو دہرانے میں اسے جو لطف آ رہا تھا' وہ اس سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔

مگر اب اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ ہاں' وہ چھوٹے چھوٹے' لیکن اہم واقعات دہرا سکتا تھا۔

وہ پھر یادوں میں کھو گیا۔ چھوٹے چھوٹے منظر اس کی آنکھوں میں پھرنے لگے!

○

کالج کے مقابلے میں آئی بی اے کا ماحول بے حد آزاد تھا۔ وہاں لڑکے لڑکیاں

ساتھ گھومتے اور کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ فارغ وقت میں لان میں ہمیشہ کئی جوڑے بیٹھے نظر آتے۔ سجاد کو تو کبھی اس سے غرض ہی نہیں رہی تھی۔ لیکن سیماب کو تو یہ ماحول نعمت کی طرح لگا۔ مچھلی کو خوش رنگ، شفاف پانی کا خوب صورت تالاب مل گیا تھا۔

پہلے روز وہ اسے آئی بی اے میں ملی تو بہت خوش تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ خود سجاد بھی بہت خوش تھا۔ اسے قمر کی بات یاد تھی، جس نے بتایا تھا کہ سیماب بالکل بدل گئی ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی مل گیا تھا۔ وہ اپنی محنت اور یکسوئی کے زور پر تعلیم کے میدان میں بہت آگے نکل گئی تھی۔

"کیسا لگا تمہیں؟" سجاد نے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ کالج سے بہت مختلف۔"

"کلاس کے طلبہ سے ملیں؟"

"ملی.... اور تین دوست بھی بنا لئے۔"

سجاد کی یہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ سیماب کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"مگر سچ یہ ہے کہ اپنی کلاس کے لڑکے مجھے اپیل نہیں کرتے۔ ان سے دوستی کرنے میں لطف آتا ہے، جو ہم سے آگے ہوں۔"

شاید اس کا اشارہ سجاد کی طرف تھا۔ سجاد کا چہرہ تمتما اٹھا مگر اگلے ہی لمحے اس کی غلط فہمی دور ہو گئی۔

"تم اپنی کلاس کے کچھ اچھے لڑکوں سے مجھے ملوا دو۔" سیماب نے فرمائش کی۔

چند لمحے تو سجاد سے بولا ہی نہیں گیا پھر اس نے کہا۔ "میری تو اپنی کسی سے دوستی نہیں ہے۔"

"تم عجیب آدم بیزار آدمی ہو۔"

"یہاں مضامین بہت وقت طلب ہیں۔" سجاد نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "فرصت ہی نہیں ملتی۔ یاد نہیں، تم سے بھی ملنا ختم ہو گیا تھا۔"

"مجھے تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں۔ یہاں صرف ایڈمشن دشوار ہے۔ اسی

لئے تو میں نے اتنی محنت کی اور اب مجھے یقین ہے کہ میں یہاں سے ڈگری لے کر ہی نکلوں گی۔"

"میں یہاں سے نالج اور قابلیت لے کر نکلنا چاہتا ہوں۔" سجاد نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ خود بہ خود مل جاتی ہے۔" سیماب نے بے پرواہی سے کہا۔

اس روز چھٹی کے بعد وہ ملے تو سجاد نے سیماب سے پوچھا۔ "تم آئی کیسے تھیں؟"

"پوائنٹ کی بس سے آئی تھی۔"

سجاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ خالو جان ایسے تو نہیں تھے۔

سیماب نے اس کی حیرت بھانپ لی۔ "پاپا تو اصرار سے گاڑی دے رہے تھے۔ میں نے خود انکار کر دیا۔"

"کیوں بھئی؟"

"ابھی میرے پاس زندگی سے لطف اٹھانے کے لئے بے فکری کے چند سال ہیں۔ انہیں کیوں ضائع کروں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں کوئی ذمے داری اٹھانا نہیں چاہتی۔ کار کی بھی نہیں۔ میں نے پاپا سے کہہ دیا کہ سجاد مجھے لے جایا کرے گا اور اسی کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

پہلے چند لمحوں میں تو سجاد یہ سوچتا رہا کہ یہ سجاد کون ہے اور جب بات سمجھ میں آئی تو اس نے گڑبڑا کر کہا۔ "میں.... میں تو بائیک پر آتا ہوں۔"

"یہ اور بھی اچھا ہے۔ کار کی بہ نسبت بائیک مجھے پرلطف لگتی ہے۔"

سجاد کا دل دھڑک اٹھا۔ اتنی قربت، جس کو وہ ترستا تھا۔ لیکن کہہ نہیں سکتا تھا "یور آر ویل کم۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

وہ پارکنگ کی طرف چل دیئے۔ سجاد نے کک مار کر بائیک اسٹارٹ کی اور بولا "چلو.... بیٹھ جاؤ۔"

لیکن سیماب بیٹھی تو وہ اچھل پڑا۔ اسے ایسا لگا کہ سیماب لڑکوں کے سے انداز

میں بیٹھی ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ سیماب پچھلی سیٹ پر ایک طرف ہو کر بیٹھنے کے بجائے دونوں طرف پاؤں لٹکا کر لڑکوں کی طرح بیٹھی تھی۔

"یہ کیا..." اس نے گھبرا کر اسے ٹوکا۔ "یہ کیسے بیٹھی ہو۔"

سیماب نے اپنا تفصیلی جائزہ لیا اور بولی۔ "ٹھیک تو بیٹھی ہوں۔"

"دونوں ٹانگیں اس طرف کر کے بیٹھو۔ جیسے لڑکیاں بیٹھتی ہیں۔"

"واہ اتنا زیادہ فاصلہ ہے۔ اس طرح تو میرا جسم اکڑ کر رہ جائے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ بیٹھنا تو ایسے ہی ہے۔" سجاد کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"احسان کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تم حکم چلانے لگو۔" سیماب نے برہمی سے کہا۔

"نہ میں احسان کر رہا ہوں' نہ حکم چلا رہا ہوں۔" سجاد نے حلیمی سے کہا۔ "تمہیں طریقہ قاعدہ بتا رہا ہوں۔"

سیماب پچھلی سیٹ سے اتر گئی۔ "تم پابندیاں بہت لگاتے ہو..... اور مجھے یہ بات قبول نہیں۔ تم جاؤ' میں پوائنٹ کی بس سے چلی جاؤں گی۔"

یہ ایک اور مسئلہ تھا ان کے ساتھ۔ سجاد درست ہوتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے کھسیا کر کہا "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟"

"میں ہر کام اپنی مرضی سے کرتی ہوں۔ یہ نہیں چلے گا کہ ایسے بیٹھو اور ایسے نہ بیٹھو۔"

"اچھا بابا' بیٹھ جاؤ اور مجھے تماشا بنوا دو۔" سجاد نے ہاتھ جوڑ لئے۔

"تمہیں تماشا بننے کی اتنی فکر کیوں رہتی ہے۔"

"اسی دنیا میں رہتا ہوں اور اسی دنیا میں رہنا ہے مجھے۔ خیر... بیٹھو۔"

اس روز سیماب کو گھر ڈراپ کرتے ہوئے وہ واپس آیا تو پورا دن اسی مسئلے پر سوچتا رہا اور کھولتا رہا۔ بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ سیماب کی اس ضد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے گا چنانچہ اگلی صبح اس نے سیماب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"بھئی' تمہارا میرا ساتھ چلنے والا نہیں۔" سیماب نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم جاؤ۔ میں خود آ جاؤں گی۔"

"مگر میری بات..."

"دیکھو' جن تین لڑکوں سے میری دوستی ہوئی ہے' وہ سب بائیک والے ہیں۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

سجاد گھبرا گیا۔ جانتا تھا کہ یہ خالی خولی بلیک میلنگ نہیں۔ وہ اس پر عمل بھی کرے گی۔ کالج میں اس کا تجربہ ہو چکا تھا اور وہ اسے دہرانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سو اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "چلو بیٹھ جاؤ اور جیسے جی چاہے بیٹھو۔"

"یہی کام ہنسی خوشی بھی ہو سکتا تھا۔"

"ہاں' ہو سکتا تھا۔ لیکن ہوا نہیں۔"

اس دن کے بعد یہ معمول بن گیا۔ اور سیماب صرف لڑکوں کی طرح بیٹھتی نہیں تھی۔ جب جی چاہتا' اس کی کمر تھام لیتی' کندھے پر سر لگا دیتی۔ ایسے میں سجاد کو لگتا کہ وہ بھی دہری شخصیت کا مالک ہے۔ کیونکہ ایسے میں اسے غصہ بھی آتا تھا' وہ گھبرا کر ادھر ادھر بھی دیکھتا مگر اسے خوشی بھی ہوتی تھی۔ رگ و پے میں بے خودی سے دوڑتی رہتی تھی۔

○

اب سجاد کثرت سے اپنے اور سیماب کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اب تک اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ سیماب سے محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ محبت بہت دشوار اور اس کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی۔ حالانکہ ان کی راہ میں کوئی روایتی دیوار نہیں تھی۔ خالو جان شاید اس رشتے کے حامی نہیں تھے۔ لیکن وہ روشن خیال آدمی تھے اور یہ طے تھا کہ سیماب کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کبھی نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان ایک دیوار تھی.... بلکہ دو دیواریں کہئے۔ اور وہ دیواریں وہ دونوں آپ ہی تھے۔

دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سجاد آزاد خیال ہونے کے ساتھ قدامت پرست بھی تھا۔ جبکہ سیماب ہواؤں کی طرح آزاد تھی۔ سجاد شرمیلا تھا' جبکہ سیماب بے باک تھی۔ وہ احتیاط پسند تھا اور سیماب مہم جو۔ اسے روایات عزیز تھیں اور سیماب مجسم بغاوت۔ راہ کی دیواریں گرانا سجاد کے بس کی بات نہیں تھی۔ لیکن

سیماب کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سو اس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ اس نے سجاد سے وہ کروا دیا' جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا.... یعنی اظہار محبت!

اس روز وہ دونوں لان میں بیٹھے تھے کہ رافعہ آ گئی۔ وہ سیماب کی کلاس فیلو تھی۔ اس نے آتے ہی سیماب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ آؤ میرے ساتھ...."

"کیا بات ہے؟ یہیں بیٹھ جاؤ۔ اس وقت اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔" سیماب نے کہا۔

"ایک بات میں کب سے کرنا چاہ رہی ہوں تم سے۔ موقع ہی نہیں ملتا مگر آج کر کے رہوں گی۔"

"تو کر لو۔"

رافعہ نے کن انکھیوں سے سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اٹ از ٹو پرسنل۔"

"سجاد کی پرواہ نہیں کرو۔ یہ میرا کزن بھی ہے اور بچپن کا دوست بھی۔"

"تب تو اور نامناسب ہے۔ چلو نا۔" رافعہ نے اسے کھینچنے کی کوشش کی۔

سجاد بے حد مہذب اور خوش اطوار تھا۔ جانتا تھا کہ ایسے میں اسے اٹھ جانا چاہئے۔ لیکن کوئی انجانی حس اسے بتا رہی تھی کہ یہ کوئی بہت اہم بات ہے' جس سے اس کا تعلق بھی ہے۔ چنانچہ وہ ڈھٹائی سے بیٹھا رہا۔

"سجاد سے میں ہر طرح کی بات کر سکتی ہوں۔" سیماب نے کہا۔ "تم بے فکر ہو کر بات کرو۔"

رافعہ چند لمحے ہچکچائی پھر گھاس پر بیٹھ گئی۔ "تم جانتی ہو یہی کہ میں پہلے ہی دن سے تمہیں پسند کرتی ہوں.... بہت زیادہ۔ جی چاہتا ہے ہمیشہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔"

"جو کہ ناممکن ہے۔" سیماب نے تبصرہ کیا۔

"ایسی بات نہیں۔ سنو تو۔ تم نے میرے بھائی جان کو دیکھا ہے نا؟"

"ہاں شاید.... ابھی پرسوں ہی تمہاری سالگرہ کے دن۔"

"پرسوں انہوں نے بھی تمہیں دیکھا۔ جب سے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ

شادی اسی لڑکی سے کروں گا۔"

"واہ' کوئی زبردستی ہے۔ میری مرضی کے بغیر تو نہیں کر سکتے۔" سیماب نے چیخ کر کہا۔

"ظاہر ہے۔ میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تم اجازت دو تو میں امی کو تمہارے گھر لاؤں۔"

"ایسے دیکھے بھالے بغیر کیسے اجازت دے دوں۔"

"تم نے دیکھا تو ہے انہیں۔ اور یقین کرو' وہ بہت اچھے ہیں۔ ڈاکٹر ہیں۔"

"دیکھا تو ہے مگر ان سے ملوں' انہیں سمجھوں اور جانوں' تبھی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ میں اندھے کنوئیں میں تو چھلانگ لگانے والی نہیں۔"

"اچھا' یہ تو بتا دو کہ گنجائش تو ہے نا۔ میں تمہاری ان سے تفصیل سے ملاقات کرا دوں گی۔"

"گنجائش تو ہے۔ اس لئے کہ میں کہیں commit نہیں ہوں۔" سیماب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔" رافعہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں پھر بات کروں گی۔ تم سے۔"

سیماب کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ یہ سب سن کر سجاد کو چپ لگ گئی ہے۔

درحقیقت سجاد بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگا تھا کہ اس کی بے خبری میں کوئی امتحان اس کے سر پر آ گیا ہے۔ اس نے اس کے لئے تیاری بھی نہیں کی اور اب اس کے پاس وقت بھی بہت کم ہے۔ حالانکہ اس امتحان کے لئے تیاری کرنے کی اس نے کئی بار بڑے خلوص سے کوشش کی تھی۔ وہ آئینہ اسے ہر بار یہی بتاتا تھا کہ اظہار کرتے ہوئے وہ ہونق ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے سیماب کے سامنے اظہار کا ارادہ کیا.... کوشش بھی کی۔ لیکن آواز بند ہو جاتی تھی اور پسینے چھوٹنے لگتے تھے۔ آخر تنگ آ کر اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

مگر اب اسے احساس ہوا کہ یہ ضروری ہے۔ سیماب کو commit کئے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ سیماب امی کو بھی وہی جواب دے سکتی تھی' جو اس نے رافعہ کو دیا

تھا۔ گویا اظہار محبت لازم تھا.... اور اس کے پاس مہلت بھی نہیں تھی۔

اس روز اس نے اظہار محبت کی فائنل ریہرسل کی۔ خوب صورت لفظ چنے۔ اچھی ساخت کے جملے بنائے۔ اگلے روز اسے اظہار محبت کرنا تھا۔

وہ سیماب کو لے کر لان میں جا بیٹھا۔ "سیماب.... سنو۔" اس نے سیماب کو پکارا "مجھے تم سے ایک بہت خاص بات کرنی ہے۔"

سیماب نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "بہت خاص بات!"

اس سے نظریں ملتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا۔ ہونٹ ہلتے رہے مگر کوئی آواز نہیں نکلی۔

"بتاؤ نا۔ کیا خاص بات ہے۔"

وہ سوچتا رہا کہ اب کیا کرے۔ ذہن اس سلیٹ کی طرح صاف تھا' جس پر ڈسٹر پھیر دیا ہو۔ یادداشت میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ تو تمہیدی الفاظ بھی بھول چکا تھا۔

"بتاؤ نا۔ یقیناً کوئی بہت خاص بات ہے۔" سیماب بے تاب ہو رہی تھی۔

وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔ "مم.... میں.... یہ کہنا چاہتا ہوں کہ...." وہ کہتے کہتے رکا پھر اسے کچھ سوجھ ہی گیا۔ "میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اندھا کنواں نہیں ہوں۔"

سیماب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "تو میں نے کب کہا کہ تم اندھا کنواں ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"نہیں.... کہا تو نہیں۔ لیکن تم ڈرتی تو ہو اندھے کنوئیں سے۔" اس کی سانسوں کی رفتار بڑھ گئی تھی اور آواز لرز رہی تھی۔

"یہ کب کہا میں نے۔"

سجاد کی سانسوں اور دھڑکنوں کی رفتار مسلسل بڑھ رہی تھی۔ "کہا تھا۔ تمہیں یاد نہیں؟"

"نہیں۔ تم یاد دلاؤ۔"

"وہ تت.... تم.... کک.... کل تم رافعہ سے کہہ رہی تھیں نا۔"

سیماب نے یاد کرنے کی کوشش کی پھر اس کی آنکھوں میں چمک ابھری اور وہ ہنسنے لگی "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اندھے کنوئیں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میں اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے والی نہیں۔"

"وہی وہی...." سجاد نے تائید میں سر ہلایا۔ "تو میں اندھا کنواں نہیں ہوں۔"

"اچھا۔ تو کنواں تو ہو نا.... اور کنوئیں میں گرنا اچھا نہیں ہوتا۔ خواہ وہ اندھا ہو یا نہ ہو۔" سیماب نے اسے چھیڑا۔

سجاد اور گڑبڑا گیا۔ "مم.... میرا.... مم.... مطلب ہے کہ تم مجھ سے ملتی رہی ہو اور جانتی سمجھتی بھی ہو۔"

"تو پھر؟" سیماب اب اس کی حالت سے لطف لے رہی تھی۔

"وہ.... دراصل میں یہ کہنا.... یب.... بات یہ ہے کک...."

"اصل بات بتا دو مگر بے ہوش نہ ہو جانا۔"

بے ہوش ہو جانے کے طعنے نے سجاد کو بالکل ہی گڑبڑا دیا۔ "وہ.... مم.... میں.... میں.... تت.... تت.... تم سے.... مم.... مم.... محب.... محب.... بت.... تت.... تم کس.... سمجھ رہی ہو نا؟" اب وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور جسم کا ہر مسام جیسے پسینہ اگل رہا تھا۔

اس نے سجاد کا ہاتھ تھام لیا۔ "اس میں اتنا ہانپنے کی ضرورت نہیں۔ تم سچ مچ بے ہوش ہو جاؤ گے۔" وہ بولی۔ "دیکھو' محبت وحبت کا تو مجھے پتا نہیں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

سجاد نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ دیکھ کر اسے کچھ اطمینان ہوا کہ وہاں رش نہیں ہے۔ کافی دور چار پانچ طلبہ اور طالبات کی ایک ٹولی بیٹھی تھی۔ وہ بھی اپنی خوش گپیوں میں مگن تھے۔ اس طرف متوجہ نہیں تھے۔ اس کے باوجود اس نے بڑی نرمی سے سیماب کی گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کرا لیا۔

سیماب اس کا گریز بھانپ گئی۔ "مگر سجاد' میں کسی بھی طرح کے کنوئیں میں گرنا پسند نہیں کروں گی۔" اس نے گویا اپنی بات پوری کی۔

○

دن گزرتے گئے۔ سجاد کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس کے اظہار محبت کے باوجود سیماب کا رویہ اب بھی پہلے جیسا تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح ملتی۔ وہ روز صبح اسے اس کے گھر سے پک کرتا۔ پھر چھٹی کے بعد اسے گھر چھوڑتا۔ درمیان میں انسٹی ٹیوٹ میں بھی وہ پہلے کی طرح ملتے۔ گپ شپ ہوتی۔ کبھی [illegible] چلے جاتے۔

لیکن سیماب اگر پل پل بدلنے والی نہ ہوتی تو [illegible] سیماب ہی کیوں کہلاتی۔

ایک روز گھر واپس جاتے ہوئے اس نے کہا۔ "مجھے گھر نہیں جانا۔ پہلے مجھے چائے پلواؤ۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔" سجاد نے تین سال پہلے کی طرح کہا "راستے میں ایک بہت اچھا ریسٹورنٹ پڑتا ہے۔ وہاں فیملی روم بھی ہیں۔"

"مجھے کسی اچھے ریسٹورنٹ میں چائے نہیں پینی۔" سیماب نے تیزی سے کہا۔ "کیفے شبستان چلو۔"

پہلے تو سجاد کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ وہ کیفے شبستان کو بھول ہی چکا تھا لیکن جب یاد آیا تو وہ دہل گیا۔ "اتنی دور جانے کی کیا تک ہے؟" اس نے احتجاج کیا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے۔"

"تمہیں چائے سے غرض ہے یا....."

"چائے تو صرف بہانہ ہے۔" سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن کیفے شبستان....."

"تمہی نے تو بتایا تھا کہ وہاں پولیس چھاپے بھی مارتی ہے۔"

"ہاں..... وہی تو....."

"بس تو وہ ایکسائٹ منٹ وہ تھرل کسی اور ریسٹورنٹ میں کہاں۔"

تھوڑی سی بحث ہوئی۔ اور پھر سجاد کو پہلے کی طرح ہار ماننی پڑی۔ لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اس کی یہ ضد نہیں مانے گا۔

وہ تین سال بعد کیفے شبستان گیا تھا۔ وہاں سب کچھ پہلے جیسا تھا۔ ماحول وہی تھا۔ بس چہرے بدل گئے تھے۔ وہ وہاں اسی طرح وحشت زدہ رہا۔ اسے لگتا تھا کہ اب پولیس آئی اور اب چھاپا پڑا۔ دوسری طرف سیماب پہلے ہی کی طرح انجوائے کر رہی

تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے گلو خلاصی نہ ہو سکی۔

پھر آنے والے دنوں میں اسے تجربہ ہوا کہ سیماب کے معاملے میں اس کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چلا کہ اب وہ کالج کے مقابلے میں اور کمزور ہو گیا ہے۔ اور یہ اضافی کمزوری اس کی اظہار محبت کی دی ہوئی تھی۔ محبت تو وہ سیماب سے بہت پہلے سے کرتا تھا لیکن اسے اس کی شدت کا اندازہ نہیں تھا۔ اب اظہار کرنے کے بعد اسے شدت کا پتا چل گیا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اسے کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اور یہ تو اسے بالکل گوارا نہیں تھا کہ محض اس سے اپنی بات منوانے کے لئے بھی سیماب کسی اور سے راہ و رسم پیدا کرے۔ کجا یہ کہ اس کے ساتھ گھومے پھرے۔

لہٰذا کیفے شبستان جانا بھی ایک معمول بن گیا۔ دن گزرتے گئے۔ تعلیم بھی تکمیل کے قریب پہنچتی گئی۔

○

ایک دن سجاد کا ضبط جواب دے ہی گیا!

اس روز یونیورسٹی سے گھر جاتے ہوئے سیماب نے کہا۔ "آج تو فلم دکھاؤ مجھے۔"

"دیر ہو جائے گی۔ آج رہنے دو۔ کل فلم دیکھ لیں گے۔ میں امی کو دیر سے آنے کا کہہ آؤں گا۔"

"تم مرد کب بنو گے۔ کبھی امی سے پوچھے بغیر بھی کچھ کر لیا کرو۔"

"یہ کام میں نے تم پر چھوڑ دیا ہے۔" سجاد نے خوش دلی سے کہا۔

"تو یہ بات ہے۔ ہمارے سسٹم الٹ گئے ہیں۔ میں مرد اور تم عورت۔ جبھی تو میچ [illegible] رہے ہیں۔"

اس پر سجاد کا دماغ الٹ گیا۔ "میں تمہیں دکھاؤں کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔"

"یہ جذبات میں چیلنج قبول کرنا بھی مردانگی نہیں' نسوانیت ہے۔"

سجاد کو بہت شدت سے غصہ آیا لیکن مردانگی کے اظہار کی خاطر وہ اس غصے کو پی گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر سیماب نے معصومیت سے پوچھا۔ "بہت غصہ آ رہا ہے؟"

"نہیں۔ مرد غصہ پی جایا کرتے ہیں۔"

"تو خاموش کیوں ہو؟ خفا ہو گئے؟"

"ہونا چاہئے تھا۔ لیکن خفا ہو نہیں سکتا۔"

"تو کچھ بولو نا۔" وہ اٹھلائی۔

"یہ بتاؤ' کہاں چلنا ہے۔"

"پیلس سینما چلیں گے۔ وہاں بڑی زبردست فلم چل رہی ہے۔"

سجاد کو فلموں سے دلچسپی نہیں تھی۔ نہ اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں کون فلم لگی ہے اور کیسی ہے۔ لیکن سیماب نے جس فلم کا نام لیا تھا' اس کے متعلق بہت لوگوں سے سن چکا تھا۔ ایک تو وہ صرف بالغان کے لئے ریلیز کی گئی تھی دوسرے اس میں خطرناک حد تک گرم مناظر تھے۔ مختصر یہ کہ وہ بڑی بدنام فلم تھی۔

تمہیں کس نے بتایا کہ وہ بڑی زبردست فلم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"امجد نے بتایا تھا۔ اس نے تو مجھے وہ فلم دکھانے کی پیشکش بھی کی تھی۔"

سجاد نے موٹر سائیکل ایک طرف روک دی۔ "بے وقوف لڑکی' وہ بہت گندی ہے۔" اس نے پلٹ کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "امجد کو جرات کیسی ہوئی کہ تمہیں یہ فلم دکھانے کی آفر کرے۔"

"اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"تم نے میری بات سنی نہیں۔ وہ بہت گندی فلم ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم دونوں عاقل و بالغ ہیں۔ اور پھر میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"ایسی فلم دیکھنے کے لئے کوئی عورت جائے تو میں اسے عورت ماننے سے انکار کروں گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ کیا وہ عورت نہیں رہے گی؟" سیماب نے بلانے والے انداز میں کہا۔

"بکواس مت کرو۔ تم حد سے گزر رہی ہو۔" سجاد آپے سے باہر ہو گیا۔

سیماب نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اتنے سخت اور لہجے میں اس سے بات کی تھی۔ "یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو مجھ سے۔"

"اس لئے کر رہا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں..... اور شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔" اس کیفیت میں سجاد سب کچھ کہہ سکتا تھا۔

"شادی! ہنہ۔ یوں کہو کہ میرے پیروں میں بیڑیاں ڈالنے کا شوق ہے۔ قابض ہونا چاہتے ہو مجھ پر۔" سیماب نے غصے اور حقارت سے کہا۔ "لیکن مجھے اپنی آزادی بہت عزیز ہے۔ میں تمہیں اس کا موقع کبھی نہیں دوں گی۔"

"میری بات تو سنو....." سجاد ٹھنڈا پڑنے لگا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم سے شادی کر کے میرا کیا حشر ہو گا۔ گھٹ کے رہ جاؤں گی میں۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"تم آزادی کو پتا نہیں کیا سمجھتی ہو....."

"تمہیں اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" سیماب نے سرد لہجے میں کہا "اور سن لو' میں یہ فلم ضرور دیکھوں گی۔ کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤں گی۔"

اب بات سجاد کی برداشت سے بالکل باہر ہو گئی تھی۔ "تو تم بھی سن لو۔" اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔ "جس دن تم یہ فلم دیکھنے سینما ہال میں داخل ہو گئیں' خواہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ ہو' اس دن کے بعد میں تمہاری صورت دیکھنا' آواز سننا' حتیٰ کہ تمہارے بارے میں سوچنا بھی قبول نہیں کروں گا۔ اور اس امجد کو تو میں کل ہی دیکھ لوں گا۔ شاید تمہاری سمجھ میں آ جائے کہ مرد کیا ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں اتنی سفاکی تھی کہ سیماب لرز کر رہ گئی۔ "تمہیں امجد سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔"

"الجھنا کیا ہوتا ہے۔ میں اسے اتنا ماروں گی کہ وہ کم از کم ایک ہفتے اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔" غصے سے سجاد کی آواز لرز رہی تھی۔

سیماب کا چہرہ فق ہو گیا۔ "پلیز..... امجد سے کچھ نہ کہنا۔" اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔

"کیوں نہ کہوں.....؟"

"اس لئے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ مجھ سے اس فلم کی کسی نے تعریف نہیں

کی۔ میں نے تو اخبار میں اشتہار دیکھا تھا اس کا۔"

سجاد نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ ایسے چھوٹے بچوں کی طرح پشیمان نظر آ رہی تھی' جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ وہ جانتا تھا کہ سیماب تقریباً جھوٹ بولتی ہے۔ لیکن اس معاملے میں وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ "میں کیسے مان لوں۔ میں تو امجد سے ضرور بات کروں گا۔"

"پلیز..... اچھا' میں وعدہ کرتی ہوں کہ یہ فلم کبھی نہیں دیکھوں گی۔"

سجاد نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں امجد کو بخشے دیتا ہوں۔"

اس روز سجاد' قمر سے ملنے کے لئے گیا۔ اس سے ملنا کم ہی ہوتا تھا مگر ایک وہی اس کا راز دار دوست تھا۔ اسے مشورے کی ضرورت تھی اور وہ قمر کے سامنے دل کا بوجھ بھی ہلکا کر سکتا تھا۔

قمر نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ "ایک بات طے ہے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"یہ میرا من پسند نتیجہ کیسے نکالا تم نے۔" سجاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ سب کچھ وہ تمہارے ساتھ' تمہاری موجودگی میں ہی کرتی ہے۔ تم آئی ایم اے میں گئے تو اس نے کالج میں اپنی روش تبدیل کر لی۔"

"اور اب پہلے سے بھی بڑھ کر ہو گئی۔"

"شاید اسے تمہاری محبت کا یقین نہیں۔ اس یقین کے حصول کے لئے ہی وہ سب کچھ کرتی ہے۔"

"میں کیا کروں۔ میں نے تو ظاہر بھی کر دیا جو میرے لئے آسان نہیں تھا۔" سجاد نے بے بسی سے کہا۔

"اس کی تسلی نہیں ہوئی ہو گی۔" قمر نے پرخیال لہجے میں کہا۔ پھر خود ہی تردید بھی کی "لیکن نہیں یار' اس کی فطرت ہی ایسی ہے شاید۔ تمہیں یاد ہے' میں نے تم سے کہا تھا..... اور اب دہرا رہا ہوں۔ اس سے جو شادی کرے گا' اسے دو بیویاں رکھنے کا لطف آئے گا کم از کم۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرعی تعداد کا لطف آ جائے۔"

"مذاق مت کرو یار۔ یہ مسئلہ بہت سنگین ہے۔"

قمر کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "میری مانو' سچی بات یہ ہے کہ وہ لڑکی تمہارے لئے ہے ہی نہیں۔ تم اسے افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ کوئی حل بھی ہے اس مسئلے کا؟"

"ایک ہی حل ہے۔" قمر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "یہ سب کچھ برداشت کرنے کی عادت ڈال لو۔ اپنی فطرت بدلو کیونکہ وہ تو اپنی فطرت نہیں بدل سکتی۔ اور میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم زور زبردستی والے مرد نہیں ہو۔ ہوتے تو بھی اسے سنبھال نہیں سکتے تھے۔"

"فطرت کبھی نہیں بدلتی۔" سجاد نے جواب دیا۔ "وہ بھی مجبور ہے اور میں بھی مجبور ہوں۔ مگر میں اس سے شادی ضرور کروں گا۔ یہ بھی مجبوری ہے۔"

"سوچ لو یار۔ وہ تمہارے لئے اچھی بیوی ثابت نہیں ہو سکتی۔ خوامخواہ زندگی کو جہنم بنا ڈالو گے۔"

سجاد جانتا تھا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اتنی آزاد خیال اور جارح لڑکی سے اس کا نباہ ناممکن تھا۔ لیکن وہ محبت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ وہ مہم جو لڑکی' جو خطرات سے کھیلنا پسند کرتی تھی۔ شادی کے بعد وہ کیا کچھ..... اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا۔ سیماب سے شادی کے حق میں اسے ایک بھی دلیل نہیں ملتی تھی۔

مگر وہ اس سلسلے میں سوچتا رہا۔ وہ اس سے دستبردار بھی نہیں ہو سکتا تھا!

اگلی صبح وہ یونیورسٹی جاتے ہوئے سیماب کو پک کرنے کے لئے اس کے گھر پہنچا۔ معمول کے مطابق وہ آئی اور بائیک کی پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی۔ اس ایک معمول کو چھوڑ کر باقی سب کچھ خلاف معمول تھا۔ روز وہ مسلسل بولتی تھی لیکن اس روز خاموش تھی۔ سجاد نے دو بار بات کرنے کی کوشش کی۔ دونوں بار سیماب نے ایک ہی بات کہی۔ "میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

ایک معمول یہ تھا کہ خالی پیریڈ کے دوران میں وہ ملتے تھے۔ کبھی لان میں بیٹھ کر

باتیں کرتے۔ کبھی کینٹین میں چائے پیتے۔ لیکن اس روز سیماب اس کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ سجاد تمام وقت بے چین رہا۔ اس کا دماغ اڑا اڑا رہا۔ دل کہیں نہیں لگ رہا تھا۔ چھٹی کے وقت تک اسے یقین ہو گیا کہ وہ آج اس کی بائیک پر نہیں جائے گی۔ بلکہ اپنے کسی کلاس فیلو سے گھر ڈراپ کرنے کو کہے گی۔

لیکن وہ پارکنگ میں کھڑی اپنی موٹر سائیکل تک پہنچا تو وہ پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم آؤ گی۔" اس نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

سیماب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ منہ بنائے کھڑی رہی۔

سجاد نے سوچا کہ اس معاملے کو یہیں رفع دفع کر لے۔ "دیکھو سیماب...."

سیماب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں صبح ہی تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ میں نے اپنے کسی کلاس فیلو سے پک اینڈ ڈراپ کے لئے صرف اس لئے بات نہیں کی کہ میں تمہیں تکلیف دینا' جلانا نہیں چاہتی۔ پلیز' مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔"

اس کے لہجے کی رکھائی اور بے تعلقی نے سجاد کو احساس دلایا کہ معاملہ سنگین ہے۔ اتنے برسوں میں وہ یہ سمجھ چکا تھا کہ فی الحال یہ معاملات ٹھیک نہیں کئے جا سکتے۔ اس وقت اسے سمجھانے کی کوشش کرے گا تو بات خراب ہی ہو گی۔ یہ بھی غیر معمول بات تھی کہ وہ behave کر رہی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیماب اسے جلانے کے لئے اپنے کلاس فیلوز کی خدمات حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے بائیک اسٹارٹ کی اور سیماب کے بیٹھنے کے بعد آگے بڑھا دی۔

گھر پہنچ کر سیماب اتری اور اسے خدا حافظ کہے بغیر گھر میں داخل ہو گئی۔

اب یہ معمولات شروع ہو گئے۔ چار دن بعد سجاد نے پھر بات برابر کرنے کی کوشش کی لیکن اس معاملے میں سیماب تلون مزاجی کے بجائے استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ سجاد کو پھر پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

وہ دن سجاد کے لئے بے حد اذیت ناک تھے۔ اس کا دھیان پڑھائی میں بھی نہیں رہا تھا۔ یہ خیال ہی اس کے لئے سوہان روح تھا کہ سیماب اس سے اتنی ناراض ہے کہ کسی طور صلح کرنے پر آمادہ نہیں۔

اس طرح دس دن گزر گئے۔ اس روز وہ لان میں سر جھکائے بیٹھا اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ سیماب کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

سجاد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "بیٹھو نا۔ تم نہیں جانتیں...."

"میں یہاں تجدید تعلق کے لئے نہیں آئی ہوں۔" سیماب نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "تمہیں ایک اطلاع دینی ہے۔"

اس کا لہجہ ایسا تھا کہ سجاد کا دل ڈوبنے لگا۔ "بتاؤ.... کیا بات ہے؟"

"برسوں شام چچا اور چچی ہمارے ہاں آ رہے ہیں.... عاطر کے لئے میرا ہاتھ مانگنے۔ اور تم جانتے ہو کہ پاپا اس رشتے کے حق میں ہیں۔"

سجاد کے لئے وہ دھماکا تھا' اس نے اسے شل کر کے رکھ دیا۔ اس سے کچھ بولا بھی نہیں گیا۔

"اب تو خوش ہو۔ مجھ سے تمہاری جان چھوٹ رہی ہے۔"

"کیسی بات کر رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔" سجاد پھٹ پڑا۔

"معلوم ہے' یہ بات مجھے بتاتے ہوئے تم تقریباً بے ہوش ہو گئے تھے۔ لیکن میں پورے ہوش و حواس کے ساتھ واضح اور دو ٹوک انداز میں کہہ رہی ہوں کہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔"

سجاد کے دل میں امید کی کرن پھوٹی۔ "تم انکار کر دو گی نا۔"

"میری مرضی کے بغیر پاپا کبھی ہاں نہیں کریں گے۔ اور میں نے سوچا تھا کہ میں پاپا کو بتا دوں گی کہ میں صرف تم سے شادی کر سکتی ہوں۔ لیکن اس روز کے واقعے کے بعد یہ ممکن نہیں رہا۔"

"تم سمجھتی کیوں نہیں۔ میں تمہیں کسی بات پر روکتا ٹوکتا ہوں تو تمہاری اور اپنی.... دونوں کی بہتری کے لئے۔"

"نہیں سجاد' یہ بات نہیں۔" سیماب کے لہجے میں سنگینی تھی۔ "سچ یہ ہے کہ تم بیک ورڈ بھی ہو اور تنگ نظر بھی۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ میری روشن خیالی' بے باکی اور آزادی پر تم نے بدکرداری کا گمان کیا۔ اس بار میں نے جان لیا کہ محبت کے

باوجود تم میرا احترام نہیں کر سکتے۔ مجھے کبھی عزت نہیں ملے گی تم سے.... اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے کبھی تمہیں برا نہیں سمجھا۔ سمجھتا تو تم سے محبت کر سکتا تھا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تم نے شروع ہی سے مجھے آوارہ اور بدکردار سمجھا۔ مگر میں تمہیں شک کا فائدہ دیتی رہی۔ لیکن اس بار بات واضح ہو گئی۔"

سجاد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔ "سیماب' تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ ہر معاشرے کی اپنی روایات اور اقدار ہوتی ہیں۔ عزت اور شرافت کے کچھ معیار ہوتے ہیں۔ ان کا خیال نہ رکھے تو آدمی حقیر ہو جاتا ہے۔ میں تمہیں بہت بلند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں بس زندگی کے ایک ایک لمحے سے محظوظ ہونا چاہتی ہوں۔ اپنی مرضی کے مطابق جینا چاہتی ہوں۔ مجھے ایڈونچر پسند ہے۔ خطرات مجھے اپیل کرتے ہیں۔ میں روایت شکن ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد کی میری زندگی کا ہر لمحہ رومان سے بھرپور ہو۔ تم تو شادی سے پہلے بھی مجھ سے رومانس نہیں کر سکے۔ الٹا مجھے برا سمجھتے رہے۔"

"تم سمجھتی ہی نہیں کہ شادی ذمے داریوں کا نام ہے۔"

"میں عاطر سے بات کر چکی ہوں۔ وہ مجھے مکمل آزادی دے گا۔ وہ شادی کے بعد مجھ سے اور زیادہ محبت کرے گا۔"

"لیکن میں...."

"یہ بات بن نہیں سکتی سجاد۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ شادی کے بعد تم مجھے کس طرح رکھنا چاہو گے..... میرا کیا حشر کرنے کی کوشش کرو گے۔ اور میں ایسی ہوں نہیں کہ قیدیوں کی سی زندگی گزاروں۔ کوئی جبر مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ کہ خرابی ہو گی۔ میرا تو کچھ نہیں۔ لیکن تم زیادہ دکھی ہو گے۔ تو جو بعد میں ہونا ہے' وہ ابھی کر لیا جائے۔ تکلیف بھی کم ہو گی۔"

"تم بہت غلط فیصلہ کر رہی ہو۔"

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ لیکن میں تمہیں کبھی بھلا بھی نہیں سکوں گی۔ یہ وہ بات ہے جو میں نے عاطر سے بھی چھپائی ہے۔ ممکن ہے شادی کے بعد ہم تم زیادہ بہتر طور پر مل سکیں۔ اس وقت..... اس صورت میں تمہیں میری باغی فطرت بھی اچھی لگے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی "اب میں تمہیں یہاں لانے اور گھر لے جانے کی مشقت سے بھی آزاد کر رہی ہوں۔ خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

سجاد گنگ بیٹھا رہا۔ دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ خاصی دیر میں وہ پرسکون ہوا۔ اسے سیماب کی آخری بات یاد آئی۔ وہ حوصلہ افزا بھی تھی۔ سیماب نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ وہ عاطر سے شادی کے بعد اس سے مل سکتی ہے۔ یہ تصور خوش آئند تو تھا۔ لیکن سیماب کی یہ بات آپ اس کے اچھے کردار کی نفی کرتی تھی۔ آزادی اور بے راہ روی میں کوئی زیادہ فاصلہ تو نہیں ہوتا۔

یہ سوچ کر اسے صبر آ گیا۔ واقعی.... محبت کی مجبوری اپنی جگہ۔ لیکن وہ اس آزاد طبع اور بے راہ رو لڑکی کو بیوی بنانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

وہ اپنی سوچ کو وقتی اور دماغ کا بہلاوا سمجھتا تھا۔ لیکن چند روز گزرے تو....

سجاد نے اچانک گھڑی کی طرف دیکھا اور بری طرح چونکا۔ یادوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے اور وہ جانتا تھا کہ سیماب کو انتظار کرنا بالکل پسند نہیں۔

○

اب وہ کسی ٹین ایجر کی طرح بے قرار تھا۔ دل کی دھڑکنیں موسیقیت سے لبریز تھیں۔ وصل کی ساعت آ پہنچی تھی۔ ابھی اسے تیاری بھی کرنی تھی۔ اور پہلے ہی مرحلے میں وہ پانچ منٹ لیٹ ہو چکا تھا۔

وہ حرکت میں آ گیا۔ اس کے انداز میں عجلت تھی۔ وہ شیلف کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے ایک خفیہ بٹن دبایا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ شیلف اپنی جگہ سے کھسک آیا۔ اور شیلف کے نیچے سے ایک وارڈ روب نمودار ہو گئی۔ وہاں کپڑے بڑے سلیقے سے رکھے تھے۔ ایک طرف ٹائیاں تھیں۔ نچلے حصے میں جوتے اور جرابیں۔

اس نے جلدی جلدی لباس منتخب کیا اور اسے لے کر شیلف دوبارہ اپنی جگہ سرکائے بغیر باتھ روم میں چلا گیا۔ لباس تبدیل کر کے اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ اس کی عمر کم از کم پانچ برس کم لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا' سچ ہے' بے وفائی مرد کی عمر کم کر دیتی ہے اور اس کی خود اعتمادی میں اتنا ہی اضافہ کر دیتی ہے۔

کپڑے بدلنے کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ کر اس نے جوتے پہنے۔ پھر وہ وارڈ روب کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے ایک دراز کھولی۔ اس میں پرفیوم کی بے شمار شیشیاں تھیں۔ اس نے ایک پرفیوم منتخب کر کے اسپرے کیا۔ پرفیوم کی دھیمی' بھینی خوشبو کمرے میں پھیلنے لگی۔ اس نے بٹن دبایا۔ شیلف نے وارڈ روب کو چھپا لیا۔

ہر طرح سے تیار ہو کر اس نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ اس نے جیب سے پرس نکال کر چیک کیا۔ پرس میں تمام ضروری چیزیں موجود تھیں۔ سیماب سے ملنے جاتے ہوئے وہ اس پرس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ بھاری رقم ساتھ رکھنا بے حد ضروری تھا۔

وہ کمرے سے نکلا۔ بیرونی کمرے میں لوسی کوئی فائل دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ باس آج قیامت لگ رہا تھا۔

سجاد کو اس کی وہ مفتون ہو جانے والی نظریں بہت بری لگتی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ لوسی اسے پسند کرتی ہے اور اس کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ تو سیماب کا اسیر تھا۔ "میں جا رہا ہوں مس لوسی۔" اس نے کہا۔ "میری وائف کا فون آئے تو انہیں بتا دینا کہ میں ایک کام سے گیا ہوں۔"

اب کے لوسی کی آنکھوں میں اور طرح کی چمک ابھری۔ وہ چمک کہتی محسوس ہو رہی تھی.... میں سب کچھ جانتی ہوں۔ سجاد چڑ گیا۔ لوسی کی یہ نظریں اسے اور زیادہ بری لگتی تھیں۔ مگر وہ اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"او۔کے سر۔ وش یو آل دی بیسٹ" لوسی کا لہجہ بھی معنی خیز تھا۔

سجاد باہر نکل آیا۔ اسے احساس تھا کہ سر جھکائے کام میں مصروف دفتر کے تمام ملازم چپکے چپکے اسے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے آگے بڑھتے ہی وہ ایک دوسرے کو معنی

خیز نظروں سے دیکھیں گے اور اس کے باہر نکلنے کے بعد کھل کر تبصرے کریں گے مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ اس وقت اسے سیماب کے سوا کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

○

اس ڈر سے کہ لیٹ نہ ہو جائے' اس نے گاڑی معمول سے زیادہ رفتار سے چلائی۔ وہ سبحانی چوک پہنچا تو ایک بجنے میں تین منٹ کم تھے۔ سیماب کبھی وقت سے پہلے نہیں آتی تھی۔ پھر بھی اس نے اس کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں لیکن وہ نہیں آئی تھی۔ اس نے گاڑی ایک طرف پارک کی اور گاڑی میں بیٹھے بیٹھے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت چوک میں کافی چہل پہل تھی۔ بس اسٹاپ پر اسکول اور کالج کے طلبہ اور طالبات کا خاصا ہجوم تھا۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

ذرا دیر بعد اس نے گھڑی دیکھی۔ ایک بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ سیماب لیٹ کبھی نہیں ہوتی تھی۔ اور آج کے بلانے پر اس نے پہلے منع کیا تھا۔ کیا پتا' کسی مجبوری نے آنے سے روک لیا ہو اسے۔ یہ سوچ کر وہ مایوس ہونے لگا۔ اگر سیماب نہ آئی تو وہ کیا کرے گا۔ بڑی کوفت ہو گی۔

اسی وقت ذرا فاصلے پر ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ سیماب نے اتر کر ٹیکسی ڈرائیور کو ادائیگی کی پھر وہ اس کی گاڑی کی طرف چلی آئی۔ سجاد نے اگلا دروازہ کھولا اور وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ سجاد نے ادھر ادھر دیکھا۔ بس اسٹاپ پر موجود لوگ اب ان کی طرف متوجہ تھے۔ وہ بڑی دلچسپی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ کچھ اوباش قسم کے لڑکوں کی نگاہیں تو باقاعدہ گندگی اچھال رہی تھیں۔ لیکن سجاد کے خیال میں وہ حق بہ جانب تھے۔ ایک خوب صورت لڑکی کا ٹیکسی میں بیٹھ کر آنا اور ٹیکسی سے اترتے ہی ایک کار میں بیٹھ جانا.... اس بات کے دو معنی تو ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ لوگ غلط تو نہیں سوچ رہے تھے۔

یہ بھی سیماب کی ضد تھی کہ وہ اسے سبحانی چوک سے پک کر لے۔ ورنہ وہ اسے اس کے گھر سے بھی پک کر سکتا تھا۔ اور وہ خود ٹیکسی میں براہ راست ہوٹل بھی پہنچ سکتی تھی۔ لیکن ایکسائٹ منٹ اور تھرل تو اس کی کمزوری تھی۔ اس چوک پر لوگوں کی نگاہوں کا سامنا کرنا بھی تو سنسنی خیز تھا۔

ہمیشہ کی طرح لوگوں کی نظریں دیکھ کر اس روز بھی خفت اور شرم سے سجاد کی کنپٹیاں گرم ہو گئیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

سیماب اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ "تم اب بھی ویسے ہی ہو۔" اس نے کہا۔

"فطرت کبھی نہیں بدلتی۔"

"تو پھر بلاتے کیوں ہو مجھے؟"

"محبت سے بڑی مجبوری نہیں ہوتی۔"

وہ چڑ گئی "تمہیں لوگوں کی اتنی پروا کیوں ہے؟"

"معاشرتی جانور جو ٹھہرا۔" سجاد نے کہا پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ "اور پرواہ بھی کرتی ہو ورنہ چھپ کر کیوں ملتیں مجھ سے۔ کھلے عام بھی مل سکتی تھیں۔ ڈر والی تو تم کسی سے ہو نہیں۔"

سیماب جھینپ سی گئی۔ "چھپ کر ملنے کا لطف ہی اور ہے۔" اس نے کہا پھر کچھ سوچ کر گلابی ہو گئی۔ "کہاں چلیں گے؟"

"نگار ہوٹل۔" سجاد بولا۔ "میں نے فون پر کمرا ریزرو کرا لیا ہے۔"

سیماب کے رخساروں کی رنگت اور گہری ہو گئی۔ "اب تو ہوٹلوں کے بارے میں تمہاری معلومات بہت بڑھ گئی ہیں۔" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"تمہاری محبت کا کرم ہے۔ اس کے لئے گوشہ محبت تو تلاش کرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر تمہاری شرط کہ فائیو یا فور اسٹار ہوٹل نہ ہو۔"

"فائیو اور فور اسٹار کے تحفظ میں تھرل تو نہیں ہو سکتا نا۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔ مگر تمہارا تھرل مجھے خوف زدہ کر دیتا ہے۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ تمہارا ڈر نکل چکا ہے۔"

"نکلے نہیں تو ڈر اندر کہیں بہت گہرائی میں بیٹھ جاتا ہے۔ لو، ہم پہنچ گئے۔" سجاد کی آواز سنسنانے لگی۔ اس نے گاڑی نگار ہوٹل کے گیٹ سے گزاری اور پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ اب اسے دربان سے لے کر ہوٹل کے دوسرے اسٹاف کی

نظروں کا سامنا کرنا تھا۔

○

اب وہ تھے اور ہوٹل کے کمرے کی حسین تنہائی۔ ان کے انداز میں کئی دنوں کے پیاسوں کی سی بے تابی تھی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ ٹوٹ کر ملتے تھے۔ اور پیاس پھر بھی نہیں بجھتی تھی۔ وہ تو بعد میں ایک دوسرے میں یوں گم ہوتے کہ جدا ہونے کو جی ہی نہیں چاہتا۔

اس وقت بھی وہی کیفیت تھی۔ صحرا سیراب ہو کر بھی پیاسے کے پیاسے تھے۔ "ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ بتاؤ گے؟" اچانک سیماب نے پوچھا۔

"تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ بولتا ہی نہیں ہوں۔"

"مجھ سے تعلق ہے تو جھوٹ بولنے سے بچ ہی نہیں سکتے۔" وہ کھل کھلا کر ہنسی۔

"وہ تو دوسروں سے بولنا پڑتا ہے۔ تم سے تو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پوچھو تو۔"

"تم خوش تو ہو؟"

"دیکھ نہیں رہی ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔" اس نے والہانہ انداز میں سیماب کو چھوا۔

سیماب کسمسائی۔ "میرا یہ مطلب نہیں۔ میں تمہاری ازدواجی زندگی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔ تم اس سے پوری طرح مطمئن ہو۔"

سجاد کو اس کے لہجے میں فکر مندی محسوس ہوئی۔ اس نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی فکر مندی کا تاثر تھا۔ "میں اپنی ازدواجی زندگی سے پوری طرح مطمئن ہوں سیماب.... میں اتنا خوش و خرم کبھی نہیں رہا۔"

"یہاں آنا، مجھ سے ملنا، یہ مطمئن ہونے کا ثبوت تو نہیں۔ اس سے تو تمہارے بیان کی تردید ہوتی ہے۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا مگر فوراً ہی مطمئن ہو گیا۔ وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی فکر مندی کا تاثر تھا۔ "تم میری ازدواجی زندگی کے عدم اطمینان کی علامت نہیں ہو سیماب۔ تم تو میری مجبوری ہو۔ وہ واحد سمجھوتا ہو، جو میں

نے کیا ہے۔ اور یہ ناگزیر تھا۔ یقین کرو' میری زندگی میں طمانیت ہی طمانیت ہے۔"

"تمہاری بیوی کیسی ہے؟"

"قدسیہ بہت اچھی بیوی' بہت ہی اچھی ماں ہے۔ وہ مثالی عورت ثابت ہوئی ہے۔ میں اس کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ اس کا کہا ٹال ہی نہیں سکتا میں۔"

"مگر اس سے بے وفائی بھی کرتے ہو۔"

سجاد کچھ بدمزہ ہوا۔ گفتگو عجیب رخ پر جا رہی تھی۔ "اس بات کو درست تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرو۔ یہ قدسیہ سے بے وفائی نہیں' تم سے وفا نبھانا ہے۔ تمہاری محبت کا قرض چکانا ہے۔ تمہارا تعلق قدسیہ سے بہت پہلے کا ہے۔ کچھ چیزیں کبھی ختم نہیں ہوتیں.... ختم کی ہی نہیں جا سکتیں۔"

"عجیب منطق ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتی۔ قدسیہ کو سمجھاؤ گے تو وہ بھی نہیں سمجھے گی۔" سیماب نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"تو میں سمجھانے کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔" سجاد نے جھنجلا کر کہا۔ "ان رنگین لمحوں میں یہ کیا لے بیٹھیں تم۔"

"حقائق پر بھی غور کرتے رہنا چاہئے۔"

"اچھا.... تو اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بتاؤ۔ تم اپنے شوہر سے خوش ہو۔"

"بالکل ہوں۔" سیماب نے بلا جھجک کہا۔

"تو پھر یہ....؟"

"یہ میری مجبوری ہے۔ میں ہمیشہ سے دوہری شخصیت والی ہوں۔ اور میری دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک دلیر ہے' دوسری ڈرپوک۔ ایک بے باک ہے تو دوسری شرمیلی۔ ایک باغی ہے تو دوسری مفاہمت پسند...."

"میں تم سے تمہاری ازدواجی زندگی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" سجاد نے اس کی بات کاٹ دی "تم نے یہ نفسیات کا باب شروع کر دیا۔"

"وہی بتا رہی ہوں۔ بات تو پوری ہونے دو۔" سیماب نے تحمل سے کہا۔ "میری دہری شخصیت میں ایک بیوی ہے تو دوسری محبوبہ۔ عاطر کی ازدواجی زندگی دیکھ کر میں کہہ سکتی ہوں کہ جو ہوا' اچھا ہی ہوا۔ میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ مجھے ان سے بہت

خوشی ملتی ہے۔ وہ کبھی دکھ نہیں دیتے مجھے۔ اب یہ مجبوری ہے کہ وہ میرے اندر کی بیوی کو تو مکمل طمانیت دے سکتے ہیں۔ لیکن میرے اندر چھپی محبوبہ کی ان سے تسلی نہیں ہوتی۔ اب یہ تو میری نفسیاتی کمزوری ہے نا۔ ان کا کیا قصور اس میں۔ ویسے میری ازدواجی زندگی ہر اعتبار سے بہت خوشگوار ہے۔"

سجاد کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ چند لمحے بعد اس نے سر اٹھایا۔ "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم بہت اچھی بیوی ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے' تم اپنے بچوں کی بہت اچھی ماں ہو۔ میں جب بھی بلاؤں' تم کہتی ہو کہ بچوں کو چھوڑ کر آنا اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ سچ ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا مگر میں اچھی ماں ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ہاں' یہ کہہ سکتی ہوں کہ اگر میں اچھی ماں ہوں تو اس کا سبب تم ہو۔ تم سے مجھے جو سکون' طمانیت اور تشفی ملتی ہے' اس کے نتیجے میں مجھے اچھی ماں اور اچھی بیوی بننے کا حوصلہ ملتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب منطق ہے۔ بے وفائی تمہیں اچھی بیوی بننے کی تلقین کرتی ہے۔"

"ہاں۔ شاید میں بہت پیچیدہ نفسیاتی کیس ہوں۔" سیماب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو...." سجاد کہتے کہتے چونکا۔ باہر راہ داری کی طرف سے بھاری بوٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یا یہ اس کا وہم تھا۔ یہ آوازیں تو اسے ہمیشہ سنائی دیتی تھیں۔

"کیا ہوا؟ کیا بات؟" سیماب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔ وہم بہت کرتا ہوں میں۔" سجاد نے کہا لیکن وہ بہت زیادہ بے چین تھا۔ اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

مگر چند لمحے بعد اس نے کمرے کے دروازے کے کی ہول میں چابی ڈالے جانے کی واضح آواز سنی اور جان لیا کہ خطرہ سر پر آ پہنچا ہے۔ وہ اپنی جگہ جما رہ گیا۔ اس سے ہلا بھی نہیں گیا۔ یہاں تک کہ اس نے دروازے کا ہینڈل گھومتے دیکھا۔ "چھپا.... چھپا...." اس نے گھبرا کر بمشکل کہا۔

اس لفظ کے رد عمل کے طور پر سیماب کی آنکھوں میں خوف جھلکا۔ اسی لمحے

دروازہ دھڑ سے کھلا اور دو باوردی پولیس والے اندر گھس آئے۔ سیماب کی آنکھوں میں جھلکتا خوف' دہشت میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی چیخ نکلنے والی تھی لیکن اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سختی سے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ اس نے سجاد کی طرف دیکھا مگر وہ اور برے حال میں تھا۔ لگتا تھا' بے ہوش ہو جائے گا۔ سیماب کو اتنا ہوش بہرحال تھا کہ اس نے اپنے بے ترتیب لباس کو درست کیا اور تیزی سے اپنی چادر کی طرف لپکی۔

کہتے ہیں کہ جب مصیبت سر پر آ پڑے تو کمزور سے کمزور آدمی بھی اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ سجاد نے بھی حیرت انگیز تیزی سے خود کو سنبھالا اور دونوں پولیس والوں کو دیکھا۔ ان میں ایک سب انسپکٹر تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ "انسپکٹر.... اس طرح کمرے میں گھس آنا...." اس نے کمزور لہجے میں احتجاج کیا۔

"یو آر انڈر اریسٹ.... یو تھ آف یو۔" سب انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

"لیکن کس جرم میں....؟"

"جو کہنا ہے' تھانے چل کر کہئے گا۔" انسپکٹر سیماب کی طرف بڑھ رہا تھا اور کانسٹیبل سجاد کی طرف۔

سجاد نے سیماب کی طرف دیکھا اس کا چہرہ یوں زرد ہو رہا تھا' جیسے اس کے جسم سے خون کی آخری بوند بھی نچوڑ لی گئی ہے۔ آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی بات نہیں تھی' جس سے لگتا کہ وہ اس ایڈونچر سے محظوظ ہو رہی ہے۔ اسے دیکھ کر سجاد کا دل کٹنے لگا۔ اندر ہی اندر وہ لرز رہا تھا۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا' اگر اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتا تو وہ دونوں ہی کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہتے۔ اور بچوں پر کیا گزرتی.... سیماب کے بچوں پر۔ یہ تو عمر بھر نہ مٹنے والا داغ تھا۔

نجانے کہاں سے سجاد میں ہمت اور توانائی آ گئی۔ اسے کچھ کرنا تھا۔ بات کو آگے بڑھنے سے روکنا تھا اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ اس ملک میں چھپے ہوئے کاغذ کے پرزے ہمیشہ مشکل کشائی کرتی ہیں۔ عزت کے لئے تو آدمی ہر قیمت دے سکتا ہے۔

وہ تیزی سے اٹھا۔ "انسپکٹر پلیز...." اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ "آپ ذرا الگ آ کر میری بات تو سنیں۔"

سب انسپکٹر کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ "ضرور۔ آیئے۔"

راہداری میں سجاد نے اپنی جیب سے پرس نکالا تو سب انسپکٹر کی آنکھوں میں چمک اور بڑھ گئی۔

بات واقعی کچھ دشوار نہیں تھی۔ پانچ منٹ بعد سجاد سیماب کو لے کر لابی سے گزر رہا تھا۔ لیکن سیماب اپنی شخصیت کا سحر گنوا چکی تھی۔ وہ بہت ویران اور اجڑی اجڑی لگ رہی تھی۔ لابی میں اس وقت پریس کے کچھ فوٹوگرافر پکڑے جانے والے مردوں اور عورتوں کی تصویریں بنانے کا عذاب بھگت رہے تھے۔ عذاب اس لئے کہ عورتوں نے اپنے چہرے اپنے ہاتھوں سے چھپائے ہوئے تھے اور فوٹوگرافر بڑے تحمل سے ان کے ہاتھ ہٹنے کے منتظر تھے۔

وہ دونوں اس منظر سے نظریں چرا کر باہر آ گئے۔ ان کے جسموں کی لرزش دور سے بھی دکھائی دے سکتی تھی۔ خاص طور پر سیماب تو پوری جان سے کانپ رہی تھی۔

سجاد پارکنگ کی طرف چلا تو سیماب نے اسے روک لیا۔ "مجھے ٹیکسی میں بٹھا دو پلیز۔" اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

سجاد اسے لے کر ہوٹل کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ "بے کار پریشان ہو رہی ہو۔" اس نے دلاسا دینے کی کوشش کی۔ "دیکھو نا' کچھ بھی تو نہیں ہوا۔"

لیکن سیماب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سجاد نے گزرتی ہوئی خالی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

○

گاڑی میں بیٹھ کر دفتر آتے آتے سجاد میں اتنی بڑی تبدیلی آئی' جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہاں یہ کہ نہ صرف اس کا جسم' بلکہ وجود تک اندر سے اپنی بنیادوں میں لرز رہا تھا کہ وہ تجربہ تھا ہی اتنا بھیانک۔ اور کہاں یہ کہ وہ بتدریج پرسکون.... بلکہ.... پراعتماد ہو گیا تھا۔ اس تجربے کی خوفناکی کا نقش بہت تیزی سے ماند پڑتے پڑتے یکسر مٹ گیا۔ اپنا خوف اسے بے سبب اور مضحکہ خیز لگنے لگا۔ یہاں تک کہ اپنے دفتر میں لباس تبدیل کرتے ہوئے وہ اپنے خوف کو یاد کر کے ہنس دیا۔ آدمی کتنا احمق ہوتا ہے۔ خوف پالتا ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچتا سمجھتا نہیں ہے۔

لباس تبدیل کر کے وہ اپنی کرسی پر آ بیٹھا اور اسی بارے میں سوچنے لگا۔ تو یہ تھا وہ خوف جسے میں نے ہوا بنا رکھا تھا۔ اس نے سوچا۔ برسوں میں یہ خوف اپنے اندر پال رہا تھا۔ اور آج جب وہ حقیقت بن کر سامنے آیا تو کتنا چھوٹا اور بے وقعت لگا۔ بلکہ اب تو اس تجربے کو یاد کر کے اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ تھرل اور ایکسائٹ منٹ کا مفہوم تو اس کی سمجھ میں پہلی بار آیا تھا.... اور یہ اس تجربے کی عنایت تھی۔

اسے احساس ہوا کہ ایسا پر اعتماد وہ کبھی نہیں رہا' جیسا اس وقت ہے۔ اس پولیس انسپکٹر کو اس نے کتنی آسانی سے اور کتنی اچھی طرح ہینڈل کیا تھا۔ پہلی بار اسے پتہ چلا تھا کہ بہت پھیلا ہوا اور مزید پھیلتا ہوا منفعت بخش کاروبار' کسی بہت محبت سے پالے ہوئے دنبے جیسا موٹا تازہ بینک اکاؤنٹ اور جیب میں پھولا ہوا پرس معاشرے میں اعلیٰ پوزیشن کا غماز ہوتا ہے۔ اور جن کی معاشرے میں کوئی پوزیشن' مقام اور مرتبہ ہو' پولیس ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پولیس کا منہ اس سے بھی زیادہ آسانی سے بند کر سکتے ہیں۔ خود اس نے کتنی آسانی سے اس سب انسپکٹر کو بھگتایا تھا۔ خود اعتمادی تو بڑھنی ہی تھی۔

اس کا سارا ڈر اور خوف نکل گیا۔ اب وہ ایک بدلا ہوا آدمی تھا۔

چار بجے اس نے اپنے گھر کا نمبر ملایا۔ فون قدسیہ نے ریسیو کیا۔ "قدسیہ' میں ساڑھے پانچ بجے گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" قدسیہ کی پر سکون شیریں آواز سنائی دی۔

"تم بچوں سمیت تیار رہنا۔" وہ بولا۔

"کیوں بھئی۔ خیریت تو ہے؟"

"کب سے بچے کہیں باہر نہیں گئے۔ آج سند باد چلیں گے۔ پھر میں ایک بہت اچھے ریسٹورنٹ میں تمہیں ڈنر کراؤں گا۔"

"آج رہنے دیں۔ یہ پروگرام کل پر رکھیں۔"

"کیوں؟"

"آج میں کوفتے بنا رہی ہوں۔"

"رہنے دو۔ کوفتے کل پکا لینا۔ آج کا پروگرام اٹل ہے۔"

"لیکن...." قدسیہ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کچھ نہیں۔ تیار ملنا۔ یہ میرا حکم ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" ہمیشہ کی طرح قدسیہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس رات تفریح کر کے' کھانا کھا کے گھر واپس آئے تو بچے بہت تھکے ہوئے تھے۔ وہ جلدی سو گئے۔ تنہائی میں قدسیہ نے سجاد کے سینے پر سر رکھ دیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بہت محبت سے بولی۔ "آپ میرے اور بچوں کے لئے کتنے اچھے ہیں۔ کتنا خیال رکھتے ہیں.... کتنی محبت کرتے ہیں۔ میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔"

سجاد نے چونک کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ بیویاں شوہر سے بے خبر کبھی نہیں رہتیں۔ شوہر کے پاس سے بے وفائی کی بو انہیں فوراً آ جاتی ہے۔ اسی کو نسوانی وجدان کہتے ہیں۔ قدسیہ کی بات سن کر اسے شک ہوا کہ کہیں وہ اس پر طنز تو نہیں کر رہی ہے۔ لیکن قدسیہ کی آنکھوں میں محبت ہی محبت تھی۔

"تم بھی میرے لئے اللہ کا بہت بڑا تحفہ ہو۔" اس نے بے حد سچائی سے کہا۔ "ذرا قریب تو آؤ نا...."

یہ بھی کیسی عجیب بات تھی کہ بے وفائی ہمیشہ قدسیہ کو اس کے لئے بہت زیادہ کشش انگیز بنا دیتی تھی۔ ایسے میں اس کی قربت اسے یوں بھڑکاتی تھی کہ وہ شوہر سے عاشق بن جاتا تھا۔

صبح سجاد' راشد کو اسکول پہنچا کر واپس آیا تو قدسیہ بڑے انہماک سے اخبار دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ کیونکہ قدسیہ دو منٹ میں اخبار کی تمام شہ سرخیاں پڑھ کر اسے فارغ کر دیتی تھی۔ اور اس وقت اخبار پڑھتے ہوئے اس کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ اسے اس کی آمد کا بھی پتہ نہیں چلا۔

"کسی ایٹمی دھماکے کی خبر ہی' جو اتنی توجہ سے اخبار پڑھ رہی ہو۔" سجاد نے اسے

پکارا۔

"مجھے تو ایٹمی دھماکا ہی لگا ہے۔ آپ بھی پڑھ لیں۔"

سجاد ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔ ناشتا کرتے ہوئے اس نے قدسیہ کا بڑھایا ہوا اخبار دیکھا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی۔ وہ نگار ہوٹل پر پولیس کے چھاپے کی خبر تھی۔ پکڑے جانے والوں کی تصویریں بھی چھپی تھیں۔ اور خبر میں ان کے مع ولدیت نام بھی تھے۔

"اسے دھماکا کہہ رہی تھیں تم؟" اس نے قدسیہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ مجھے تو دھماکا ہی لگا۔ حیرت ہوئی کہ دنیا میں یہ کچھ بھی ہوتا ہے۔"

"یہ سب کچھ دنیا میں ہی ہو سکتا ہے۔ جنت یا دوزخ' حیات بعد الموت میں تو یہ ممکن نہیں۔" سجاد نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

قدسیہ اب بھی اچنبھے میں تھی۔ "ان میں شادی شدہ لوگ بھی ہوں گے۔"

"یہ شادی شدہ لوگوں ہی کے شوق ہیں۔"

قدسیہ نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ "آپ کو بھی ہیں ایسے شوق؟"

"بالکل ہیں۔ لیکن میں انہیں ڈھنگ سے.... سلیقے سے پورا کرتا ہوں۔ میں بہت محتاط رہتا ہوں۔"

قدسیہ ہنسنے لگی۔ "جھوٹ۔ شوقین ہوتے تو میرے سامنے اس سے انکار کرتے۔ بے وقوف بناتے ہیں مجھے۔"

"ہاں۔ تمہیں بے وقوف بناتا ہوں مگر کبھی کبھی۔ ہمیشہ نہیں۔" سجاد نے سنجیدگی سے کہا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا.... اب میں کپڑے بدل لوں۔"

کپڑے بدلتے ہوئے وہ گنگناتا رہا۔ نیند اسکی ہے جو اڑا لے جائے۔ رنگ اس کے ہیں جو چرا لے جائے....

○

لوسی سجاد کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں اپائنٹ منٹ ڈائری' نوٹس لینے والا پیڈ اور پنسل تھی۔ سجاد نے نرم لہجے میں کہا۔ "سٹ ڈاؤن مس لوسی۔"

"تھینک یو سر۔"

"میں یہ چاہتا ہوں مس لوسی...."

لوسی پہلے ہی تمام علامات دیکھ چکی تھی۔ باس مضطرب تھا اور جسمانی حرکات و سکنات سے نروس لگ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ پیپر ویٹ کو دونوں ہاتھوں سے گھمائے جا رہا تھا "یس سر۔" لوسی نے جلدی سے کہا۔ "میں آپ کے آج کے تمام اپائنٹ منٹ کینسل کر دیتی ہوں۔ ویسے کوئی خاص اور امپورٹنٹ اپائنٹ منٹ بھی نہیں۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"سوری سر۔ میں سمجھی کہ...."

"تم ٹھیک سمجھی ہو مس لوس۔" سجاد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آج کی تمام اپائنٹ منٹ کینسل کر دو۔"

"یس سر۔ اور سر' آج آپ ڈکٹیشن بھی نہیں دیں گے۔ ممکن ہے' مشین پر جواب ریکارڈ کر دیں۔ نہیں تو کل سہی۔"

"ایگزیکٹلی مس لوسی۔"

"اور سر' آپ کوئی کال بھی ریسیو نہیں کریں گے۔"

"کریکٹ۔ تم خطرناک حد تک سمجھ دار ہو گئی ہو مس لوسی۔" سجاد نے سرد لہجے میں کہا۔

"خطرناک؟ نو سر.... نیور۔ صرف سمجھ دار۔"

"او کے۔ تم جا سکتی ہو۔"

لوسی کے جانے کے بعد سجاد مضطربانہ انداز میں پیپر ویٹ سے کھیلتا رہا۔ بار بار اس کا ہاتھ ڈائریکٹ لائن والے ٹیلی فون کی طرف بڑھتا مگر وہ اسے واپس کھینچ لیتا۔ جلد بازی مناسب نہیں تھی۔ اس نے ایک فائل کھولی مگر اس وقت وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ رگ و پے میں ایسا ہیجان دوڑ رہا تھا' جو شدت کے اعتبار سے اس کے لئے نیا تھا۔ شاید یہ پچھلی بار کے تجربے کی عنایت تھی۔

وہ بار بار گھڑی دیکھتا رہا۔ وقت کی رفتار بیزار کن حد تک سست تھی۔ بڑی مشکل سے دس بجے۔ دس بجتے ہی اس نے ڈائریکٹ لائن والا ٹیلی فون اپنی طرف کھینچا' ریسیور اٹھایا اور وہ نمبر ڈائل کرنے لگا' جو اس کے دل پر نقش تھا۔ رابطہ ملنے پر اس نے

سکون کی سانس لی۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کی دل کی دھڑکنیں بے ر
ہونے لگیں۔

پھر دل کو قرار آ گیا۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو؟" جانی پہچانی
مترنم آواز سنائی دی لیکن آج اس میں ہمیشہ جیسی کھنک نہیں تھی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وہ دلکش سراپا لہرا گیا۔ پھولوں سے لدی ہوئی وہ نرم ا
نازک شاخ "سیماب!" اس نے چھلکتی ہوئی آواز میں پکارا۔ یہ نام وہ جب بھی پکارتا
نوک زباں پر ہر بار ایک نیا ذائقہ محسوس ہوتا۔ ہر بار سانسوں میں ایک نئی خوشبو
ہلکورے لینے لگتی۔ اور آج تو یہ سب کچھ اور سوا ہو گیا تھا... اسکے ہیجان سمیت۔ "
میں سجاد بول رہا ہوں۔" کچھ توقف کے بعد اس نے مزید کہا۔

"جیسے میں آپ کی آواز پہچانتی نہیں۔" بات وہی تھی، جو ہمیشہ وہ کہتی تھی۔ البتہ
لہجہ بدلا ہوا تھا اور تم کی جگہ آپ نے لے لی تھی۔

"آج آ رہی ہو نا؟" سجاد کے لہجے میں بے تابی تھی.... آرزو تھی۔

"نہ آج.... نہ آئندہ کبھی۔ اب میں آپ سے اس طرح کبھی نہیں ملوں گی۔"

"پچھلی بار جو ہوا، اس سے ڈر گئیں؟"

"جی ہاں۔ کیا نہیں ڈرنا چاہئے تھا۔"

"بھئی سچی بات ہے۔ میرا تو ڈر نکل گیا۔" سجاد نے کہا۔ "حالانکہ ڈرتا میں تھا۔ تم
تو ڈرتی ہی نہیں تھیں۔ تمہیں تو خطرات سے کھیلنے میں لطف آتا تھا۔ ایڈونچر کا کوئی
موقع تم ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ تمہیں کیا ہو گیا۔"

"بچوں کا خیال آ گیا۔" لائن پر سیماب کی لرزتی آواز ابھری۔ پھر اچانک وہ
سسکیاں بھرنے لگی۔ "سجاد.... اگر اس روز ہماری تصویریں چھپ جاتیں تو میں اپنے
بچوں کا سامنا کیسے کرتی۔ کیسے سمجھاتی انہیں۔ میں تو کہیں کی بھی نہیں رہتی۔"

"لیکن ایسا ہوا تو نہیں سیماب۔"

"ہم باز نہ آئے تو کسی دن ایسا بھی ہو جائے گا۔ لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے
دوں گی۔"

"تم بلا وجہ ڈر رہی ہو سیماب۔" سجاد جھنجلا گیا۔ "آج میں پہلی بار تمہیں یقین

دلا رہا ہوں کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ تم نے دیکھا نہیں، میں نے اس پولیکھیں چوپٹ ہو
منٹ میں رام کر لیا تھا۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا سیماب۔ اب تو مجھے اعتماد ہے کہ میں
اپنے آپ پر۔"

"مگر میری خاطر آپ کو بے اصولی بھی تو کرنی پڑی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ
رشوت کے کتنے خلاف ہیں۔ میری خاطر اس دن آپ کو یہ بھی کرنا پڑا۔"

"ارے نہیں۔ رشوت دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سجاد نے پرزور لہجے
میں کہا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ شاید سیماب کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ "پلیز....
جھوٹ نہ بولیں۔" بالآخر لائن پر اس کی آواز ابھری۔ "میں نے خود آپ کو جیب سے
پرس نکالتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے رشوت نہیں
دی۔"

"تو پھر؟"

سجاد مسکرایا۔ "بھئی ڈرپوک آدمی احتیاطی تدابیر تو پوری کرتا ہے نا۔ میرے پرس
میں میرا اور تمہارا شناختی کارڈ بھی تھا اور ہمارا نکاح نامہ بھی۔ وہ میں نے نکال کر انسپکٹر
کو دکھایا۔ وہ پھر بھی اڑا رہا۔ اس پر میں نے دھمکی دی اسے۔ میں نے کہا.... ٹھیک
ہے، تم ہمیں تھانے لے چلو۔ لیکن میرا وعدہ ہے کہ میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ
کروں گا تم پر.... اور ایک کروڑ روپے وصول کر کے رہوں گا۔ چاہو تو شرط لگا لو اس پر
اس پھر وہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔"

دوسری طرف سیماب نے ایک گہری سانس لی۔ لائن پر خاموشی چھا گئی۔ سجاد
تصور میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کتنی مطمئن ہے۔

"پھر کیا خیال ہے۔ آ رہی ہو نا؟"

"میں نے کہا نا، اب یہ سلسلہ ختم۔ آج اخبار میں تصویریں بھی دیکھی ہیں میں
نے.... اور خبر میں نام بھی پڑھے ہیں۔"

"پلیز سیماب۔ دیکھو، ہفتہ دس دن میں چند گھنٹے کا یہ ایڈونچر معمولات میں جکڑی

سکون کی سانس، ملن اتار دیتا ہے۔ میں عادی ہو گیا ہوں اس کا۔"

ہونے لگیں۔ ...ی سجاد۔ اب یہ ممکن نہیں۔"

"پلیز...."

"سوری اور آپ کو میری قسم' اب اس سلسلے میں اصرار نہ کیجئے گا۔"

"اچھا.... یہ آپ جناب کیا لگا رکھی ہے تم نے۔" سجاد نے اسے ڈانٹا۔ "اس وقت میں اپنی بیوی سے نہیں' محبوبہ سے بات کر رہا ہوں۔"

"اب وہ دونوں ایک ہو گئی ہیں۔" دوسری طرف سے قدسیہ سیماب نے شرمیلے لہجے میں کہا۔ "اچھا.... خدا حافظ۔"

ریسیور بے جان ہو گیا تھا۔ سجاد نے اسے کریڈل پر ڈال دیا اور کرسی کی پشت پر سر ٹکاتے ہوئے ٹانگیں پھیلا لیں۔ وہ اب بھی سیماب ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے تصور میں اس کی زندگی کے سب سے اہم دن کی تصویر ابھر آئی....

وہ مستقل اداس رہنے لگا تھا۔ لیکن بڑی بات یہ تھی کہ اسے صبر آ گیا تھا۔ اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ سیماب اس کی کیا' کسی کی بھی اچھی بیوی نہیں بن سکتی۔ اس میں یہ خو تھی ہی نہیں اور عمر بھر کے روگ سے چند دن کا سوگ کہیں بہتر ہے۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ دنوں.... یا زیادہ سے زیادہ مہینوں میں وہ سیماب کو.... ان تمام باتوں کو بھول جائے گا۔ بس ہلکی سی ایک کسک رہ جائے گی۔ وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔

سیماب سے آخری بار بات ہوئے دو ہفتے ہونے والے تھے۔ اس دن کے بعد سے وہ سیماب کو پک کرنے کے لئے اس کے گھر بھی نہیں گیا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ اسے دھتکار دے گی اور سیماب یونیورسٹی میں بھی اس کے قریب نہیں آتی تھی۔ اسے تجسس تھا کہ سیماب کس کے ساتھ آتی اور جاتی ہے۔ لیکن اس نے کبھی سیماب کو کسی اور کی موٹر سائیکل پر یا گاڑی میں جاتے نہیں دیکھا۔ ایک دن اس نے چیک کیا تو پتا چلا کہ وہ پوائنٹ کی بس سے آتی جاتی ہے۔ نجانے کیوں' اسے یہ بات اچھی لگی۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ اس روز اسے دیر تک سونا تھا لیکن کسی نے جھنجوڑ جھنجوڑ کر اسے اٹھا دیا۔ یہ الگ بات کہ اس سے ٹھیک طور پر آنکھیں بھی نہیں کھولی جا رہی

تھیں مگر ادھ کھلی آنکھوں سے اسے سیماب کا چہرہ نظر آیا تو اس کی آنکھیں چوپٹ ہو گئیں۔ پوری طرح سے کھلی ہوئی آنکھوں سے بھی سیماب نظر آئی تو وہ آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگا۔

"تم خواب نہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ میں ہی ہوں۔" سیماب کے لہجے میں سوگواری تھی۔

اس کے لہجے نے اسے غور سے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ حیران رہ گیا۔ اس نے سیماب کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت اجڑی اجڑی لگ رہی تھی.... اور کمزور بھی۔ اس کی متورم آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی ہے۔ یا پھر اٹھنے کے بعد دیر تک روتی رہی ہے۔

"کیا بات ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟" سجاد نے گھبرا کر پوچھا۔

سیماب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس سے بولا نہیں گیا۔ بس اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہوا کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بس مجھے پتا چل گیا کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

سجاد کا ذہن پوری طرح جاگا نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ "اس لئے تم نے یہ حال بنا لیا۔"

"یہ تو خود بخود ہو گیا۔"

"لیکن عاطر....؟"

"رشتہ آیا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ میں نے پاپا سے کہہ دیا کہ میں تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"پھر؟"

"پاپا نے کہا.... جو تم چاہو گی' وہی ہو گا۔"

"تو پھر یہ حال کیوں ہے تمہارا۔ تمہیں پریشانی کیا ہے؟" سجاد جھنجلا گیا۔

"پریشانی یہ ہے کہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔" سیماب نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سجاد نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم میرے قاتل نہیں ہو۔"

"شاید میں نارمل نہیں ہوں.... ہے نا؟" سیماب نے اسے تائید طلب نظروں سے دیکھا۔ "میں بہت مشکل لڑکی ہوں۔ اور تم بہت اچھے..... بہت سیدھے ہو۔"

"محبت ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔" سجاد نے کہا۔

"لیکن میرے اندر کی آزاد' بے باک اور باغی سیماب کا تم کیا کرو گے؟"

"اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم شادی کے بعد زندگی کیسے گزارنا چاہتی ہو۔ اپنے شوہر سے کیا توقع رکھتی ہو۔"

سیماب کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ وہ گھر میں مطلق العنان' مگر محبت کرنے والا مہربان شوہر بن کر رہے۔ اور میں خدمت گزار بیوی بنوں۔ اس کی ہر بات مانوں' اس کا گھر سنواروں' سجاؤں۔ وہ ایک مکمل مرد ہو..... اپنی بات منوانے والا۔ مگر..." وہ کہتے کہتے رکی۔ "اب جو میں کہوں گی' اسے سن کر تم خفا ہو جاؤ گے مجھ سے۔"

"نہیں ہوں گا۔ میں بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ تمہارے مرض کو بھی سمجھتا ہوں۔ اس کے لئے دوا سوچنے کی کوشش بھی کروں گا۔ تم کھل کر بتاؤ..... صاف اور واضح۔"

سیماب ہچکچائی۔ چند لمحوں بعد اس نے کہا۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد وہ گھر سے باہر چھپ چھپ کر مجھ سے ملے..... محبت کرنے والوں کی طرح..... وہ مجھے گھٹیا ہوٹلوں میں لے کر جائے۔ مجھ سے اور طرح کی محبت کرے..... شوہر کی محبت سے مختلف۔ ہم یوں ساتھ گھومیں' جیسے آوارگی کر رہے ہوں۔"

سجاد سوچتا رہا پھر اس نے سر اٹھایا۔ "شادی سے پہلے تو یہ کام بے شک حلال ہے لیکن شادی کے بعد ایسا دشوار بھی نہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"دیکھو نا..... شادی تو بہت بڑی مضبوطی ہوتی ہے۔"

اس کی بات سے سیماب کا حوصلہ بڑھا۔ "ابھی تم نے کہا تھا کہ محبت ہر مشکل کو

آسان کر دیتی ہے۔ یہ سچ ہے۔ تم جان ہی نہیں سکتے' سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اس محبت کے زور پر میں بھی قسم کھاتی ہوں کہ اپنے اندر کی آزاد' بے باک اور باغی سیماب کو بے لگام نہیں ہونے دوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہیں مثالی بیوی بن کر دکھاؤں گی۔ اطاعت شعار' خدمت گزار بیوی۔ لیکن میں اپنے اندر کی دوسری شخصیت کو بالکل ختم نہیں کر سکتی۔"

"یہ سب تمہارے نام کا قصور ہے سیماب۔" سجاد نے کہا۔ "سیماب ہو تو قرار اور ٹھہراؤ کہاں۔ سکون کہاں۔"

سیماب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میرا ایک نام اور بھی ہے۔"

"ایک اور نام!" سجاد نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ دادی نے عقیقے کے موقع پر میرا نام قدسیہ رکھا تھا۔ پاپا کو سیماب پسند تھا۔ سیماب سب کی زبان پر چڑھ گیا لیکن اسکول' کالج میں میرا نام قدسیہ سیماب ہی لکھوایا گیا۔"

"بہت پیارا نام ہے..... قدسیہ۔" سجاد نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟"

"پاکیزہ۔"

"تمہیں اچھا لگا؟"

"بہت زیادہ۔"

"بس تو میں اپنے نام سے سیماب خارج کر دوں گی اور صرف قدسیہ بن کر رہوں گی۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ تم اپنی اس سیماب شخصیت کو ختم نہیں کر سکتیں تو نام کو ختم کرنے کا فائدہ۔"

"تو پھر کیا کروں؟"

"میں نے کہا نا کہ محبت ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔" سجاد کی آنکھیں چمکنے لگیں "قدسیہ میری بیوی بن کر میرے گھر میں رہے گی۔ اور سیماب سے میں محبت کروں گا۔ گھر سے باہر چھپ چھپ کر ملوں گا۔ اسے آزادی کا احساس دلاتا رہوں گا۔"

"تم.... تم ایسا کر سکتے ہو؟"

"ہر روز تو نہیں۔ ہفتے میں ایک بار تو کر ہی سکتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ گھر میں تم صرف قدسیہ ہو گی.... میری بیوی.... قدسیہ سجاد۔"

"خدا کی قسم' میں ہمیشہ تمہاری احسان مند رہوں گی۔ تمہیں کبھی شکایت نہیں ہو گی مجھ سے۔"

اسی وقت سجاد کی نظر گھڑی پر پڑی۔ اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ سوا آٹھ بجے تھے "ارے.... تم نے اتنی جلدی جگا دیا مجھے۔ یہ تو ظلم ہے۔"

"لیکن...."

"کچھ نہیں۔ بس اب تم جاؤ مجھے چین سے سونے دو۔ شام کو امی اور ابو تمہارے گھر آئیں گے.... میرے لئے تمہیں مانگنے۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاؤ سویٹ آف یو۔" وہ دیوانہ وار اس سے لپٹ گئی۔

○

سجاد نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے دس بجے تھے۔ ابھی اسے ڈھائی گھنٹے اور.... وہ چونکا۔ اسے خیال ہی نہیں رہا کہ اب انتظار کی ضرورت نہیں۔ اس کا اہم ترین اور من پسند اپائنٹ منٹ کینسل ہو چکا ہے۔ سیماب اس سے ملنے کبھی نہیں آئے گی۔

وہ پھر سوچوں میں کھو گیا۔

یہ حقیقت تھی کہ قدسیہ نے مثالی بیوی بن کر دکھایا۔ اس نے گھر کو جنت بنا دیا۔ اس نے گھر میں بچوں کو بھی کبھی وہ کچھ نہیں کرنے دیا' جو اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ بہت اطاعت شعار اور ذمے دار بیوی ثابت ہوئی۔ گھر میں اس کا حکم چلتا تھا۔ قدسیہ نے کبھی اس سے بحث نہیں کی.... اختلاف نہیں کیا۔ وہ ایسی مشرقی بیوی بن کر رہی' جو مشرق میں بھی کم ہی ہوتی ہیں۔

اور سیماب! سیماب نے بھی اسے ہمیشہ خوشی اور طمانیت دی۔ اس کے اعصاب کو پرسکون کیا۔ اس کی تھکن دھو ڈالی۔ اس سے مل کر ہر بار وہ زندگی کی دوڑ میں پھر سے حصہ لینے کے لئے تازہ دم ہو جاتا تھا۔

گویا قدسیہ اور سیماب دونوں نے اس پر احسانات کئے۔ اور وہ یہ سمجھتا رہا کہ سیماب پر احسان کر رہا ہے۔ اب وہ سیماب سے محروم ہوا ہے تو پتہ چلا ہے کہ.... وہ سوچتے سوچتے چونکا۔ "محرومی کیسی۔ یہ تو نجات کہلائے گی۔ میں تو ڈرتا تھا اس علت سے۔ لیکن مجبور تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

اس پر اس کے اندر کوئی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ 'کسی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاتے ہو۔ شوق تو یہ تمہارا بھی تھا' اندر سے کوئی بولا۔

'نہیں۔ یہ تو بس ایک سمجھوتا تھا'

'ابتدا میں سمجھوتا ہو گا مگر بعد میں شوق بن گیا۔ ایسا نہ ہوتا تو محرومی کا احساس کیوں ہوتا۔'

سجاد نے خود کو ٹٹولا۔ وہ آگہی کا لمحہ تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ طبعاً" وہ بزدل بھی ہے اور شرمیلا بھی۔ یہ درست ہے کہ سیماب نے اسے راستہ دکھایا۔ لیکن اس کے بعد اس نے ہمیشہ اس ملاقات اور سیماب کی قربت سے لطف اٹھایا۔ اسی لئے اب محرومی کا احساس ہو رہا ہے۔

اس نے خود کو مزید ٹٹولا.... اور بہت کچھ جان لیا۔ وہ بہت محتاط طبیعت کا مالک تھا۔ یہ سب کچھ اس طرح نہ کرتا۔ اس کا اپنا انداز اور ہوتا۔ وہ کوئی رسک نہ لیتا۔ اور وہ شرمیلا تھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ لوگوں کی گندگی اچھالتی نگاہوں سے بچتا۔ وہ یہی سب کچھ عزت سے کرتا۔

مگر کیسے؟ یہ ایک بہت بڑا اور اہم سوال تھا۔

اور اس کا جواب اس کے تصور نے اسے دکھا دیا۔ وہ اس تصور میں کھو گیا' جو حقیقت کا روپ کبھی نہیں دھار سکتا تھا۔

اس نے تصور میں خود کو اسی دفتر میں بیٹھے دیکھا۔ وہ سیماب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگلے روز سیماب سے ملنا ہے مگر اسے سب کچھ خود ہی ارینج کرنا تھا۔ سیماب کا اس پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔

سبحانی چوک کا تصور کرتے ہوئے اس پر ہول چڑھنے لگا۔ سیماب کو وہاں سے پک کرنا اچھا خاصا تماشا تھا.... نہیں.... خود کو تماشا بنانے کے مترادف تھا۔ جو بھی وہاں انہیں

دیکھے گا' یہی سمجھے گا کہ ایک عیاش آدمی کسی خراب عورت کو اپنی مطلب برآری کے لئے لئے جا رہا ہے۔ کیسی خراب بات ہے۔ جبکہ اس کی ضرورت نہیں۔

پھر ملنے کے لئے ایسے کسی ہوٹل کا رخ کرنا' جو اس معاملے میں بدنام ہو' بہت بڑی حماقت تھی۔ تھرل اور ایکسائٹ منٹ تو چھپ کر ملنے میں ہے' نہ کہ رسوائی کا خطرہ مول لینے میں۔ فائیو اسٹار ہوٹل مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں۔ وہاں ملنے میں ایکسائٹ منٹ' تھرل اور انجوائے منٹ سبھی کچھ ہو گا۔ کیونکہ بے عزتی اور رسوائی کا خطرہ نہیں ہو گا۔ جہاں یہ خطرہ ہو' وہاں کم از کم اس کا ایکسائٹ منٹ تو کم ہو جائے گا۔

اس نے تصور میں شیرٹن ہوٹل کا نمبر ملایا۔ "مجھے ایک کمرا چاہئے۔" اس نے اپنے کریڈٹ کارڈ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

"یور آر ویل کم سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "آپ کب تشریف لائیں گے؟"

"پانچ بجے۔"

"آپ کا نام۔"

"سجاد حمید۔" اس نے بلا جھجک جواب دیا۔

"آپ کے لئے روم نمبر 715 ریزرو کیا جا رہا ہے۔ جب تشریف لائیں' ریسپشن سے چابی لے لیں۔ تھینک یو۔"

اگلے مرحلے میں اس نے گھر فون کیا۔ "قدسیہ.... آج مجھے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ مائنڈ تو نہیں کرو گی۔"

"نہیں۔ مگر یہ بتائیں کہ کب تک آئیں گے؟"

"زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک۔ کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے سجاد۔"

اس کے بعد وہ پانچ بجے دفتر سے اٹھا۔ شیرٹن پہنچنے میں پانچ منٹ لگے۔ ریسپشن سے اسے چابی مل گئی۔ اس کے پاس صرف ایک بریف کیس تھا' جس میں چلتے وقت اس نے دفتر کی وارڈ روب سے دو جوڑے کپڑے نکال کر رکھ لئے تھے۔

پورٹر اس کا بریف کیس لئے اس کو کمرے تک پہنچانے آیا۔ اس نے اسے معقول

ٹپ دی۔ کمرے میں نہا دھو کر فریش ہونے کے بعد اس نے روم سروس کو فون کر کے کافی طلب کی۔ ویٹر کو بھی اس نے گڈی ٹپ سے نوازا۔

سات بجے وہ ہوٹل سے نکل آیا۔ یہ جو دو گھنٹے اس نے وہاں گزارے تھے' وہ اضافی احتیاط تھی۔ ورنہ وہ اگلے روز سیماب کو لے کر آتا اور کمرا لیتا تو بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ بس یہ ہو سکتا تھا کہ اس کے اور سیماب کے بارے میں خراب تاثر مرتب ہوتا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ بڑے ہوٹلوں میں کسٹمر صرف معزز کسٹمر ہوتا ہے' کچھ اور نہیں۔ لیکن وہ ایک ایسی ویسی نظر کا خطرہ بھی مول نہیں لے رہا تھا۔

پھر تصور میں اگلا دن آ گیا۔ اپائنٹ منٹ کینسل کرنے کا مسئلہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے ایک ہفتے پہلے اس دن کے بارے میں فیصلہ کیا تھا۔ لہٰذا سکریٹری کو بتا دیا تھا کہ اس دن کے لئے کوئی اپائنٹ منٹ نہ دے۔" اس من ڈے کو میری ایک پارٹی سے میٹنگ طے ہے۔" اس نے سکریٹری سے کہا۔ "ساڑھے بارہ بجے سے ساڑھے چار بجے تک میں دفتر میں نہیں ہوں گا۔"

اس احتیاط کے نتیجے میں دفتر کے لوگوں کی معنی خیز نظروں' مسکراہٹوں اور فقروں کا اس نے گلا گھونٹ دیا۔ دوسرے اسے دفتر سے تیار ہو کر بھی نہیں جانا تھا کہ دفتر کے لوگوں کو شبہ ہوتا۔ بریف کیس میں کپڑے لے جا کر وہ ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ اب اسے اسی لباس میں پارٹی سے میٹنگ کے لئے نکل جانا تھا۔

اس نے سیماب کو فون کیا۔ ملاقات کا وقت طے کرنے کے بعد اس نے سیماب سے کہا "شیرٹن کے کمرا نمبر 715 میں آ جانا۔"

وہ ساڑھے بارہ بجے ہوٹل کے لئے نکل لیا۔ وہاں اس نے کپڑے بدلے اور سیماب کا انتظار کرنے لگا۔ ایک بجے سیماب آ گئی۔ چار بجے سیماب رخصت ہوئی۔ سوا چار بجے اس نے چیک آؤٹ کیا۔ ساڑھے چار بجے وہ دفتر پہنچ گیا۔

اس پورے معاملے میں کہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہ تھا ایک عزت دار آدمی کا رویہ۔

تصور کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ واقعی.... یہ تو بالکل محفوظ طریق کار ہے۔ اس نے خوش ہو کر سوچا۔ کاش میں نے سیماب سے اس پر اصرار کیا ہوتا۔ بلا ارادہ اس کی نظر گھڑی

کی طرف اٹھی۔ پونے گیارہ بجے تھے۔ یعنی ابھی اسے مزید ڈیڑھ گھنٹا گزارنا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ عادتاً حساب لگا رہا ہے۔ ورنہ آج اسے کہیں نہیں جانا ہے۔

"وہ چوری چوری کی ملاقاتیں ختم میاں۔" اس نے خود سے کہا۔ "اب اپائنٹ منٹ تو کینسل ہو چکے مگر اپنی میز کا کام اور ڈاک تو نمٹاؤ۔"

اس نے ڈاک اپنی طرف کھینچی مگر اس سے پہلا خط بھی نہیں پڑھا گیا۔ ایک عجیب سی مایوسی اس کے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس کی کیفیت اس بچے کی سی تھی، جس کا من پسند کھلونا ٹوٹ گیا ہو۔

کام تو کیا ہونا تھا، اگلے پندرہ منٹوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ملاقات نہ ہوئی تو شاید اب وہ کبھی دفتر کے کام پر..... اپنے کاروبار پر..... دفتری معاملات پر پہلے جیسی توجہ نہیں کر سکے گا۔ اسے احساس ہو گیا کہ وہ ملاقات، وہ تھوڑی سی بے وفائی اس کے سسٹم کا حصہ بن چکی ہے۔ وہ اس کے وجود کی بیٹری کو چارج کرتی تھی۔ اس کی توانائیوں کو نیا کرنٹ فراہم کرتی تھی۔ وہ تازہ دم ہو جاتا تھا۔ اور اب اس سے محرومی پر جو پژمردگی اس پر طاری ہو رہی ہے، یہ ہر روز بڑھتی رہے گی اور وہ زندگی کے شعلے سے محروم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ خون کی گردش تیز کرنے والے ہیجان کی جگہ خون کو سرد کرنے والی مایوسی نے لے لی ہے۔

اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

○

لوسی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی اور بور ہو رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی کام ہی نہیں تھا۔ باس کے بلاوے والا بزر چلایا تو وہ حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ باس نے۔ "ڈونٹ ڈسٹرب" کا حکم سنانے کے بعد اسے طلب کیا تھا۔ بلکہ اسے تو یقین تھا کہ باس نے بے خیالی میں بزر دبایا ہے۔ چنانچہ وہ بیٹھی رہی۔

لیکن بزر دوبارہ چلایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے جلدی سے سینے پر انگلی سے صلیب کا نشان بنایا اور ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کر باس کے کمرے میں چلی گئی۔ باس کا چہرہ دیکھ کر اسے کچھ ہونے لگا۔ وہ مضطرب اور نروس نہیں، پریشان اور وحشت زدہ لگ رہا تھا۔

"آپ نے مجھے بلایا سر؟"

"تو میں اور کس لئے بزر دوں گا۔" باس نے جھنجلا کر کہا۔

"پر آپ نے کہا تھا، آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا ہے۔"

"بہت ضروری بات ہے مس لوسی۔ پلیز سٹ ڈاؤن۔"

"تھینک یو سر۔" لوسی بیٹھ گئی۔

"مس لوسی، "You are fired" باس نے کہا۔

لوسی کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ کوئی یونہی کسی وجہ کے بغیر کسی کو ملازمت سے نکال سکتا ہے۔

"I beg your pardon، sir"

"میں تمہیں ملازمت سے نکال رہا ہوں۔ تمہیں فوری طور پر دفتر چھوڑ دینا ہے۔ کل کسی وقت آ کر اکاؤنٹ سے حساب صاف کرا لینا۔"

لوسی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "لیکن سر، میرا قصور....."

"میں ابھی بتاتا ہوں۔ لیکن پلیز، تم رونا نہیں۔" باس نے گڑبڑا کر کہا۔ "دیکھو لوسی، تمہیں یاد ہے، تم نے کہا تھا، تمہیں کسی سے پیار ہو گیا ہے۔"

لوسی کی نم آنکھوں میں حیرت جھلکی۔ "لیکن سر، یہ سزا....."

"اور تم نے کہا تھا کہ تم اس کے لئے ہاف وائف بھی بن سکتی ہو۔"

"یس سر۔" لوسی نے اور زیادہ حیران ہو کر کہا۔ "لیکن اس کی اتنی بڑی سزا....."

"تم میری بات سنو۔" باس نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں سکریٹری کو ہاف وائف سمجھنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن سر....."

"اور مجھے ایک ہاف وائف کی ضرورت ہے۔"

"لیکن سر، میری جاب....."

"اب میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ ڈو یو لوی؟"

لوسی کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ "آف کورس سر۔"

"Then I accept it with gratitude."

"تھینک یو سر۔" لوسی نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "لیکن میری جاب...."

"میں تمہیں ایک اور جاب دے رہا ہوں تم نے کہا تھا کہ تم محبت کی خاطر ہاف وائف بن سکتی ہو۔"

"یس سر!"

"تو اب تمہاری دفتر سے چھٹی۔ تنخواہ میں ایک ہزار روپے کے اضافے کے ساتھ اب تم میری ہاف وائف ہو۔"

لوسی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یوں بیٹھے بٹھائے من کی مراد مل رہی تھی۔ اسے ڈر ہوا کہ باس کہیں اسے tease تو نہیں کر رہا ہے۔ "آر یو سیریس سر؟"

"آف کورس' آئی ایم۔ ورنہ ملازمت سے کیوں نکالتا تمہیں۔ اتنی اچھی سکریٹری کو کون کھونا چاہتا ہے۔"

لمحوں میں لوسی کا اعتماد کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ "تھینک یو فار دی کمپلیمنٹ۔ لیکن سر' مجھے کرنا کیا ہو گا۔"

"گھر بیٹھ کر ہر روز گیارہ بجے تک اسٹینڈ بائی رہنا ہو گا.... میری کال کا انتظار کرنا ہو گا۔ میں کال نہ دوں تو باقی دن کے لئے آزادی۔ کال کر دوں تو تمہیں میرے بتائے ہوئے وقت پر جہاں میں بلاؤں' وہاں پہنچنا ہو گا۔ میں کسی بھی فائیو اسٹار ہوٹل کا روم نمبر بتاؤں گا تمہیں۔ آ سکتی ہو نا؟"

"شیور سر۔" لوسی نے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن آج ایمرجنسی ہے۔ یہ بتاؤ' سبحانی چوک دیکھا ہے؟"

"یس سر۔"

"بس تو ایک بجے وہاں پہنچ جانا۔ میں تمہیں پک کر لوں گا۔ اب جاؤ۔ سوا گیارہ بج چکے ہیں۔"

"میں جاؤں سر؟" لوسی کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"میں جو کہہ رہا ہوں۔" باس نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور یاد رکھو' میں اپنی بات دہرانے کا قائل نہیں ہوں۔"

"یس سر۔"

"اور اس لمحے کے بعد مجھے سر کبھی نہ کہنا۔ میرا نام سجاد ہے۔"

"آل رائٹ بیج.... جاؤ۔ میں جاتی ہوں۔ ایک بجے.... او کے؟"

لوسی کے جاتے ہی سجاد نے انٹر کام پر رحمان صاحب کا نمبر ملایا۔ "میری بات غور سے سنیں رحمان صاحب۔" اس نے انٹر کام پر کہا۔ "میں نے لوسی کو ملازمت سے نکال دیا ہے۔ آج تو میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ کل سے مجھے سکریٹری کی ضرورت ہو گی.... فی الحال آپ دفتر کی لڑکیوں میں سے کسی کو بیج دیں۔ پھر نئی سکریٹری کے لئے اشتہار دے دیں۔"

"ٹھیک جناب۔"

انٹر کام رکھ کر اس نے سامنے رکھی فائل کھول لی۔ لیکن فائل کے کاغذات اور ان کے مندرجات اس کے لئے بے معنی تھے۔ اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے تصور میں لوسی کا چہرہ ابھر آیا۔

وہ حیران ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے بیوی کے سوا کسی کا تصور کیا تھا۔ دوسری حیرت اسے اس بات پر تھی کہ لوسی اتنی حسین ہے۔ وہ غیر جانب داری سے کہہ سکتا تھا کہ لوسی کا حسن زہد شکن ہے۔ اور لوسی کو اس کے پاس تین سال ہو گئے تھے۔ لوسی اس پر ملتفت بھی تھی۔ اشاروں اور اداؤں سے وہ یہ جتا بھی چکی تھی مگر اسے اس کی خوب صورتی کا اندازہ تک نہیں تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ لوسی کے دلکش سراپا کے تصور نے اس کے وجود میں ہیجان جگا دیا تھا۔ سنسنی موج در موج جسم کی دیواروں سے سر ٹکراتی پھر رہی تھی۔ اور اسے ابھی پچپن منٹ اور گزارنے تھے۔ کاش اس نے اسے بارہ بجے بلا لیا ہوتا۔ اس نے بے تابی سے سوچا۔

"یہ بھی اچھا ہے کہ آج کا دن ضائع ہونے سے بچ گیا۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر وہ اٹھ کر اس شیلف تک گیا' جس کے پیچھے اس کا وارڈ روب تھا۔ اس نے بٹن کو دبا کر شیلف سرکایا اور وارڈ روب کا جائزہ لینے لگا۔ آج تو اسے خصوصی اہتمام کرنا تھا۔ وہ پہلی پہلی ملاقات جو تھی۔

کپڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ گنگناتا رہا تھا.... چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی....

○ ○ ○

پروانہ

26 جنوری 98ء

پیاری سونیا جی

شاید آپ کو یاد ہو میں نے چند ہفتے پہلے آپ کو فلم "لاچار" کی عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد کا خط لکھا تھا۔ آپ کی نئی فلم "زبردست" کے پریمئر۔۔۔ کی خبر پڑھی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی یہ فلم بھی سپرہٹ ہو گی اس لئے کہ آپ جیسا باصلاحیت فلمی دنیا میں کوئی اور ہے ہی نہیں۔ آپ کے حسن و جمال کا تذکرہ اس لئے نہیں کر رہا ہوں کہ اس میں تو آپ کا کوئی ہم سر ہے ہی نہیں۔ آپ کی ایک جھلک دیکھ کر ہی مجھے کچھ ہونے لگتا ہے۔

آپ سے ایک التجا ہے اپنی ایک تازہ ترین تصویر اپنے آٹوگراف کے ساتھ بھجوا دیجئے۔ میرے پاس آپ کی ایسی تصویروں کا اچھا خاصا خزانہ موجود ہے۔ شکریہ۔

آپ کی شمع حسن کا سب سے بے تاب پروانہ۔

ساحر انجان

○

27 جنوری 98ء

ڈیئر سونیا

گزشتہ رات کی پارٹی کو میں نے اور شام نے بہت انجوائے کیا۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں مدعو کیا۔ ایک بات تم سے پوچھنی تھی۔ اس سال اپنی سالگرہ کے موقع پر تم ہماری طرف آ رہی ہو یا نہیں۔ اور تمہارے ساتھ کوئی مہمان بھی ہو گا؟ جواب جلد دینا۔

تمہاری نیلم راٹھور

○

یکم فروری 98ء

نیلم جی

میں سونیا کے کہنے پر آپ کے خط کا جواب دے رہی ہوں۔ سونیا جی کو افسوس ہے کہ وہ آپ کے ہاں نہیں آ سکیں گی۔ ویسے یہ بات میرے اور آپ کے بیچ ہے کہ اب سالگرہ کو بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ وقت بہت تیزی سے گزرتا ہے ہر سال عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اضافہ خواتین کیلئے عموماً" اور فلم اسٹارز کیلئے خاص طور پر تشویش کا باعث ہوتا ہے۔ سالگرہ نہ منائی جائے تو کم از کم عمر بڑھنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ آج کل سونیا جی کو عمر کی فکر ستا رہی ہے۔

لیکن بعد میں موقع ملنے پر چند روز کی چھٹیاں پونا میں گزارنا یقیناً فائدہ مند ہو گا۔ شام جی سے کہئے گا کہ میں اب بھی کیرم میں انہیں ہرا سکتی ہوں۔

روشن چاؤلہ نے سونیا کو خط لکھا تھا تو تم دونوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ ابھی روشن کی نئی فلم نے باکس آفس پر کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ شاید تمہارے علم میں ہو گا کہ روشن نے شادی کر لی ہے۔ اس شادی پر سونیا نے کسی خاص ردعمل کا ظاہرہ تو نہیں کیا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی روشن پر جان چھڑکتی ہے۔

تمہاری، سیما مودی

○

9 فروری 98ء

سونیا

کل میں پرانے کاغذات ٹٹول رہا تھا تو اچانک مجھے تمہارا اور اپنا میرج سرٹیفکیٹ مل گیا۔ میں نے سوچا کہ اس کی لیمینیشن کرا کے تمہیں بھجواؤں گا۔ سالگرہ کے تحفے کے طور پر' لیکن پھر مجھے اس پر تمہاری تاریخ پیدائش لکھی نظر آ گئی۔ میرا مطلب ہے سال پیدائش۔ سمجھ رہی ہو نا؟

چالیس کی دہائی میں داخلہ مبارک ہو میری جان! اس بار سالگرہ پر کوئی تماشا نہ کرنا۔ کم از کم زیادہ پینے کے بعد رقص بالکل نہ کرنا۔

میں یہاں کی شوٹنگ نمٹا کر مہینے کے آخر تک ممبئی پہنچوں گا۔ ارادہ ہے کہ سنگیتا کو لے کر تمہارے ہاں آؤں گا۔ تم یقیناً اسے پسند کرو گی۔ بہت پیاری لڑکی ہے وہ۔

خط کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔ شوٹنگ کا وقت آ پہنچا ہے۔ کام اتنا ہے کہ سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔

پرانی محبتوں کے ساتھ۔ تمہارا روشن چاؤلہ

○

12 فروری 98ء

روشن

تم بڑے ہی بے ایمان ہو۔ ابھی سے مجھے 40 سال کا بنائے دے رہے ہو اور بھئی عمر سے کیا ہوتا ہے۔ آدمی کی عمر وہ سمجھی جانی چاہیے جو اس کے جسم اور چہرے سے نظر آئے۔ میں جانتی ہوں کہ دیکھنے میں' میں تیس کی بھی نہیں لگتی مگر تم سے تو نہیں چھپایا جا سکتا کہ اس برتھ ڈے پر میں 34 کی ہو جاؤں گی اور میرج سرٹیفکیٹ جائے جہنم میں۔ ان دنوں میں سادہ لوح ہوتی تھی اور اپنی عمر زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ نادانی کا زمانہ تھا وہ۔

ویسے تم نے وہ سرٹیفکیٹ اب تک سنبھال کر کیوں رکھا ہوا ہے۔ اب تو ہماری علیحدگی کو بھی چار برس ہو گئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ میں اب بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔

کامنی سے ملاقات ہوئی تھی وہ تمہاری وائف سنگیتا کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔

بس وہ کہہ رہی تھی کہ لڑکی دیہاتی ماحول کی ہے اور گھبرائی گھبرائی رہتی ہے اور یہ کہ اس کی آنکھوں میں معمولی سا فرق ہے' انیس بیس کا۔ اب اسے بھینگا پن تو نہیں کہا جا سکتا نا۔ برا نہ ماننا اب میں اس سے جلوں گی تو۔۔۔ تم سے محبت جو کرتی ہوں۔

سنو روشن' اگر تم میرج سرٹیفکیٹ کو ضائع نہیں کر سکتے تو کم از کم میری پیدائش کے سال پر روشنائی ہی گرا دو۔۔۔۔ برسوں کے تعلق کی خاطر ہی سہی۔

وہی پرانی والی۔ سونیا کرن

○

17 فروری 98ء

جان سے پیاری سونیا جی

آپ کے جنم دن کو تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ تحفے تو آپ کو بہت قیمتی ملتے ہوں گے اور سینکڑوں ملتے ہوں گے۔ میں نے آج صبح دعا کی ہے کہ اس سال کے تمام ایوارڈ آپ ہی کو ملیں۔ آپ اتنی بڑی فنکارہ ہیں کہ میرا بس چلتا تو میں آپ کے جنم دن کو قومی دن قرار دلوا دیتا۔

بے حد عاجزی سے یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کی دستخط شدہ تصویر مجھے ابھی تک نہیں ملی۔ کچھ ڈاک کا نظام بھی ہمارے ہاں ایسا ہی ہے۔ میں نے تصویر کیلئے اپنے کمرے میں ایک خاص جگہ بنائی ہے۔ آپ تصویر بھجوا دیں تو میرا وہ دن یادگار ہو جائے۔

آپ کی شمع حسن کا پروانہ۔ ساحر انجان

○

سونیا جی

مسالا لگی ران اوون میں رکھ دی ہے۔ آپ اوون کو 250 پر لے آئیں اور بیس منٹ تک رہنے دیں۔ اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ پتا نہیں' آپ کو اوون آن کرنا بھی آتا ہے یا نہیں۔ خدا کرے یاد ہو۔ بھولے گا نہیں۔ ٹی وی شو کیلئے آپ کو لے جانے کیلئے گاڑی ساڑھے دس بجے آئے گی۔ اس لیے آج اپنی پارٹی ذرا جلدی ختم کر دیں اور آوازیں بھی نیچی رکھیں۔ پڑوسیوں کا خیال تو رکھنا پڑے گا اور سنئے میں کل گیارہ بجے سے پہلے نہیں آؤں گی۔ لہٰذا نو بجے کا الارم لگا لیجئے گا۔ آپ کی سالگرہ کا تحفہ بیڈ

کی دراز میں رکھا ہے۔ سیکرٹری کی طرف سے جنم دن مبارک۔

آپ کی سیما

○

سونیا جی

ہمیں آپ کے پڑوسیوں کی طرف سے مسلسل شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ آدھی رات کے بعد سے صبح تک آپ کے اپارٹمنٹ سے شوروغل کی آوازیں آتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ جیسے اسٹارز کی یہ مجبوری ہوتی ہے لیکن پھر بھی آپ کو اپنے پڑوسیوں کا خیال تو رکھنا ہو گا۔ وہ لوگ اسٹار بھی نہیں ہیں' انہیں سونا بھی ہوتا ہے اور پھر دن کی مصروفیات میں بھی جتنا ہوتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے رقص و موسیقی کا ریاض مناسب وقت پر کرنے لگیں گی۔ اگر رات کی مجبوری ہے تو کوشش کریں کہ زیادہ آواز نہ ہو۔

خیراندیش

سلمان نصیر سیکریٹری یونین نگار اپارٹمنٹس

○

20 فروری 98ء

اپارٹمنٹ "سی" کی پڑوسن

افسوس کہ تمہارا نام مجھے معلوم نہیں۔ تمہیں بھی میرا نام معلوم نہیں ہو گا۔ اس کے باوجود لفٹ میں ہم اچھا خاصا لڑ لیے۔ خیر' مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے سخت کلامی کی مگر سچی بات یہ ہے کہ تم نے مجھے غصہ دلا دیا تھا۔ میں برسوں سے سونیا کرن کی سیکریٹری ہوں اور یقین کرو' تم نے جو سونیا جی پر تبصرے کیے' وہ سب غلط اور بے بنیاد تھے۔ بہرحال میں چاہتی ہوں کہ جو کچھ ہوا اسے بھلا دیا جائے۔ اگلی بار سونیا جی کوئی پارٹی دیں اور وہ دیر تک چلے تو میرا مشورہ ہے کہ جلنے کڑھنے کے بجائے تم بھی آکر پارٹی میں شامل ہو جاؤ۔ ٹھیک ہے نا۔ اب اتنی چھوٹی باتوں پر پولیس کو زحمت نہیں دی جا سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ تم سونیا جی کو پسند کرنے لگو گی۔

اگر تم چاہو تو تمہاری دوست۔ سیما مودی

○

21 فروری 98ء

مس مودی

سونیا کرن کی پارٹی میں اتنے عجیب انداز میں مدعو کرنے کا شکریہ لیکن میں اور میرے ہزبینڈ اس پیشکش سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ وجہ سادہ سی ہے۔ ہم سادگی اور خاموشی سے زندگی گزارنے کے قائل ہیں۔ خاص طور پر صبح کے تین یا چار بجے' شوروغل اور ہنگامہ ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا۔ ہمارا خیال ہے کہ اوپر والے نے رات سونے کیلئے بنائی ہے۔

ریٹا کنور

○

21 فروری 98ء

مسز کنور

میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

سیما مودی

○

22 فروری 98ء

ڈیئر سیما

اسٹار پلس کے لیے انٹرویو ریکارڈ کرانے جانا تھا۔ بہت سویرے اٹھنا پڑا۔ کل تمہیں یاد دلانا بھول گئی کہ اسٹیشنری کا معلوم کرو۔ چھپ گئی ہو تو منگوا لو۔ میرے رائٹنگ پیڈ ختم ہو رہے ہیں۔ اب ٹشو پیپر پر لکھنے کی نوبت آنے والی ہے۔

میری تصویریں آ گئی ہیں۔ میری طرف سے آٹوگراف دے کر مبرے پرستاروں کو بھجوا دو۔ اور ہاں۔۔۔ ایک بات اور۔۔۔ ورنہ بھول جاؤں گی۔ یہ تمہیں کیا ہوا کہ تم نے پڑوس والی حسینہ کو جہنم میں جانے کا مشورہ دے دیا۔ تم تو بڑے ٹھنڈے مزاج کی ہو۔ کچھ اپنی عمر کا خیال کرو۔

سونیا کرن

○

22 فروری 98ء

سونیا جی

یہ تم نے عمر کا حوالہ کیوں دیا۔ میری عمر ہے ہی کتنی۔ سوچو تو میں تم سے دو سال چھوٹی ہوں اور اپنی عمر تم جانتی ہی ہو۔

جن پرستاروں کے خطوط آئے ہوئے ہیں انہیں میں نے تمہارے دستخط کر کے تصویریں بھجوا دی ہیں۔ دلجیت کنور کو میں نے بتا دیا ہے کہ تم اسے فون کرو گی لیکن "ذرا" دیر سے۔ یعنی پو پھٹنے سے ذرا پہلے۔

ہاں' اسٹیشنری چھپ کر آ گئی ہے۔ میں نے اسٹڈی میں میز پر رکھ دی ہے۔ میرے نئے لیٹر پیڈ چھپوانے پر شکریہ۔ مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ بعض کام تم کیسے چپکے سے کر لیتی ہو کہ تمہاری سیکریٹری کو بھی پتا نہیں چلتا۔ کاغذ بھی بہت خوب صورت ہے۔ اب میں اتنے شاندار پیڈ پر دکاندار کو سودے سلف کی فہرست بنا کر دوں گی! (ویسے بھی پیسہ ذرا سنبھال کر خرچ کیا کرو کم از کم مجھے اتنی قیمتی چیزیں دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ فضول خرچی ہے۔)

ہاں' بدصورت پڑوسن کو جہنم میں جانے کا مشورہ اس لئے دیا تھا کہ گالیاں بکنے کی میری عادت نہیں۔

تمہاری سیکریٹری سیما

○

25 فروری 98ء

پیاری سونیا جی

کیا میں آپ کو صرف سونیا کہہ سکتا ہوں؟

آپ کی تصویر موصول ہوئی۔ بہت خوب صورت اور شاندار تصویر ہے لیکن تصویر کتنی ہی اچھی ہو' آپ کے حسن کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ کیمرا بے چارہ تو خود بھی مرعوب ہو جاتا ہو گا' آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہوں گی۔

میں کام پر جاتے ہوئے آپ کی تصویر کو اپنے ساتھ آڈیو ویڈیو شاپ لے گیا۔ کھانے کی چھٹی کے دوران میں' میں نے اسے فریم بنوانے کے لیے دیا۔ ارجنٹ۔

دکاندار نے نخرے تو کیے لیکن اسے کام کرنا ہی پڑا۔ چھٹی کے بعد مجھے دیر تک فریم والے کے پاس بیٹھنا پڑا۔ اس کا بس چلتا تو وہ تصویر خود ہی رکھ لیتا۔ وہ یقیناً بہت خوش نصیب سمجھ رہا تھا۔

تصویر میں نے اپنے کمرے میں لگا لی ہے۔ اور بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔

ایک بار پھر شکریہ۔

آپ کی شمع حسن کا سب سے بڑا پروانہ۔ ساحر انجان

○

25 فروری 98ء

ڈیئر سونیا

شالیمار والوں نے ڈرامے کا اسکرپٹ مجھے بھجوا دیا تھا۔ میں نے اسے پڑھا۔ اسکرپٹ کافی دلچسپ ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ تم جیسی اسٹار کو اور اوپر لے جا سکتا ہے۔ میں اب یہ اسکرپٹ تمہیں بھجوا رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم جوابی کال کرو گی۔ سیما سے گپ شپ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے لیکن جب تم سے کام کی بات کرنی ہو تو اس طرح ٹرخائے جانے پر مجھے کوفت ہوتی ہے۔ میں نئے معاہدے کے سلسلے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔ ویسے یہ ڈراموں کی طرف آنے کا خیال ہے بہت اچھا۔ ورائٹی اسی طرح بنتی ہے۔

ہاں' فلمی ڈائریکٹری چھپ کر آ گئی ہے۔ تمہارے تعارف میں سال پیدائش کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے۔

دلجیت کنور

○

26 فروری 98ء

ڈیئر روشن

تم خوش نصیب ہو کہ دنیا کی سب سے چڑچڑی اور بدمزاج عورت تمہیں خوش مزاجی سے خط لکھ رہی ہے۔

آج دن کا آغاز ہی خراب ہوا۔ میں بغیر کسی معقول وجہ کے بے چاری سیما پر

خوب برسی۔ خیر' ایسا بھی نہیں کہ وجہ نہ ہو۔ اگرچہ وہ اتنی معقول نہیں تھی۔ سیما نے میری پڑوسن سے ایک ایسی جنگ شروع کر دی ہے جو میرے لیے اعصاب شکن ہوتی جا رہی ہے۔ وہ بے چاری شاید خود کو کسی ریاست کی نواب زادی سمجھتی ہے۔ کیا نخرے ہیں اس کے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ اچھا پڑوسی بڑی نعمت ہوتا ہے اور برا پڑوسی۔۔۔ سوچتی ہوں' یہ اپارٹمنٹ اب بیچ ہی دوں۔

خیر' سیما کی خبر لینے کے بعد میں اسٹوڈیو گئی۔ وہاں اس بونے سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ارے وہی ڈیڑھ فٹ۔۔۔ جے رام۔ ہے تو وہ اتنا سا مگر نخرے اس کے توبہ توبہ لیکن کہتے ہیں کہ یوگا کا ماہر ہے۔ اس نے میرے لیے یوگا کی جو مشقیں تجویز کیں' وہ میرے بس کی ہیں ہی نہیں اور میں نے یہ بات کہہ دی۔ اس پر وہ بولا کہ اسٹار بننا اتنا آسان نہیں جتنا اسٹار رہنا ہے۔ بات میرے جی کو لگی پھر اس نے حوصلہ افزائی بھی کی۔ کہنے لگا۔۔۔ ہر مشق شروع میں مشکل لگتی ہے مگر اوپر والے نے ایسا بنایا ہے کہ چند روز میں ہی ہر مشقت کو قبول کر کے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس نے میرے بدن کی مستقبل کی جو پیمائشیں بتائیں انہیں سن کر میں لچا گئی۔ اب کیا کیا جائے۔ روشن جان' فلمی دنیا میں ان رہنے کے لیے تو یہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔

روشن' آج کل مجھ پر عمر کا خوف طاری ہو رہا ہے۔ خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگی ہوں میں۔ ایک بات بتاؤ۔ جب مجھے خود پر ترس آنے لگتا ہے تو تمہیں اچھا لگتا ہے نا؟ اچھا ہی لگتا ہو گا اور سنو' ہردیال آیا تھا میرے پاس ایک فلم کے لیے۔ پتا ہے پچاس لاکھ کی آفر کر رہا تھا۔ میں نے بھی کہا کہ اتنے معاوضے میں تو میں اپنا چالیس فیصد کام مکمل کرا دوں گی۔ باقی کام کسی سستی اداکارہ سے کرا لے۔ یہ سن کر شاید تم حیران ہو گے مگر یہ سچ ہے فلم کے لیے میں معاوضہ سوا کروڑ لے رہی ہوں۔ ٹی وی کیلئے رعایت کر دیتی ہوں اور اسٹیج کے لیے اور زیادہ۔ یہ اس لئے کہ میں خود کو آل راؤنڈر کہلوانا چاہتی ہوں۔ اسٹیج کا تو ہمارے ہاں رواج کم ہی ہے مگر روشن' سچ یہ ہے کہ اسٹیج پر کام کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ ہر لمحے الرٹ رہو۔ ری ٹیک کی گنجائش نہیں۔ ایک بار پردہ اٹھ جائے تو پھر کچھ ہو نہیں سکتا۔ یادداشت کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور حاضر جوابی کی بھی۔ پتا ہے' ایک بار میں مکالمہ بھول گئی لیکن فوراً ہی میں نے متبادل

مکالمہ گھڑ لیا اور وہ اصل مکالمے سے بھی بہتر تھا۔ ڈائریکٹر نے میرے ہاتھ چوم لیے اور ٹی وی میڈیا کا فائدہ یہ ہے کہ مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں ہر گھر میں پہنچ گئی ہوں۔

اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ فلمیں کم کروں مگر صرف معیاری۔ اپنا رول دیکھوں گی۔ مکمل اسکرپٹ کے بغیر فلم سائن نہیں کروں گی۔

اب خط ختم کرتی ہوں۔ سیما سے معذرت کرنا' اسے منانا بھی ہے۔ پچھلے پانچ منٹ میں بے چاری تین بار فریج کے پاس آ چکی ہے۔ بے وجہ۔ صرف مجھے متوجہ کرنے کیلئے۔ روشن' میں اب بھی تم سے محبت کرتی ہوں مگر یہ محبت میرے مسائل حل نہیں کر سکتی۔

تمہاری سابق محبوبہ سونیا کرن

○

27 فروری 98ء

دوست ساحر

شاید میرا خط تمہیں حیران کر دے گا۔ کب سے میں نے تمہیں خط جو نہیں لکھا لیکن دہلی ایسا مصروف شہر ہے کہ آدمی کو فرصت ہی نہیں ملتی اور اچھے' پیارے دوستوں کی سستی اور کاہلی بھی معاف کر دینی چاہیے۔ تم بھی معاف کر دو۔ اس خط کا ایک مقصد تو تمہاری خیریت دریافت کرنا ہے۔ دوسرے میں اور تمہاری بھابی ٹینا 3 تاریخ کو چند روز کے لیے ممبئی آ رہے ہیں۔ سوچا ہے کہ تم سے بھی مل لیں گے۔ کچھ پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی۔

دوست' میں تمہیں کسی زحمت میں نہیں ڈالنا چاہتا مگر ٹینا بہت ضد کر رہی ہے۔ تمہارے لیے کوئی بڑی بات بھی نہیں۔ سونیا کرن سے تمہارے تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ تمہارے لیے ہم کو ان سے ملوانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ سمجھ گئے نا۔ آخر سونیا جی کے تم بہترین دوست ہو اور زی۔۔۔ ٹی وی کے پس پردہ کام کرنے والوں میں ٹاپ کے آدمی ہو۔ سونیا جی تمہاری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔ تمہاری بھابی بھی خوش ہو جائے گی۔

یہ میرا وعدہ رہا ہے کہ میں تمہیں سونیا جی کے سامنے شرمندہ نہیں کروں گا۔

آگرے کے پاگل خانے کا کوئی حوالہ نہیں دوں گا۔ اب تو میں بھی وہ نوکری چھوڑ چکا ہوں اور ٹینا کو تمہارے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں۔ ٹھیک ہے نا۔ پھر یہ ملاقات پکی رہی؟

تمہارا دوست ہری

○

یکم مارچ 98ء

ڈیئر ہری

ٹائمنگ نے بات خراب کر دی۔ سونیا تم سے مل کر یقیناً خوش ہوتی۔ میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر پرانے دنوں کی یادیں تازہ کرتا لیکن آج ایک ٹی وی سیریل کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں مجھے سونیا کو لے کر نینی تال کے لیے روانہ ہونا ہے۔ اس سیریل سے مجھے بڑی امیدیں ہیں۔ اس کا اسکرپٹ بہت زبردست ہے اور سونیا کا رول بہت بھرپور ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم آؤ گے تو ہم موجود نہ ہوں گے اور ہم واپس آئیں گے تو تم جا چکے ہو گے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

سونیا نے اصرار کر کے اپنی تازہ ترین تصویر پر تمہیں آٹوگراف دیا ہے۔ اس کے اصرار پر یہ تمہیں بھجوا رہا ہوں۔ امید ہے' پسند آئے گا۔ یہ خط اور تصویر کوریئر سروس کے ذریعے بھجوا رہا ہوں تاکہ تمہیں ممبئی کیلئے روانہ ہونے سے پہلے مل جائے۔

تمہارا دوست۔ ساحر انجان

○

یکم مارچ 98ء

میری سونیا جی

صبح بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ میں دیر سے سو کر اٹھا تھا اور کام پر جانے کی فکر تھی۔ میری جلد بازی کے نتیجے میں ایک چادر نے آگ پکڑ لی مگر میں آگ بجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ ویسے تو زیادہ نقصان نہیں ہوا لیکن ایک نقصان میں دل پر لے بیٹھا ہوں۔ میرے لیے وہ بہت بڑا نقصان ہے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس بھی ہو رہا ہے اور

شرمندگی بھی کہ آپ کی تازہ ترین تصویر بھی جل گئی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تصویر کتنی قیمتی تھی مگر میرے نزدیک اس کی قیمت اور زیادہ تھی بلکہ میرے نزدیک اس کی وقعت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔

ویسی ہی ایک اور تصویر حاصل کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ آپ ایک اور تصویر بھجوا سکیں تو جو کہیں' میں اس کی وہ قیمت ادا کروں گا۔ خواہ وہ میری حیثیت اور استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ امید ہے' نوازش فرمائیں گی۔

آپ کا ادنیٰ پرستار۔ ساحر انجان

○

2 مارچ 98ء

سونیا جان

فضول باتیں سوچنا چھوڑ دو۔ تم آج بھی اتنی ہی حسین اور باوقار ہو' جتنی پہلے تھیں اور تم یہ بات خوب جانتی ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تم سدا بہار ہو۔ گزرتا وقت تمہاری عمر میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ تمہیں اور تروتازہ کر دیتا ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے' میں خیریت سے ہوں لیکن کبھی کبھی پریشان ہو جاتا ہوں۔ کل جیہ اور امیتابھ رات کے کھانے پر ہمارے ہاں آئے تھے۔ سنگیتا انہیں دیکھ کر وہ مرعوب ہوئی کہ بس کیا کہوں۔ تم یقین نہیں کرو گی ایک گھنٹے تک تو اس بے چاری کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے' حقیقت میں سچ مچ یہی ہوا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے سنگیتا سے یہی بات کہی مگر وہ تو اور بجھ گئی۔ عجیب حال ہو گیا اس کا۔ اپنا کمرا بند کر کے بیٹھ گئی اور لگی رونے۔ تم تو جانتی ہی ہو عورتوں کے رونے کے معاملے میں' میں کیسا ہوں۔ مجھے چپ کرانا اور بہلانا تو آتا ہی نہیں۔ الٹا روتی ہوئی عورت گلے پڑ جائے تو ہونق ہو کر رہ جاتا ہوں۔ مجھے تم بہت یاد آئیں۔ تم اتنی۔۔۔ پراعتماد تھیں کہ کبھی وزیراعظم اور صدر مملکت سے بھی مرعوب نہیں ہوئیں۔ وہ ایس کمار کا ڈنر تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔ وزیراعظم کی بیوی کو تم نے اتنا بنایا تھا کہ ان کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ روشن' آپ

خوش نصیب ہیں کہ آپ کو ایسی شریک زندگی ملی۔

تم نے اپنا خط یہ کہتے ہوئے ختم کیا تھا کہ تمہیں سیما کو منانا' اس سے معذرت کرنا ہے۔ میں یہ خط اس لیے ختم کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی الھڑ اور کم عمر بیوی کی ناز برداری کرنی ہے۔ اس کا دل بہلانا ہے تاکہ جیون خوش گوار رہے۔

تم فضول باتیں سوچنا چھوڑ دو۔ تمہارے پاس ہر وہ چیز موجود ہے جس کی کوئی عورت تمنا کر سکتی ہے۔۔۔ بشمول میری محبت کے۔

تمہارا اور صرف تمہارا۔ روشن

○

5 مارچ 98ء

ساحر انجان صاحب

سونیا جی کو آپ کے گھر میں ہونے والی آتش زنی کا بہت رنج ہوا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ صرف ان کی تصویر جلی۔ باقی سب معمولی چیزیں تھیں۔ تصویر کی ایسی کوئی بات نہیں۔ سونیا جی نے ایک اور تصویر پر دستخط کر دیئے ہیں وہ میں آپ کو اس خط کے ساتھ بھجوا رہی ہوں۔ سونیا جی کو اپنے پرستاروں کا بہت خیال رہتا ہے اور وہ انہیں اپنی تصویر جیسی معمولی چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ آپ ان کے فین کلب کے ممبر ہیں اس لیے دوسری تصویر کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔

خلوص کیش۔ سیما مودی

سیکریٹری برائے سونیا کرن

○

6 مارچ 98ء

مہربان روشن

تم نے مجھے بہلانے اور حوصلہ دینے کی بہت اچھی کوشش کی لیکن تم کبھی بھی کامیاب جھوٹے نہیں رہے۔ جب بھی جھوٹ بولتے تھے' صاف پکڑ لیے جاتے تھے۔ آج بھی تمہارا وہی حال ہے۔ تمہارے خط کو بہت اچھی افسانہ نگاری کا نمونہ بہرحال کہا جا سکتا ہے۔ میری جان' حقائق تو حقائق ہی ہوتے ہیں۔ کوئی چاہے بھی تو انہیں تبدیل

نہیں کر سکتا۔ 40 سال کی عمر تو اپنی جگہ حقیقت ہے جو بس اگلے سال بدلے گی۔۔۔ اور وہ 41 سال میں۔

تم نے سنگیتا کے بارے میں جو لکھا ہے تو وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ سنگیتا کی عمر میں میرا ردعمل بھی یہی ہوتا۔ یعنی میں گنگ ہو کر رہ جاتی لیکن جیسے تم نے سنگیتا کو اس کی کمزوری کا احساس دلایا' مجھے دلاتے تو ہاسپٹل پہنچ جاتے۔ میں سرپھاڑ دیتی تمہارا۔ لہٰذا سنگیتا کے معاملے میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرو۔

ایتابھ کے سامنے کوئی عورت بات کر سکتی ہے۔ میں نے اس کے سامنے بڑے بڑوں کے ہونٹ سلتے دیکھے ہیں مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کیوں آئے تھے؟ سنو' اگر تم اسے لے کر کوئی فلم بنانا چاہتے ہو تو میرا مشورہ ہے کہ یہ خیال دل سے نکال دو۔ ایتابھ بہت بڑا اداکار تھا مگر اس کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وقت کبھی الٹا نہیں چلتا روشن۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

بے حد محبت کے ساتھ۔ تمہاری سونیا

○

8 مارچ 98ء

ڈیئر مس مودی

میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں تمہارے خط کا جواب نہ دوں۔ تم شاید سمجھتی نہیں ہو کہ مس سونیا جیسی بڑی ہستی کی سیکریٹری ہونا کتنی خوش قسمتی کی بات ہے۔ یا پھر یہ خوش قسمتی تمہارے دماغ پر چڑھ گئی ہے۔ سونیا جی کی سیکریٹری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگوں کے ساتھ بدتمیزی کرتی پھرو۔ تمہیں اپنا دماغ درست کر لینا چاہیے۔

اطلاعاً" عرض ہے کہ میں کسی بھی فنکار کے فین کلب کا ممبر نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ آسمان کے ستارے جیسی سونیا جی کے فین کلب کا بھی نہیں۔ میں ایسا چھوٹا اور گھٹیا سوچ والا آدمی نہیں' جیسا تم نے مجھے سمجھا۔

پھر تم نے سونیا جی کی تصویر کو غیر اہم اور عام سی چیز قرار دینے کی گستاخی کیسے کی۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تم سونیا جی کی وفادار بھی نہیں ہو۔ سونیا جی تو ایسی

ہیں کہ انہیں اپنے ملازمین سے محبت سے لبریز خالص ترین وفاداری ملنی چاہیے او تمہیں اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔ یاد رکھو' تم سونیا جی کی نوکر ہو ان کی نمائندہ نہیں۔

فقط۔ ساحر انجان

○

10 مارچ 98ء

ساحر انجان صاحب!

بھئی تم تو مجھے کوئی افسانوی کردار لگتے ہو۔ حقیقت کی دنیا میں تو ایسے لوگ پا۔ نہیں جاتے۔ اچھا سنو۔۔۔ اور بھی کئی اداکارائیں ہیں جو اپنے پرستاروں کو اپنی تصویریں بھجوا دیتی ہیں۔ کیوں نہ کچھ عرصہ تم انہیں ٹرائی کرو۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ تم سے کم از کم وقتی طور پر پیچھا چھوٹ جائے گا۔ نفسیاتی مریضوں سے تعلق رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر کیا کروں' مجھے تنخواہ اس بات کی بھی تو ملتی ہے۔ ویسے مجھے اپنی اوقات خوب معلوم ہے اور میں کبھی اس سے باہر ہوتی بھی نہیں۔ البتہ تمہیں اپنی اوقات کا خیال رکھنا چاہیے۔ سونیا جی کے پاس تم جیسے لاکھوں کے نہیں' کروڑوں کے خط آتے ہیں۔

خلوص کیش۔ سیما مودگی

○

13 مارچ 98ء

میری زندگی کی روشنی سونیا جی

میں وہ شخص ہوں جو آپ کو کبھی پریشان نہیں کرنا چاہے گا لیکن مجبوری ہے میں آپ کی سیکریٹری کا توہین آمیز خط اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ اس کو سمجھ لیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آپ کو کیا سمجھتی ہے اور آپ کے معاملات کو جس طرح ہینڈل کرتی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ عورت اب تک آپ کی ساکھ کو خاصا نقصان پہنچا چکی ہو گی۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس معاملے کا بالکل علم نہیں ہو گا۔ بات اتنی سی ہے کہ

میں نے آپ کی تازہ ترین تصویر مانگی تھی۔ اور آپ کی تصاویر میں اکثر منگواتا رہا ہوں اور مجھے تصویریں ملتی بھی رہی ہیں مگر اس بار مجھے توہین اور تذلیل کا سامنا کرنا پڑا جبکہ اس کا کوئی ظاہری سبب بھی موجود نہیں۔ یہ بات بے حد تشویش ناک ہے۔

میری مانیں تو اپنی سیکرٹری کی ذرا اچھی طرح خبر لیں۔ اسے گوشمالی کی ضرورت ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتی کہ آپ جیسی سپر اسٹار اور میرے جیسے سپرپروانے کا تعلق کتنا اہم ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے نزدیک آپ بھی محترم نہیں ہیں۔ اس نے ایک ہی پل میں آپ کو عام اداکاراؤں کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ اس سے پہلے وہ آپ کی تصویر کی توہین کر چکی تھی۔ اسے تو فخر ہونا چاہیے کہ وہ آپ کی سیکریٹری ہے لیکن وہ یقیناً ناشکر گزار عورت ہے۔

مجھے ایک بار پھر اظہار افسوس کرنا پڑ رہا ہے کہ میں نے آپ کو اس معاملے میں ملوث کیا مگر کیا کروں۔ بات اہم تھی اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ورنہ میں آپ کو کبھی اس طرح ڈسٹرب نہ کرتا۔ میں نے آپ کو خبردار کر دیا ہے آگے آپ جانیں۔

آپ کا دیوانہ۔۔۔ پروانہ۔ ساحر انجان

○

18 مارچ 98ء

دنیا مٹلو

آج میں تمہارے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ دیکھ کر دھچکا لگا کہ تمہاری سیاہ ڈینز کی سلائی پھر ادھڑ گئی ہے۔ اس کا مطلب تو تم سمجھتی ہی ہو گی۔ تم پھر سے پھیلنے لگی ہو اور وجہ یہ ہے کہ آج کل کھانے پینے کے معاملے میں بہت غیر محتاط ہو گئی ہو۔ دھنا خاص طور پر زیادہ کھا رہی ہو۔ بہرحال اب احتیاط شروع۔ شام کی چائے کے ساتھ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ صرف دو وقت کھانا کھاؤ اور وہ بھی ابلی ہوئی سبزیاں۔ باقی تمام چیزیں میں گھر لے جا رہی ہوں۔ میں فلم اسٹار تو ہوں نہیں کہ وزن بڑھنے کی فکر کروں۔ ڈٹ کر کھاؤں گی۔

ارے ہاں' میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیا اور تمہارے اس دیوانے پروانے کے خط کا جواب نہیں دیا۔ مگر۔۔۔! خیر باقی باتیں صبح کر لوں گی۔

اور سنو رات کو اپنے سینڈل اپارٹمنٹ کے دروازے پر نہ چھوڑ دینا مجھے ڈر ہے' وہ کسی کو اپاہج نہ بنا ڈالیں اور کہیں وہ بدنصیب میں ہی نہ ہوں۔

تمہاری نصف بہتر۔ سیما مودی

○

19 مارچ 98ء

سیما

کل صبح سویرے ہی آ جانا اور اگر میرے سینڈلوں سے الجھ کر گرو تو احتیاط ا
آہستگی سے گرنا۔ میری نیند خراب نہ ہو اور تمہارے ہاتھ پاؤں بھی سلامت رہیں
شاید تمہیں یاد ہو گا کہ کل میرے اسٹیج ڈرامے کی ریہرسل شروع ہو رہی ہے۔ ج
بارہ بجے تھیٹر پہنچنا ہے۔ تم میرا لباس منتخب کر دینا اور جیولری وغیرہ بھی پھر ساڑھے و
بجے مجھے جگا دینا۔ ہر قیمت پر۔ چاہے مجھ پر پانی کی بالٹی انڈیلنی پڑ جائے۔

اور تم نے فریج صاف کر دیا' بہت اچھا کیا مگر یہ بھول گئیں کہ کچن کے کیبن
میں چاکلیٹ موجود ہے۔ ؟؟؟

○

20 مارچ 98ء

پیاری سونیا جی

صرف یہ پوچھنے کے لیے خط لکھ رہا ہوں کہ آپ نے اپنی سیکریٹری کی خبر لی
نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نرم طبیعت کی اور محبت والی ہیں لیکن اپنے نوکروں ـ
زیادہ نرمی نقصان دہ بھی بن جاتی ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ میں ایک آ
ویڈیو شاپ میں کام کرتا ہوں (عارضی طور پر۔ کیونکہ میرے ذہن میں اور منصو
ہیں) خیر تو ہمارے ہاں حال ہی میں ایک نئی لڑکی کو ملازم رکھا گیا ہے۔ آپ یقین کر
وہ بہت کوڑھ مغز لڑکی ہے۔ کام کی مصروفیت کے ساتھ مجھے مستقل اس کے ساتھ
کھپانا پڑتا ہے۔ اسے کچھ بھی نہیں آتا۔ کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ سب کچھ سمجھانا
ہے۔ کل اس نے ہمارے مینجر سے لنچ کے بعد دو گھنٹے کی چھٹی مانگی--- آرائش

کے لیے اور وہ واپس آئی ڈھائی گھنٹے کے بعد۔ اس دوران میں میری جان پر بنی رہی۔ اپنا کام بھی کرنا تھا اور اس کا بھی اور جب میں نے اس سے شکایت کی تو وہ الٹا مجھ پر بگڑ گئی۔ مجھے باتیں سنا ڈالیں۔

اس سے اندازہ لگا لیں کہ خودپسند لوگوں کو انسانیت والا سلوک راس نہیں آتا۔ کم ظرف کو رعایت دیں گے تو وہ سر پر چڑھ کر بیٹھ جائے گا۔ میری مانیں' آپ پہلی فرصت میں اپنی اس سیکریٹری کو ذرا طبیعت سے جھاڑ دیں۔ اس میں آپ کی اپنی بہتری ہے۔

اب مجھے کچھ اندر کی بات بتائیں۔ میں نے ایک میگزین میں پڑھا ہے کہ ایک زمانے میں آپ کا ونود کمنہ کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔ سچ بتائیں' یہ افواہ ہے یا حقیقت۔ آخر میں آپ کے بارے میں جاننے کا حق رکھتا ہوں۔

آپ کا پجاری۔ ساحر انجان

○

20 مارچ 98ء

سونیا جی

تم پتا نہیں' کس مٹی کی بنی ہوئی ہو اور مجھے نادان سمجھتی ہو۔ صبح کچن میں برتنوں کو دیکھ کر مجھے پتا چل گیا کہ تم نے کتنی بدپرہیزی کی ہے۔ ادھر کچھ اور کپڑے تمہارے تنگ ہو گئے ہیں اور اس حد تک کہ سلائیاں ادھڑ رہی ہیں۔ خود پر نہ سہی' مجھ پر رحم کرو۔ تم نے اتنی علاوتیں بگاڑ دی ہیں میری۔ اب تو مجھے کہیں ملازمت بھی نہیں ملے گی۔

سیکریٹری سیما مودی

○

21 مارچ 98ء

سیما جی

کھانے کے لیے نہیں جیتی' جینے کیلئے کھاتی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دنوں درزی سلائی ہی ہلکی کرنے لگے ہیں۔ اپنی ملازمت کی فکر مت کرو۔ تمہارے بغیر تو میں رہ ہی نہیں سکتی۔ تمہیں کبھی کہیں جانے نہیں دوں گی اور لباس کی سلائی کی بھی پروا مت کرو۔ ادھڑ گئی تو کیا ہوا' نئے کپڑے سلوا لیں گے۔۔۔ بس مجھے یہ فکر ہے کہ میرے کپڑے تمہارے نہیں آ سکتے۔ تم پہننے کی کوشش کرو گی تو سلائی رہ جائے گی' کپڑے پھٹ جائیں گے۔ ویسے ایک بات بتاؤ تم خود کو ریکھا تو نہیں سمجھتیں۔ ذرا آئینہ دیکھ لینا (اپنے گھر میں کلوز اپ دکھانے والا نہیں۔ میرے باتھ روم میں فل شاٹ دکھانے والا قد آدم آئینہ) او کے؟

سونیا

○

21 مارچ 98ء

شمع محبت سونیا جی

کام پر جانے سے پہلے یہ چند سطریں گھسیٹ رہا ہوں۔ فی الوقت تو صورتحال یہ ہے کہ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ دکان والی لڑکی وبال جان بن گئی ہے۔ کل اس نے مینجر سے شکایت کی کہ وہ اوپر چڑھ کر کچھ کیسٹ اتار رہی تھی اور میں نیچے سے اس کے اسکرٹ کے اندر جھانک رہا تھا۔ آپ یقین کریں' میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ سچ نہیں بلکہ شاید وہ خود یہ چاہتی تھی کہ میں اسے اس طرح دیکھوں۔ مجھ سے مایوس ہو کر اس نے شکایت کر ڈالی۔

میں جانتا ہوں کہ میں اس لڑکی کو اچھا لگتا ہوں۔ میں اپنے منہ میاں مٹھو۔۔۔ نہیں بنتا لیکن ہر شخص کا کہنا ہے کہ میں غیر معمولی طور پر پرکشش اور خوش شکل ہوں۔ رنگ گھورا' آنکھیں سبزی مائل براؤن اور کسرتی جسم۔ جبکہ وہ لڑکی بس لڑکی ہے۔ یہ تو طے ہے کہ وہ کسی بھی طرح مجھے لبھا نہیں سکے گی۔

اب میں چلتا ہوں اور یہ وعدہ ہے کہ کل آپ کو خط ضرور لکھوں گا۔

محبت کے ساتھ' آپ کا پروانہ۔ ساحر انجان

○

25 مارچ 98ء

سارہ دیدی

میرا یہ رائٹنگ پیڈ کیسا لگا؟ یہ سونیا نے چھپوایا ہے۔ قیمت بھی پتا ہے؟ ڈیڑھ روپے کا ایک کاغذ پڑا ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں دیدی' مذاق نہیں۔ بل میں نے خود دیکھا ہے۔ اپنی آنکھوں سے۔

بچوں کی تصویریں بھیجنے کا شکریہ۔ دولھا بھائی آج کل بہت اچھے ہو رہے ہیں لیکن آنکھوں سے کچھ اور پتا چل رہا ہے۔ ان سے کہو کہ پینا کم کر دیں ورنہ میں ان کی والدہ کو خط لکھ دوں گی۔ پھر وہ ان کی خوب خبر لیں گی۔

ایک عجیب چیز دیکھو۔۔۔ پاگل پن۔۔۔ سونیا کے ایک پروانے کا میں نے پچھلے خط میں تذکرہ کیا تھا نا۔ اس کا ایک خط تمہیں بھجوا رہی ہوں۔ اس میں اس نے اپنے حسن کی تعریف کی ہے۔ سونیا کہہ رہی تھی کہ اب شاید ہمیں اس کی تصویر منگوانی پڑے گی۔ آٹوگراف کے ساتھ۔ دنیا میں بلاؤلوں کی کمی نہیں ہے۔ ہے نا دیدی۔

بچوں کو پیار۔ سیما

○

25 مارچ 98ء

سونیا جان

شوٹنگ سے چند لمحوں کی فرصت ملی ہے تو تمہیں خط لکھ رہا ہوں۔ یہاں سب خیریت ہے۔ سنگیتا کو گھر بھجوا دیا تھا۔ وہ وہاں کوکنگ کی کلاسز لے رہی ہے۔ میں ان دنوں ایک بہت اچھے اسکرپٹ پر کام کر رہا ہوں لیکن میرا پروڈیوسر خوش نہیں ہے۔ اس کے خیال میں یہ آرٹ فلم کا آئیڈیا ہے جبکہ میں کہتا ہوں کہ اسکرپٹ آرٹ فلم کا ہو اور ٹریٹ منٹ میں کمرشلزم کا خیال رکھا جائے تو ایسی فلم بن سکتی ہے جسے عوام و خواص اور ناقدین یکساں طور پر سراہیں مگر پھر سوچتا ہوں' شاید میرا ہی دماغ چل گیا ہے۔

اور سونیا جو تمہارا اسٹیج ڈرامہ ہے' میں اس پر فلم بنانے کے حقوق خرید رہا ہوں۔ یوں ہمیں ایک بار پھر ساتھ کام کرنے اور وقت گزارنے کا موقع ملے گا۔ مجھے تم بہت

یاد آتی ہو۔ تم جوان ہو' تم بے حد حسین ہو' تم بے حد پرکشش ہو۔ میں احمق ہوں کہ تمہیں پا کر کھو دیا۔

محبت— محبت— روشن

○

26 مارچ 98ء

جان سے پیاری سونیا جی

میں معذرت خواہ ہوں کہ اتنے دن خط لکھنے کا موقع نہ نکال سکا مگر کیا کروں' گزشتہ چند روز بہت پریشانی میں گزرے۔

بالآخر دکان میں اس نئی لڑکی سے جھڑپ ہو ہی گئی۔ اس روز میں نے ایک گاہک کے لیے اس سے ایک البم نکال کر لانے کو کہا۔ بس غضب ہو گیا وہ بولی کہ جاؤ خود ہی نکال کر لے آؤ۔ حوصلہ تو دیکھیں اس کا۔ میں فوراً مینیجر کے پاس گیا اور تمام صورتحال اس کے سامنے رکھ دی۔ اب میں کیا بتاؤں کہ اس لمحے مجھے کیسا شاک لگا۔ پتا ہے مینیجر نے الٹا مجھے ڈانٹا۔ کہنے لگا کہ میں اس بے چاری کا پیچھا چھوڑ دوں۔ میں تو حیران رہ گیا۔ میں اس دکان پر چھ ماہ سے کام کر رہا ہوں جبکہ یہ لڑکی بالکل نئی ہے پھر بھی مینیجر نے اس کی طرفداری کی ہے۔

سونیا جی' میں تہمت لگانے اور افسانے بنانے کا قائل نہیں مگر مجھے یقین ہے کہ مینیجر اور اس لڑکی کے درمیان ضرور ایسے ویسے تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا میری بات! اس کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مجھ پر اس لڑکی کو فوقیت دے۔

اس لڑکی کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ کتنی اچھی اور کتنی بلند ہیں۔ آپ میں گھٹیا پن نام کو نہیں۔ آپ تو اسٹار ہیں— ستارہ— لیکن میں جانتا ہوں کہ مسائل آپ کے ساتھ بھی ہوں گے۔ اس پر مجھے آپ کی سیکریٹری کا خیال آ گیا۔ آپ نے اسے ڈانٹا ہو گا کہ خط لکھنے والوں کے ساتھ صحیح برتاؤ رکھنا ہو گا۔ اخلاق سے کام لینا ہو گا۔ بدتمیزی سے پرہیز کرنا ہو گا۔ یہ بتائیں' یہ سب سن کر وہ کیا بولی؟ مجھے یقین ہے' اس نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا ہو گا مگر میری بات یاد رکھیں۔ یہ نچلے درجے کے

لوگ ہر الزام کسی اور پر ڈال دینے کے عادی ہوتے ہیں۔

اب آپ سے التجا ہے کہ میرے لیے بھی دو منٹ نکال ہی لیں۔ چاہے دو سطریں لکھیں مگر مجھے خط ضرور لکھیں۔ ادھر میں آپ کے اور دنود کھنہ کے چکر کے بارے میں جاننے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔ پلیز' آپ مجھے بتا دیں۔ سونیا' میں وہ آدمی ہوں کہ آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ پہنچا بھی کیسے سکتا ہوں۔ آپ سے محبت جو کرتا ہوں۔

ہمیشہ کے لیے آپ کا جاں نثار۔ ساحر انجان

○

29 مارچ 98ء

روشن ڈارلنگ

تم نے ایک کمرشل فلم کی بہت اچھی تعریف کی ہے۔ آرٹ اور کمرشلزم کو یکجا کرنے ہی میں کامیابی ہے۔ وہ فلم کیا ہو گی جسے عوام و خواص باکس آفس پر کامیاب کرائیں اور ناقدین فن بھی اس کے قصیدے پڑھیں۔ بلاشبہ تم جینئس ہو۔ اپنے بارے میں کبھی ایسی ویسی بات مت کیا کرو۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

اور سنو کھانے سے پہلے دودھ پینے کا معمول برقرار ہے نا۔ نہیں تو اسے پھر شروع کر دو۔ تمہارے السر کے خیال سے کہہ رہی ہوں۔

خیر' تمہارے متعلق بہت باتیں ہو گئیں۔ اب میرا پسندیدہ موضوع شروع— یعنی میں! میرا وہی حال ہے۔ کبھی تو ڈپریشن چاٹنے لگتا ہے مجھے۔ ڈراما "دیوار کیا گری—" کی ریہرسل شروع ہو چکی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اسے فلمانے کے حقوق خرید رہے ہو۔ اس کی کہانی بڑی پاور فل ہے۔ میرا رول بھی بہت جاندار ہے۔ پھر تم جیسا ڈائریکٹر ہو تو ایوارڈ تو ملنا ہی ہے۔ مجھے بھی اس بات کی خوشی ہو گی کہ ہمیں ایک بار پھر ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم سے ملنے' تم سے بات کرنے کو ترس کر رہ گئی ہوں تو۔ بہت جی چاہتا ہے تم سے ملنے کا۔

ارے ہاں' ڈرامے میں مجھے پروں کا لباس پہن کر رقص کرتے ہوئے انٹری دینی ہے۔ اس پر مجھے پھر اپنی عمر کا خیال ستانے لگا ہے۔ کیا یہ مناسب ہو گا کہ کوئی بڑھیا

پروں میں لپٹی ہوئی لٹو کی طرح گھومتی ہوئی اسٹیج پر آئے اور دیر تک گھومتی ناچتی رہے۔ جیسے چابی ختم ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ (وہ بھی مرغی کی طرح) تمہاری کیا رائے ہے؟

مجھے خوشی ہے کہ تم سنگیتا کے ساتھ کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے ہو۔ سنگیتا کوکنگ سیکھ رہی ہے تو صرف تمہارے لیے۔ بس تم خود کو اور اپنے مزاج کی حاکمیت کو قابو میں رکھو۔ تم جانتے ہو کہ تم میں یہی ایک کمزوری ہے۔

تمہاری اپنی سونیا

○

29 مارچ 98ء

سونیا جان

کیسی ہیں آپ کہ خط لکھنا ہی نہیں آتا آپ کو۔۔۔ شاید خط لکھنے کی چور ہیں۔ ارے۔۔۔ برا نہ مانیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ درحقیقت آپ دنیا کی سب سے اچھی سب سے پیاری اور سب سے حسین لڑکی ہیں لیکن آپ سوچیں تو' کب سے میں آپ کے اور دنود کے بارے میں پوچھے جا رہا ہوں مگر کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔ ویسے بھی اپنی پریشانی کے وقت میں مجھے آپ کی اخلاقی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ کم از کم خط تو لکھ سکتی ہیں۔

دکان پر حالات بہت خراب ہیں۔ اس لڑکی نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔ وہ ہر مجھ پر چوٹیں کرتی رہتی ہے۔ الزامات اس کے علاوہ ہیں۔ میرے پیٹھ پیچھے تو وہ اور زیادہ برائی کرتی ہے میری۔ مینجر کو پوری طرح میرے خلاف کر دیا ہے اس نے۔

میں بس اتنا کہتا ہوں اس سے کہ سوچ سمجھ کر بولو۔ آدمی جو بوتا ہے' وہ کاٹتا ہے۔ جو آدمی اپنے سے برتر کی تذلیل کرتا ہے' اسے عزت کبھی نہیں ملتی۔

خیر' مجھے چھوڑیں۔ آپ کے ڈرامے کی ریہرسل شروع ہو چکی ہے۔ اسٹیج ڈرامے کا اپنا ہی لطف ہوتا ہے۔ آپ کو اسکرین پر دیکھنے میں وہ لطف کہاں جو اسٹیج پر جیتا جاگتا دیکھنے میں آئے گا اور اس ڈرامے کی کامیابی میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس میں دنیا کی سب سے خوبصورت اور سب سے مقبول لڑکی اداکاری کے جوہر دکھائے گی۔

یہ الگ بات کہ وہ لڑکی اپنے پرستار کے خط کا جواب نہیں دیتی (مذاق کر رہا ہوں۔ مائنڈ نہ کیجئے گا) لیکن بہرحال میں آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ میرے لئے بھی چند لمحے نکال لیں نا۔

وہ جو آپ سے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

ساحر انجان

○

31 مارچ 98ء

سونیا جان

اب بھی جواب سے محروم ہوں!

دکان پر حالات غیر تسلی بخش ہیں۔ کاش آپ جانتیں کہ آپ کے لکھے ہوئے دو لفظ میرے لئے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ کاش۔۔۔

محبت ہی محبت۔ ساحر انجان

○

4 اپریل 98ء

ساحر صاحب

مجھے افسوس ہے لیکن سونیا جی اتنی مصروف ہیں کہ ذاتی طور پر خط لکھنے کا وقت نہیں نکال سکتیں۔ مائنڈ نہ کیجئے گا۔

خیر اندیش۔ سیما مودی

○

7 اپریل 98ء

سونیا جان

یہ پھر آپ کی سیکریٹری درمیان میں آ کودی۔ میرا خیال ہے' آپ کی ڈانٹ ڈپٹ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا یا پھر اس کی جھاڑ پھونک کرنے میں آپ اپنی فطری نرم دلی سے کام لے گئی ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ اسے نوکری سے نکالنے کی دھمکی زیادہ کارگر ثابت ہوگی۔ ایسا کر دیکھیں۔

یہ عورت آپ کے فین کلب کو اور آپ کے عام پرستاروں کو ذہن میں رکھ کر مجھ سے بات کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں آپ کا سب سے بڑا پرستار ہوں لیکن میں آپ کا سب سے بڑا چاہنے والا بھی ہوں۔ اب تو میں آپ کا دوست بھی ہوں۔ ایسا دوست جسے آپ ہر مشکل میں مدد کے لئے پکار سکتی ہیں۔ جب بھی آپ کو ضرورت پڑے گی' میں آپ کے لئے حاضر ہوں گا۔

میں سچ کہہ رہا ہوں سونیا جی۔ میں آپ کا سب سے قریبی دوست' آپ کا راز دان ثابت ہو سکتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا محبوب بھی بن سکتا ہوں۔ یہ بات کہنے میں' میں نے بہت دیر لگائی مگر یہ سچ ہے۔ آپ یقین کریں' میں آپ کو بہت خوش رکھ سکتا ہوں۔ جوان ہوں' خوبرو ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ مجھ سے آپ کو جسمانی ہی نہیں ذہنی خوشی بھی مل سکتی ہے۔ آپ اس عورت کو' اپنی سیکریٹری کو سمجھادیں کہ میرے ساتھ توہین آمیز رویہ نہ رکھے۔ کون جانے' آنے والے دنوں میں وہ میری بھی ملازمہ ہو۔

اس محبت کے ساتھ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کا عاشق۔ ساحر انجان

○

10 اپریل 98ء

ساحر انجان

بس بہت ہو گئی۔ میں نے تمہارے خط سونیا جی کو نہیں دکھائے اب تک لیکن اب تم حد سے گزرتے جا رہے ہو۔ جس قسم کی پیشکشیں تم کر رہے ہو وہ محکمہ ڈاک کو پسند نہیں آئیں گی۔ بہتر یہی ہے کہ تم ایسے خط لکھنے سے۔۔۔ بلکہ کسی بھی طرح کے خط لکھنے سے باز رہو۔ تم اپنی جوانی اور خوب روئی کو جہاں جی چاہے لٹاؤ' ہمیں کوئی پروا نہیں۔

سیما مودی

○

12 اپریل 98ء

میری جان سونیا

اب سمجھ میں آیا کہ مجھے جواب کیوں نہیں مل رہا تھا۔ تمہاری حاسد سیکریٹری نے اعتراف کر لیا کہ وہ میرے خط تم تک پہنچنے ہی نہیں دیتی ہے اور میں سمجھ گیا کہ وہ کیوں جلتی ہے۔ وہ خود مردوں کی قربت سے محروم ہے۔ اسے افسوس ہوتا ہے کہ مجھ جیسا جوان اور خوبرو عاشق اسے کیوں نہیں ملا۔

سونیا' یہ طے ہو گیا کہ یہ عورت آپ کے قریب رہنے کے لائق نہیں۔ یہ کسی ایسے شخص کو آپ کے قریب نہیں پھٹکنے دے گی جس سے اس کی پوزیشن کو خطرہ لاحق ہو لیکن کیوں؟ میری مانیں تو اپنی جیولری چیک کر لیں۔ میرا خیال ہے' بینک جا کر بھی چیک کر لیں۔ یہ عورت ضرور بے ایمانی کرتی رہی ہے اور ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

میری جان' میں آپ کیلئے پریشان ہوں۔ ایک ایسی عورت ہر وقت آپ کے ساتھ رہتی ہے' آپ کے معاملات میں دخیل ہے' یہ تصور ہی میرے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ مجھے آپ کے تحفظ کی فکر ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اور آپ کو مل کر کچھ سوچنا اور فیصلہ کرنا ہو گا۔

ممکن ہے' آپ اسے نکالنے سے خوفزدہ ہوں۔ آپ کو اس کی طرف سے انتقامی کارروائی کا ڈر ہو۔ اگر میں آپ کے ساتھ ہوتا تو یقیناً آپ کو بڑی ڈھارس ہوتی۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ کو کسی بھی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

میں یہ خط گھر کے پتے پر نہیں بھیج رہا ہوں۔ ورنہ یہ اس عورت کو مل جاتا۔ میں اسے آر کے اسٹوڈیو کی معرفت بھجوا رہا ہوں۔ اب میں اپنا پتا بھی نہیں لکھوں گا۔ میرا پتا تو آپ کو معلوم ہی ہے۔۔۔ وہی جس پر آپ نے اپنی تصویر مجھے بھجوائی تھی۔

سونیا' ہمیں مل بیٹھ کر بات کرنی چاہئے۔ ہر مسئلے کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ محبت تو فاتح عالم ہے۔

فقط۔ ساحر انجان

○

12 اپریل 98ء

سونیا

تمہاری انٹری کے بارے میں بہت لوگوں کی رائے لی۔ سب مجھ سے متفق ہیں۔ تم پر پروں والا لباس بھی جچے گا اور رقص بھی۔ تم اپنی عمر کا دھیان چھوڑ دو۔ یہاں تو پچاس سالہ ریکھا بھی ابھی تک ہیروئن آ رہی ہے۔ تمہاری ابھی ایسی عمر نہیں ہے اور دیکھنے میں تم تیس کی بھی نہیں لگتیں۔

امید ہے' میری بات سے تمہیں سہارا ملے گا اور تم فضول سوچیں ذہن سے جھٹک دو گی۔

محبتوں کے ساتھ۔ تمہارا روشن

○

12 اپریل 98ء

پیاری سونیا

رات جگدیپ کے ہاں پارٹی میں تمہارا تذکرہ چھڑ گیا۔ سب تمہیں یاد کر رہے تھے کہ کاش تم ہوتیں اور ہنساتے ہنساتے بے حال کر دیتیں۔ کاجل نے پھر بال کٹوا دیئے ہیں۔ جوزف کے بال سفید ہو رہے ہیں اور وہ بہت باوقار لگنے لگا ہے۔ اجیت میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔

نیلم تمہارے ڈرامے پر بڑے خراب تبصرے کر رہی تھی لیکن میں جانتی ہوں کہ تم بے جان کردار میں بھی جان ڈال دیتی ہو۔ بس وہ تمام ترکیبیں اور گر یاد رکھنا' جو تم نے مجھے دیکھ کر سیکھے ہیں پھر کون تمہیں ہرا سکتا ہے۔

مجھے ایک شو میں بلایا گیا ہے مگر میں ہچکچا رہی ہوں۔ گانا اور ناچنا اب میرے بس کا نہیں۔ کامیڈی میں نے کبھی نہیں کی۔ میں کیا کروں گی شریک ہو کر۔ میری موجودہ صورت کو دیکھ کر کون یاد کر سکے گا کہ میں وہ نیتو چوہدری ہوں جو دلوں پر راج کیا کرتی تھی۔

خیر' اسٹیج ڈراما مبارک ہو۔ خدا تمہیں کامیاب کرے۔ فرصت ملے تو چھوٹا سا ایک خط مجھے لکھ دینا۔

تمہاری۔ نیتو چوہدری

○

14 اپریل 98ء

[illegible] جی

آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ شو میں ضرور شرکت کریں۔ لوگ آج بھی آپ کو [illegible] کرتے ہیں۔ آپ کو کیمرے کا سامنا کرنا آتا ہے۔ آپ اب بھی دیکھنے والوں کو دیوانہ [illegible] سکتی ہیں۔ کتنا ہی وقت گزر گیا ہو' وہ ادائیں تو آپ کے پاس اب بھی ہیں جو دل [illegible] لیا کرتی تھیں۔

اور ہاں' یہ ترکیبوں اور گر والی بات کیا لکھ دی آپ نے۔ آپ جانتی ہیں کہ [illegible] میں کبھی کسی سے متاثر نہیں ہوئی۔ اور شاید آپ بھول گئیں کہ "دیوانہ دل" میں' میں نے آپ کی کتنی مدد کی تھی۔ حالانکہ آپ اس وقت تک دل برداشتہ ہو چکی تھیں مگر [illegible] بتائی ہوئی ترکیبوں نے فلم کو بھی ہٹ کرایا تھا اور آپ کو ایوارڈ بھی دلوایا تھا۔ [illegible] ہے' دنیا میں شکر گزاری رہی ہی نہیں۔

میں آپ کے شو کا بے چینی سے انتظار کروں گی اور ضرور دیکھوں گی۔

آپ کی۔ سونیا کرن

○

14 اپریل 98ء

میری جان سونیا

حالات میرے اندازے سے کہیں زیادہ خراب ہیں۔ میں نے خط پوسٹ نہیں کیا [illegible] خود اسے لے کر اسٹوڈیو بھی نہیں' تھیٹر چلا گیا جہاں دیوار کیا گری۔۔۔ کی ریہرسل [illegible] رہی ہے۔ میں اسٹیج سے اندر کی طرف گیا تو مجھے جسم میں سنسنی دوڑانے والی وہ [illegible] آواز سنائی دی جس سے مجھے محبت ہے۔۔۔ آپ کی آواز۔ خوشی سے میرا برا حال تھا۔ [illegible] میں آپ کے اتنا قریب تھا۔ وہ ہمارے ملن کا۔۔۔ بلکہ خفیہ ملاقاتوں کا نکتہ آغاز تھا۔ میرا [illegible] خوشی سے ناچ رہا تھا۔

مگر پھر کیا ہوا وہ منحوس عورت جو سخت گیر بھی لگتی ہے' میرے پاس سے گزر کر [illegible] شخص کی طرف بڑھی۔ اس شخص نے اسے سیما کہہ کر پکارا تو میرے اندازے کی [illegible] تصدیق ہو گئی اور سونیا جی' پتا ہے کیا ہوا؟ اس بے ہودہ شخص نے آپ کے نام آنے

والے تمام خط اس چڑیل کو دے دیے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا اس کی اہمیت۔ آپ
خلاف سازش میں وہ سیما چڑیل اکیلی نہیں۔ تھیٹر کا ایک آدمی بھی اس سے ملا ہوا۔
اور بھی نجانے کتنے ہوں گے۔

میں تھیٹر سے نکل آیا۔ میں خط پوسٹ نہیں کر سکتا۔ ورنہ یہ لوگ سمجھ لیں
گے کہ ہم ان کی سازشوں کے متعلق جان گئے ہیں۔ کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں۔

لیکن سونیا جی' میں خط لکھتا رہوں گا۔ ہماری محبت ہمارے درمیان ذہنی اور
قلبی رابطہ پیدا کرے گی اور میرے خیالات آپ تک پہنچ جائیں گے۔ اس وقت تک
میں خط لکھتا اور آپ کی امانت جان کر سنبھال کر رکھتا رہوں گا۔ پھر میں خط آپ تک
پہنچانے کا کوئی طریقہ سوچ ہی لوں گا۔ بس آپ ان دشمنوں سے محتاط رہیں۔

میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ یقین رکھیں' اب میں آپ سے زیادہ دور نہیں
رہوں گا۔ ہر لمحہ آپ کے قریب ہی رہوں گا۔

بے حد محبت کے ساتھ۔ آپ کا عاشق

○

18 اپریل 98ء

روشن جان

خوش قسمتی سے آج فارغ ہوں۔ فرصت کا اس سے بہتر کیا فائدہ اٹھایا جائے
ہے کہ تمہیں خط لکھوں' سو لکھ رہی ہوں۔ بات یہ بھی ہے کہ مجھے تمہارے مشورے
کی ضرورت ہے۔ مسئلہ اتنا ڈرامائی انداز کا ہے کہ تمہیں سمجھانے کے لئے مجھے اس
اسکرین پلے لکھنا پڑے گا۔ تو سنو۔۔۔ ایک چالیس سالہ بے حد خوبصورت لیکن
والے وقتوں میں ماند پڑتی ہوئی فلم اسٹار ایک اسٹیج ڈرامے میں کام کر رہی ہے
ریہرسل کیلئے تھیٹر جاتی ہے۔ وقفہ ہوتا ہے تو وہ تھیٹر کے دروازے پر آتی ہے۔ سامنے
ایک کافی شاپ ہے۔ وہ سڑک پار کر کے وہاں پہنچ جاتی ہے۔ اب کیمرا پین کر کے
بے حد خوبصورت لڑکے کو دکھاتا ہے۔ وہ اداکارہ کو بے حد حسین مسکراہٹ سے
رہا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ اس میں تمہاری کتنی زیادہ مشابہت ہے۔
اب کیمرا میڈیم شاٹ میں ان دونوں کو ایک ہی میز پر بیٹھے دکھاتا ہے۔

اور دلکش نوجوان' حسین مگر ذرا زیادہ عمر کی اداکارہ کو جن نظروں سے دیکھ رہا ہے'
انہیں دیکھ کر پتھر بھی پگھل جائے۔ نوجوان کے انداز میں دلچسپی ہے۔ کیمرا فوراً ہی کٹ
کرتا ہے اور اداکارہ کو سڑک پار کر کے تھیٹر کی طرف جاتے دکھاتا ہے۔ گزرتے وقت
کو دکھانے کیلئے کچھ شاٹس فیڈ ان اور فیڈ آؤٹ ہوتے ہیں پھر اسی کافی شاپ میں فیڈ ان
ہوتا ہے۔ اداکارہ اگلے روز بھی ریہرسل کے دوران میں وہاں آگئی ہے۔ آج اس کی
عمر نسبتاً کم لگ رہی ہے۔ نوجوان بھی موجود ہے مگر اداکارہ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی
ہیں۔۔۔ مصنف' ہدایتکار اور اسٹیج ڈیزائنر۔

نوجوان اداکارہ کو دیکھ کر مسکراتا اور ہاتھ لہراتا ہے۔

"تم بھی آ جاؤ۔ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔" میں کہتی ہوں۔

"جی نہیں' میں آپ کو شیئر نہیں کر سکتا۔" نوجوان کے لہجے میں بے باکی ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے معذرت کر لی اور نوجوان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

اب اگلا ون۔۔۔ اگلا سین۔۔۔ ہم بیٹھے کافی پی رہے ہیں۔ میں نے اس کے
سامنے دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ میں اسے بتاتی ہوں کہ ڈانس ڈائریکٹر مجھے کتنا پریشان
کرتا ہے۔ مصروفیت کتنی زیادہ ہے۔ زندگی کوئی ذاتی چیز نہیں رہی' قومیائی ہوئی صنعت
کی طرح ہو گئی ہے۔ کامیابی کے نام پر میں کتنی ناکام ہوں۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں
کر سکتی۔ میں اس سے فلم انڈسٹری کی شکایتیں کرتی ہوں۔ ان لوگوں کی شکایتیں کرتی
ہوں جو ہر وقت شاکی رہتے ہیں اور وہ نوجوان نگاہوں میں ہمدردی لئے' ہونٹوں پر
مسکراہٹ سجائے محبت سے مجھے تکتا رہتا ہے اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ وقت مجھ پر سے
معکوس انداز میں گزر رہا ہے۔ میں جوان ہوتی جا رہی ہوں۔

یہ مجھے کیا ہو گیا ہے روشن۔ مجھے تو نوجوانوں میں کبھی دلچسپی نہیں تھی لیکن
اس نوجوان میں کوئی بات ہے' جو میرے دل کو چھو لیتی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں
کچھ بھی معلوم نہیں۔ (تم تو جانتے ہی ہو کہ میرے سامنے کسی کو بولنے کا موقع ہی
کب ملتا ہے) وہ بس مسکراتا رہتا ہے۔ جیسے کوئی راز چھپائے بیٹھا ہو۔۔۔ کوئی بے حد
حسین راز!

کبھی میں سوچتی ہوں کہ نوبت یہاں تک آ گئی کہ میں اپنے سے آدھی عمر کے

کسی نوجوان کو ایک کافی شاپ میں دیکھوں— اور اس پر مرمٹوں مگر پھر عجیب سی بے پروائی مجھ پر چھا جاتی ہے۔ طویل عرصے سے میں بے کیف مشینی زندگی گزار رہی ہوں۔ اب— چند روز سے زندگی خوبصورت لگنے لگی ہے۔ امید جاگ اٹھی ہے کیا یہ غلط ہے روشن؟ کوئی برائی ہے اس میں؟ بس یہ خیال مجھے ستاتا رہتا ہے۔

سیما کے خیال میں یہ سب احمقانہ ہے لیکن وہ ایک نارمل عورت ہے۔ نارمل رہنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اس کے شوہر کو ایک عام سی بیماری نے اس سے چھین لیا مگر میرے شوہر کو شو بزنس نے مجھ سے چھینا۔ (میرا اشارہ تمہارے کیریئر کی طرف نہیں ہے جان۔ اپنے کیریئر کا حوالہ دے رہی ہوں۔ جانتی ہوں کہ کتنی بڑی احمق تھی میں)

یہ بتاؤ روشن کہ کیا خوابوں کا یہ شہزادہ مجھے مل سکتا ہے۔ یہ بات بن سکتی ہے۔ تم بتا سکتے ہو کیونکہ سنگیتا بھی کم عمر لڑکی ہے۔ عمر میں تم سے آدھی بھی نہیں ہے اور تم اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار رہے ہو لیکن یہ بھی ہے کہ بڑی عمر کے مرد کا کم عمر لڑکیوں سے شادی کرنا فطری سمجھا جاتا ہے۔

خیر— میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ کل پھر ملوں گی۔ تم بتاؤ' ملوں یا نہیں۔ پلیز— پلیز— جواب ہاں میں دینا۔ کہہ دو کہ— جو کچھ تم کرو گی' میرے نزدیک وہی مناسب ہے لیکن تھوڑی سی رقابت بھی جتا دینا— مجھے خوش کرنے کے لئے— میری خاطر— پلیز۔

پگلی دیوانی۔ سونیا

○

18 اپریل 98ء

میری جان سونیا

میں نے کام شروع کر دیا ہے۔ جلد ہی سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔ تمہیں پتا چل جائے گا کہ دشمنوں کے مقابلے میں تم تنہا نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سونیا اور تمہیں تحفظ فراہم کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔

کاش' میں تمہیں بتا سکتا کہ میرے یہ محبت بھرے ہاتھ کتنی اہلیت رکھتے ہیں۔

ماضی میں میری محبتوں کو یہ کس کس طرح تحفظ فراہم کرتے رہے ہیں اور مستقبل میں تمہارے تحفظ کی خاطر یہ کس حد تک جا سکتے ہیں۔ میں ایسا شخص نہیں' جس کے ساتھ جو کوئی چاہے زیادتی کر دے۔ ایک مثال سناتا ہوں تمہیں—

ایک بار ایک دکاندار نے مجھ پر چوری کا الزام لگایا اور سونیا میں چور نہیں ہوں جبکہ وہ خود چور تھا۔ وہ گھٹیا مال' دو نمبر مال ایک نمبر کی قیمت پر بیچتا تھا۔ خیر اس نے میرے والدین سے شکایت کی۔ میں نے بہت انکار کیا مگر والدین نے میری ایک نہ سنی۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں محبت اور اعتبار کرنے والے ماں باپ ملیں۔ میں اس معاملے میں بہت بدقسمت ہوں۔ بہرحال پاپا نے اس دکاندار کے دعوے کے مطابق اس کے نقصان کا ازالہ کر دیا۔ بات آئی گئی ہو گئی لیکن میں نہیں بھولا۔

دو ماہ بعد اس دکان میں ایسی آگ لگی کہ کچھ بھی نہیں بچا۔ سب جل کر خاک ہو گیا۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا تم— سونیا کاش میں تمہیں یہ خط بھیج سکتا۔ یہ مصیبت کے اس وقت میں تمہارا حوصلہ بڑھاتا۔ بہرحال میں نے یہ خطوط بہت احتیاط سے چھپا دیئے ہیں۔ ان کا ضائع ہونا تو دنیائے قلم اور ادب کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔ یہ تو محبت کی ایک عظیم اور لازوال داستان کے امین ہیں۔

دکان پر صورتحال اور خراب ہے۔ کئی گاہکوں کے سامنے میری اس چھچھوری لڑکی سے زبردست جنگ ہوئی۔ اس نے جو گالیاں بکیں وہ میں اس خط میں نہیں لکھ سکتا ہوں۔ جیسے میں نے سنی ہیں اور برداشت کی ہیں' میرا ہی دل جانتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی کچھ کرنا ہو گا مگر تم میرے مسائل کی فکر نہ کرو۔ بس اس پر یقین رکھو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم محفوظ ہو۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تم سے کتنا قریب ہوں۔

تمہارا عاشق۔ ساحر انجان

○

20 اپریل 98ء

بیٹے ساحر

رات رندھیر جی نے تمہارے پاپا کو فون پر بتایا کہ دکان میں تمہارا رویہ اور کارکردگی کتنی خراب ہے۔ دیکھو بیٹے' تمہارے پاپا نے رندھیر جی سے کہا تھا کہ اگر وہ تمہیں ملازمت دیں گے تو یہ احسان ہو گا ان کا۔ اور تم نے یقین دلایا تھا کہ اس بار تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے مگر رندھیر جی کی بات سے کچھ اور ہی پتا چلتا ہے۔ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اب تمہاری طرف سے کوئی معمولی سی گڑبڑ بھی ہوئی تو وہ تمہیں نوکری سے نکال دیں گے۔ تم نے اپنے ساتھ کام کرنے والی لڑکی کو جو جو کچھ کہا' اسے سن کر میں بھی شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ایسی زبان ہمارے گھر میں تو بولی نہیں جا سکتی۔ تم یہ بات جانتے ہو۔

بیٹے ساحر' تم مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے کیوں نہیں سوچتے۔ اب تم پچیس کے ہو چکے ہو۔ کیریئر بناؤ اور گھر بساؤ۔ یوں کب تک زندگی گزرے گی۔ کیا مجھے اور تمہارے پاپا کو تم سے مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا؟ پلیز میرے بیٹے' ایسا مت کرو ہمارے ساتھ۔ ہمیں تمہاری طرف سے دکھ اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملا ہے۔ کبھی خوشی بھی دے دو۔

فقط تمہاری۔ مما

○

20 اپریل 98ء

سارہ ویدی

آج کل دل بہت گھبرا رہا ہے۔ شاید تنہائی کا احساس بہت شدید ہے۔ ان دنوں راجو زیادہ ہی یاد آ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس کو گئے گیارہ برس ہو گئے۔ مجھے تو کل کی سی بات لگتی ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہتا ہے' سب ٹھیک ہے لیکن کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ شاید اعصابی کمزوری ہے۔ میرا تصور کچھ زیادہ ہی کام کر رہا ہے۔ کل رات مجھے ایسا لگا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ سوچتی ہوں' کاش ایسا ہی ہو۔ کوئی زبردستی ہی کر لے ورنہ میں نے تو خود کو راجو کی بیوہ کے سوا کبھی کچھ سمجھا ہی نہیں۔

محبت نے سونیا کو تو بڑا سہارا دیا ہے۔ وہ اب بھی اس لڑکے سے ملتی ہے۔ کل میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی ـــــ تھیٹر کے باہر۔ سچ کہتی ہوں' بیس سال پہلے میں نے اسے دیکھا ہوتا تو خود بھی اس پر مرمٹتی ہوتی۔ اچھا ـــــ اب مجھے گھر جانا ہے۔ لوکل گاڑی نہ نکل جائے پھر خط لکھوں گی۔ بچوں کو پیار۔

تمہاری۔ سیما

○

20 اپریل 98ء

میری جان سونیا

تم اس سے ضرور ملو۔ عمر سے کوئی فرق نہیں پڑتا جس کے ساتھ خوشی ملتی ہو' اس سے ضرور ملنا چاہیے۔ زندگی میں ایک بار تو وہ کر لو جو تمہیں اچھا لگتا ہے ورنہ وہی کچھ کرتی رہو جو اچھا دکھتا ہو اور یہ تھوڑی سی رقابت کا کیا مطلب ہے۔ میں تو بہت زیادہ رقابت محسوس کر رہا ہوں۔ محبت تو کبھی ختم ہوتی ہی نہیں ـــــ اور پھر محبت بھی تمہاری مگر یہی محبت مجھے رقابت کے باوجود بہتری کو اولیت دینے پر مجبور کرتی ہے۔ خوش رہو ـــــ خوشیاں کماؤ۔

ہمیشہ تمہارا۔ روشن

○

22 اپریل 98ء

میرے روشن

تمہارے خط کا شکریہ تم ایسے بے لوث آدمی ہو۔ تم نے مجھے ہمیشہ وہ کہہ دیا جس کی میں مستحق بھی نہیں تھی۔ اچھا' اب ہو جائے کام کی بات۔ اس کا نام اجے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی عمر 29 سال ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بڑھا کر بتا رہا ہے۔ وہ ہر رات تھیٹر سے باہر میرا انتظار کرتا ہے۔ میں ریہرسل کے بعد نکلتی ہوں تو وہ مجھے گھر تک چھوڑنے جاتا ہے۔ روشن' میں بہت خوش ہوں مگر کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ میں الٹرپن کا مظاہرہ کر رہی ہوں جو مجھے زیب نہیں دیتا۔ پھر بھی ایک بات

کہوں اگر یہ پاگل پن ہے تو بھی مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ شاید میں بہت تنہا ہو گ
تھی۔۔۔ اور بہت بور۔ میری طرف جو بھی بڑھتا تھا' مجھے اسٹار سمجھ کر بڑھتا تھا۔ یہ محبا
اس لئے اچھی لگی کہ اسے کو اس کی پروا نہیں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ سنگیتا
میرا پیار کہنا۔

تمہاری سوا

○

22 اپریل 98ء

ساحر

دو دن پہلے میں نے تمہیں خط لکھا کہ خود کو ٹھیک کر لو اور اپنی ذمے داریوں
پوری طرح احساس کرو لیکن تم پر اثر نہیں ہوا۔ رندھیر جی نے ابھی فون کیا تھا۔ ک
رہے تھے کہ اب وہ تمہیں نکالنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا
کہوں۔ تم کتنا پریشان کرتے رہے ہو ہمیں۔ میں نے سوچا تھا' اب شاید اس کا صلہ
اور ہم تم پر فخر کر سکیں مگر تم نے ہر امید خاک میں ملا دی۔ تمہارے پاپا بہت غصہ
رہے ہیں اور میں مایوس ہوں۔ تمہارے پاپا کہتے ہیں کہ اب وہ تمہاری مدد نہیں کری
گے۔ اب بے روزگاری بھی تمہیں اپنے طور پر بھگتنی ہو گی۔ تمہیں اب سلیقہ آ
چاہئے کہ لوگوں کے درمیان کیسے رہا جاتا ہے۔

مگر میں سوچتی ہوں کہ تم ایک بار اس ماہر نفسیات سے مل لو' جس نے پہلی با
تمہاری مدد کی تھی۔ یاد ہے نا؟ کاش کچھ ہو سکے۔

تمہاری۔ م

○

22 اپریل 98ء

ڈیئرسٹ سونیا

مبارک ہو' بہت مبارک ہو۔ میں ایک بار پھر آزاد ہوں۔ آڈیو وڈیو شاپ کے
مینجر نے میری چھٹی کر دی۔۔۔ اس فاحشہ کی وجہ سے۔ اچھا ہوا۔ اب میں اس کے
ہاتھوں مزید ذلت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس کی تفصیل بھی سن لو۔ اس روز
میں لنچ سے واپس آیا تو نئے البموں کا شپمنٹ کھول کر ریک میں سجایا جا رہا تھا۔ میں
جانتا تھا کہ وہ بدکردار لڑکی یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ چیزوں کو ان کے مقام پر رکھ
سکے۔ میں نے چیک کیا اور دیکھ لیا کہ کچھ البم غلط جگہ پر رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے
مینجر کی توجہ اس طرف دلائی۔۔۔ چپکے سے لیکن وہ منحوس لڑکی دبے پاؤں چلتی میرے
پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اور سب کچھ سن رہی تھی۔ بس پھر کیا بتاؤں۔ اس کی زبان موٹر
لگی سلائی مشین کی طرح چلنے لگی۔ اس نے الزام لگایا کہ میں نے یہ حرکت کی ہے۔
یعنی البم ادھر سے ادھر کر دیئے ہیں' صرف اسے نکلوانے کے لئے اور مینجر کو دیکھو اس
نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔ درجنوں گواہوں کے سامنے اس نے کہا کہ اس
کا بھی یہی خیال ہے۔ بس پھر کیا تھا میں تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ میں نے فوری طور پر
اسے استعفیٰ تھما دیا۔ سونیا' میں نے اس دکان کی خاطر اپنی انگلیاں تھکا ڈالیں اور اس کا
یہ صلہ ملا مجھے۔ خیر' بھاڑ میں جائیں۔ اب وہ دکان چلائیں گے تو پتا چلے گا انہیں۔

میری جان' میں بھی کتنا خودغرض ہوں کہ اپنے دکھڑے لے بیٹھا۔ مجھے معاف کر
دینا لیکن تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تمہاری خاطر اب تک میں کتنا کچھ کر چکا ہوں۔
تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تم سے کتنا قریب ہو چکا ہوں اور اب جلد ہی میں اپنے
منصوبے پر عمل کرنے والا ہوں۔ اب تو مجھے فرصت ہی فرصت ہے۔

فکر مت کرو۔ جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ عنقریب ہمارا ملن ہو گا۔
روحوں کا بھی اور جسموں کا بھی۔ ہم خوب محبت کریں گے۔ جی بھر کے۔

تمہارا دیوانہ۔ ساحر انجان

○

25 اپریل 98ء

روشن

پچھلے دو دنوں کا حال کیا بتاؤں مگر بہرحال یہ خط ہمیشہ کی طرح شکایت نامہ نہیں ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے' میں تو اس پر ہنستی ہوں مگر لگتا ہے کہ یونہی ہنستے ہنستے پاگل خانے چلی جاؤں گی۔ بھئی سیما نے اجے کو سخت ناپسند کیا ہے بلکہ وہ گھٹیا پن کرتی ہے اس بے چارے کے ساتھ۔ بڑے گہرے طنز کرتی ہے اس پر۔ سیما کو میرے ساتھ دس برس ہو گئے مگر اس کا یہ رخ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ یہ درست ہے کہ اجے بھی اسے پسند نہیں کرتا مگر بہرحال وہ لڑکا ہی تو ہے۔ سیما خواہ مخواہ اس پر چوٹیں کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اس سے بدتمیزی کرتا ہے۔ میں وضاحت طلب کرتی ہوں تو سیما کہتی ہے اب بتاؤ' یہ بھی کوئی بات ہے لفظ تو پکڑے جا سکتے ہیں مگر لہجہ! مجھے تو لگتا ہے کہ سیما احساس محرومی کا شکار ہو گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ سیما ہی میرے مسائل بڑھائے گی تو کیا انجام ہو گا۔ سیما کو نکالنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ اتنا کچھ جانتی ہے میرے بارے میں۔۔۔ مجھے سمجھتی ہے۔ کسی اور کے ساتھ میرا گزارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ زندگی اتنی پیچیدہ کیوں ہوتی ہے روشن۔ محبت ملتی ہے تو صحیح روپ' صحیح شکل اور مناسب عمر کے ساتھ کیوں نہیں ملتی۔ اور ملاقاتیں کیوں ہوتی ہیں۔ میں اور تم علیحدہ کیوں ہوئے؟ سوری میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں روشن۔ اب تو تمہاری سنگیتا سے شادی ہو چکی ہے مگر نجانے کیوں' میں اب بھی تمہارے خواب دیکھتی ہوں۔ جیسے تم واپس آ گئے ہو۔ بستر پر لیٹے ہو۔ میں کروٹ بدلوں گی تو مجھے تمہارا چہرہ نظر آئے گا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح اور پھر نہ میں خود کو تنہا محسوس کروں گی اور نہ ہی مجھے عمر کا احساس ہو گا۔

بس بہت ہو گئی اب کہیں رونے ہی نہ لگوں میں۔ کون سوچ سکتا ہے کہ کامیابی کی بلندیوں کو چھونے والے پتھریلے ستارے روتے بھی ہیں مگر اندر کا حال کسی کو کیا معلوم۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ؟ تم اسے خوش رکھو ہم میرے بدلے تمہیں ملی ہے۔ ٹھیک ہے نا۔

تمہاری۔ سونیا

○

27 اپریل 98ء

سارہ دیدی

تمہارا بھیجا ہوا سویٹر ملا۔ بہت خوبصورت ہے۔ بننا تمہیں خوب آتا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔

یہاں واقعات اور زندگی کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں سونیا کے نئے دوست کے متعلق لکھا تھا نا وہ بہت باتونی اور چھچھورا ہے۔ کل میں سونیا کیلئے کافی بنا رہی تھی کہ وہ کچن میں آ گیا اور لگا مشورہ دینے۔ کہنے لگا' اس میں برانڈی ملا دو۔ کمبخت انگریزی ناول کثرت سے پڑھتا ہے مگر تمیز ذرا نہیں۔ اب تو وہ حساب کتاب اور ڈاک میں بھی گھسنے لگا ہے۔ میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا تو ڈھٹائی سے کہنے لگا۔ یہ سب اتنا دلچسپ ہے کہ میں باز رہ ہی نہیں سکتا۔ میں بہت پریشان ہوں دیدی۔ اوپر والا مجھے اس مقام پر کبھی نہ پہنچائے جہاں میں سوچوں کہ بس مرد کی ضرورت ہے۔ خواہ کیسا ہی ہو۔ (سونیا کی طرح)

میرے خوف کا وہی حال ہے۔ گزشتہ رات عجیب ہی ہوئی۔ اسٹیشن سے گھر تک تمام راستے کوئی میرا پیچھا کرتا رہا۔ کم بخت لائٹ گئی ہوئی تھی۔ گھپ اندھیرے میں' میں پیچھا کرنے والے کو دیکھ نہیں سکی۔ پتا نہیں' اس شہر کا کیا بنے گا اگر یہ مکان راجو کی نشانی نہ ہوتا تو میں اسے بیچ کر کسی گنجان آباد علاقے میں جا رہتی لیکن کیا کروں' یہاں میری یادیں بسی ہیں۔ اچھا دیدی' دولھا بھائی کا کیا حال ہے۔ بچوں کو پیار دینا۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

27 اپریل 98ء

ڈیئر منصور

تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ ہاؤس جاب بھی کسی ڈھنگ کے اسپتال میں کی جائے مگر اپنے نصیب کو کیا کروں۔ یہی ڈراؤنا اسپتال ملنا تھا مجھے۔ خیر جیسے تیسے وقت گزاروں گا اور یہاں سے چھٹکارا پاتے ہی تمہارے کلینک کا رخ کروں گا۔ اصل مال تو اپنی پریکٹس میں ہی ہے۔

ابھی یہاں ایک کیس آیا۔۔۔ چاقو کا۔ میرا تو دل گھبرانے لگا۔ کسی شخص نے اسٹیشن کے باہر سنسان علاقے میں ایک عورت پر اپنے چاقو کی دھار کس طرح آزمائی تھی۔ چہرہ ایسے بگاڑ دیا کہ جبڑے کی ہڈی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایسے کیس آتے ہیں یہاں۔ اچھا۔۔۔ اب میں دو گھنٹے کی نیند لے لوں۔ رات کی ڈیوٹی میں بھی چین نہیں۔

تمہارا کلاس فیلو۔ ڈاکٹر ندیم

○

28 اپریل 98ء

روشن جان

تمہیں فون کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر بات نہ ہو سکی۔ بہت خوفناک بات ہوئی ہے۔ کسی نے سیما پر حملہ کیا اور ختم کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سیما کا جیون تھا کہ وہ بچ گئی۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ رات کو لوکل سے اترنے کے بعد اپنے گھر جا رہی تھی۔ وہاں راستے میں اندھیرا ہوتا ہے۔ کب سے میں سیما سے کہہ رہی ہوں کہ مکان بیچ اور میرے ساتھ رہ مگر سنتی ہی نہیں تھی۔ اب وہ اسپتال میں ہے اور ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا ہے۔ ڈاکٹر کچھ بتاتا بھی نہیں اور ملنے بھی نہیں دیتا۔ بس اتنا معلوم ہے مجھے کہ اسے نیند کی دوا دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین تو دلایا ہے کہ سیما بالکل ٹھیک ہو جائے گی مگر مجھے اطمینان نہیں ہوا۔

کسی نے ایسا کیوں کیا؟ اور ملا کیا ہو گا اسے۔۔۔ دو ڈھائی سو روپے! روشن' پلیز تم مجھے فوراً فون کرو۔ اب سیما نہیں ہے تو میرا ہے کون۔ مجھے اجے کا بھی پتا نہیں چل رہا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ ریہرسل کے بعد میں اس کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ آیا ہی نہیں۔ چلو اچھا ہی ہے۔ اس عالم میں تمہارے سوا میں کسی سے بات کر بھی نہیں سکتی۔ میں تمہاری کال کی منتظر ہوں۔

تمہاری۔ سونیا

○

30 اپریل 98ء

میری جان روشن

کہاں ہو تم؟ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور کسی کو بھی نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو۔ پلیز مجھ سے رابطہ کرو۔

میں ابھی تک سیما سے نہیں مل سکی ہوں۔ بہرحال تفصیل معلوم ہو گئی ہے۔ سیما پر چاقو سے حملہ کیا گیا تھا۔ بڑی بیدردی سے اس پر وار کئے گئے مگر ڈاکٹر مجھے تسلی دیئے جا رہا ہے۔ اجے آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے مجھے دلاسا دے۔ بہرحال اس کی موجودگی سے بھی ڈھارس تو بندھی ہے۔

ریہرسل کیلئے تو جانا پڑا لیکن آدمی اندر سے غمگین ہو تو کام میں دل کہاں لگتا ہے۔ یہ اچھا ہے کہ میں بڑی اسٹار ہوں۔ کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی مگر میں نے جان لیا ہے کہ اندر دکھ چھپا کر ظاہر میں ہنسنا کتنا دشوار فن ہے۔ ریہرسل کے بعد میں پھر اسپتال گئی مگر میں اپنی سب سے اچھی دوست سے مل بھی نہیں سکی۔ اس کی صورت بھی نہیں دیکھ سکی۔ اب مجھے پتا چلا ہے کہ سیما میرے لئے کتنی اہم ہے۔ ایک وہی تو ہے جو پورے خلوص سے میری خدمت کئے جا رہی ہے۔ پتا نہیں' کس وحشی نے اس بے چاری کا یہ حشر کیا ہے۔

مجھے احساس جرم بھی ستا رہا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے ساتھ میرا سلوک اچھا نہیں رہا تھا مگر اب میں جانتی ہوں کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں روشن۔ فوراً فون کرو۔

سونیا

○

سونیا

میں اور شام تمہاری طرف سے فکر مند ہیں۔ پچھلی رات فون پر تم سے بات کرنے کے بعد دیر تک ہم تمہاری باتیں کرتے رہے۔ تم ایسا کرو کہ چند روز کیلئے ہمارے ہاں آ جاؤ۔ مجھے ان حالات میں تمہارا وہاں تنہا رہنا اچھا نہیں لگتا۔ بس آ جاؤ۔

تمہاری۔ نیلم

ٹیلی گرام

سونیا جی

آج شام ہم ممبئی پہنچ رہے ہیں۔ سیدھے اسپتال جائیں گے۔ آپ کی پیشکش کا شکریہ لیکن ہم سیما کے گھر میں ہی قیام کریں گے۔ آپ نے جو کچھ کیا' اس پر ہم بے حد شکر گزار ہیں۔ آپ ہمیشہ سکھی رہیں۔۔۔

سیما کی بہن۔ سارہ بیدی

○

30 اپریل 98ء

مینجر ہلٹن ہوٹل

میں 29 مئی سے 31 مئی تک کے لئے آپ کے ہوٹل کا بہترین سوئٹ ریزرو کروانا چاہتا ہوں۔ اس میں تمام سہولتیں موجود ہونی چاہئیں۔ ایک ہزار روپے کا چیک بھجوا رہا ہوں۔ باقی رقم چیک آؤٹ کے وقت ادا کی جائے گی۔ ہر چیز کا خیال رکھئے گا۔ اس ویک اینڈ پر میری مہمان کوئی معمولی ہستی نہیں' انٹرنیشنل اسٹار سونیا کرن ہوں گی۔ خیال رہے کہ میں اور سونیا جہاں بھی جاتے ہیں' ہمیں بہترین سروس ملتی ہے۔

آپ کا مخلص۔ ساحر انجان

○

30 اپریل 98ء

پریم نگر فلاور شاپ

میں 29 مئی کو اپنی ایک مہمان کے ساتھ ہوٹل ہلٹن پہنچ رہا ہوں۔ سوئٹ ریزرو کرا لیا گیا ہے۔ ہم آدھی رات کے قریب وہاں پہنچیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک آپ ہمارے سوئٹ کو پھولوں سے اس طرح سجا دیں کہ یہ موقع یادگار بن جائے۔ یہ آپ کی خوش ذوقی اور ہنرمندی کا امتحان ہے۔ دو سو روپے کا چیک بطور ایڈوانس منسلک ہے۔

مخلص۔ ساحر انجان

○

30 اپریل 98ء

جان آرزو' میری سونیا

اب تک تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا اور میرے خلوص اور محبت پر تمہیں کوئی شبہ نہیں رہا ہو گا۔ تم نے دیکھا' میری محبت کی موج دشمنوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئی۔ تم میری جان ہو' میری تنہائیوں کی ساتھی ہو' میرا تمہارا جسم اور روح کا اٹوٹ رشتہ ہے۔

سب کچھ بہت آسان تھا۔ اخلاق پڑھانے والے لوگ دوسروں کو یقین دلاتے ہیں کہ تشدد بہت بدصورت اور بے رحمانہ ہوتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں۔ وہ تو بہت خوبصورت ہوتا ہے۔۔۔ جیسے کلاسیکی رقص جیسے مرد اور عورت کی خوبصورت یکجائی۔ میں سب کچھ تمہارے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔

میں شام چار بجے تمہارے پتے پر پہنچا تھا۔ خوبصورت عمارت سر اٹھائے کھڑی تھی۔ گرد و پیش زرد دھوپ میں نہایا ہوا بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ میں پارک میں بنچ پر بیٹھ گیا۔ میری جیب میں چاقو تھا اور نظریں بلڈنگ کے گیٹ پر تھیں۔ مجھے اطمینان تھا کہ میرا یہ چاقو تو میری محبت اور عشق کا ثبوت فراہم کرے گا۔

میں وہاں بیٹھا رہا۔ پھیری والے گزرتے رہے کچھ بچے پارک میں کھیل رہے تھے۔ میں نے سوچا' کسی دن میرے اور تمہارے بچے بھی یہاں کھیلیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ کیریئر کی موجودگی میں تم بچوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری قبول نہیں کر سکتیں مگر تم اس کی فکر نہ کرو انہیں اور گھر کو میں سنبھال لوں گی۔ بس مجھے ایک چھوٹی سی خوشی ضرور دے دینا۔ میں تمہارا کیریئر خراب نہیں ہونے دوں گا۔ ہم عقل مند انسان ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم عوام کی بھی ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو مجھ پر بہت بھاری ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے۔ میں خودغرض نہیں ہوں۔ ہم کوئی عام لوگ نہیں کہ دوسرے کی پروا کئے بغیر زندگی گزار دیں۔ ہم بڑے لوگ ہیں۔

خیر پانچ بجے میں نے اس عورت کو تمہاری بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ بے شمار پیکٹ اٹھائے ہوئے تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ تمہارے پیسے سے اپنے لئے شاپنگ کرتی پھر رہی ہے۔ اس نے رک کر چوکیدار سے کچھ بات کی۔ وہ دونوں ایک

دوسرے کی طرف جس سازشی انداز میں جھکے اور راز دارانہ انداز میں بات کی' اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ چوکیدار بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے میں نے فیصلہ کیا کہ بعد میں موقع آنے پر چوکیدار کو بھی چیک کروں گا۔

سات بجے کے ذرا بعد تمہاری سیکریٹری باہر آئی۔ میں مناسب فاصلے سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ وہ لوکل ٹرین میں بیٹھی۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ پورے سفر میں' میں نے اس پر نظر رکھی۔

وہ بڑا تکلیف دہ سفر تھا۔ حقیر بدبودار لوگ اپنے گھٹیا کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی چوہے کے بلوں جیسی کھولیوں کا رخ کر رہے تھے۔ اوپر والے کا کرم ہے سونیا اس نے تمہیں اس زندگی سے محفوظ رکھا اور عنقریب میں بھی اس انداز کی بدبو دار زندگی سے پیچھا چھڑا لوں گا۔ بس پھر میں ہوں گا اور تم ہو گی۔

خیر سفر ختم ہوا۔ تمہاری سیکریٹری اتری۔ اس کے پیچھے میں بھی اتر آیا۔ میرا ہاتھ جیب میں تھا اور اس میں موجود چاقو پر میری گرفت بہت سخت تھی۔ یقین کرو' ایک لمحے کو تو مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میں اس کے پیچھے چلتا رہا وہ سیڑھیاں اتر کر دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچی اور وہاں سے باہر نکل گئی۔ وہاں اکیلی تھی۔

باہر تنہائی بھی تھی اور اندھیرا بھی۔ میں نے دبے پاؤں فاصلہ کم کیا اور اسے پکارا۔۔۔ سیما۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ میرا چاقو ہوا کو چیرتا ہوا لپکا اور اس کے چہرے کو کاٹتا ہوا نیچے آیا۔ اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس کے چہرے پر کتنے وار کئے۔ مجھے تو وہ وھند میں لپٹا ہوا خواب سا لگ رہا تھا۔ ہاتھ کی حرکت کلاسیکی رقص جیسی تھی۔ خوبصورت۔۔۔ اور رقص کی گرامر کے عین مطابق۔ پھر میں احساس فتح سے شرابور ہو گیا۔

وہاں ایسی خاموشی چھا گئی۔۔۔ مقدس اور پرسکوت' جیسے مرد اور عورت کی یکجائی کے بعد ہوتی ہے اور مجھے سکون بھی ویسا ہی ملا۔ جیسے تم اور میں جسمانی طور پر ملے ہوں۔ اب مجھے کوئی ڈر نہیں۔ یہ خط میں تمہارے گھر کے پتے پر پوسٹ کروں گا اور اگر تمہارا جواب نہیں ملا تو سمجھ لوں گا کہ چوکیدار کے بارے میں میرا اندازہ درست ہے۔ پھر اس کا بھی کچھ کروں گا۔ اب مجھے اجازت دو۔ ہر مصروفیت تمہارے ہی لئے

ہے۔

تمہارا جاں نثار عاشق

ساحر انجان

○

یکم مئی 98ء

روشن جان

تمہارا شکریہ کہ آدھی رات تک تم مجھ سے فون پر بات کرتے رہے۔ مجھے جب بھی ضرورت پڑی ہے' تم نے میرا ساتھ دیا ہے۔ سنو' سنگیتا کو برا تو نہیں لگا؟ وہ بدگمان تو نہیں ہوئی؟

آج میں سیما سے ملی۔ اف روشن کیا بتاؤں اس کا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہے اور وہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہی ہے۔ میں نے اس کی پہلی جھلک دیکھی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن پھر میں اس کے پاس بیٹھی اور اسے مسکراتے دیکھا تو کچھ جان میں جان آئی۔ اور روشن اس نے مجھے روتے دیکھا تو ایسی ایسی گالیاں دیں مجھے کہ میں نے کبھی سنی بھی نہیں۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ دنیا میں نہ سیما جیسا کوئی ہے میرے لئے اور نہ ہو گا۔ البتہ تمہاری بات اور ہے۔ تم تو مرد ہو نا۔ میں تم دونوں کے احسانات کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

محبتوں کے ساتھ۔ تمہاری سونیا

○

یکم مئی 98ء

میری رس بھری

رات میں نے خواب دیکھا۔۔۔ پتا ہے کس کا؟ تمہارا۔۔۔ اور میں نے تمہیں ساحل سمندر پر غسل کے لباس میں دیکھا۔ تم ریت پر لیٹی ہوئی تھیں۔ تمہارا بدن شعلہ جوالہ لگ رہا تھا۔ اوہ کھلے ہونٹ مجھے پکار رہے تھے۔ تمہاری خوشبو میری سانسوں کو چھو رہی تھی۔ میں لپکا۔ کچھ دیر کھڑا میں تمہیں دیکھتا رہا۔ پھر۔۔۔ پھر جو کچھ

ہوا' وہ تم سمجھ سکتی ہو مگر میں اسے لفظوں میں بیان کر کے اس کی خوبصورتی کو بدصورتی میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

میں اپنی لذت کا حال کیا لکھوں۔ ابھی تک اس کے سحر میں کھویا ہوا ہوں۔ تم نے بعد میں مجھے بتایا کہ تمہاری زندگی میں مجھ جیسا نہ کبھی آیا ہے' نہ آئے گا۔ میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سچ ہے۔ تمہارے تحفظ کی خاطر جو کچھ میں نے کیا' وہ تو محض آغاز ہے کون کرے گا ایسا۔ یہ وہ محبت ہے جسے میں اور تم الگ الگ اس دنیا میں اجنبیوں۔۔۔ کسی اور سیارے کی مخلوق کی طرح ہم ترستے رہے ہیں مگر اب یہ محبت ہمیں مل گئی ہے۔۔۔ ہمیشہ کیلئے۔ اسے ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

تم فکر نہ کرو سونیا سیما مودی تمہارے محافظ کے قہر کا پہلا شکار تھی' آخری نہیں۔ وہ تو تنبیہہ تھی ان لوگوں کے لئے جو میرے اور میری محبوبہ کے بیچ میں آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تمہارے وصل کا خواہاں
ساحر انجان

○

3 مئی 98ء

سونیا جان

دنیا میں اور کوئی ایسا نہیں جس سے میں گھنٹوں باتیں کروں اور نہ تھکوں۔ ایک تم ہی تو ہو۔ کاش موضوع گفتگو سیما نہ ہوتی۔ کاش ہم خوشگوار وقت گزارتے۔ سیما کو میری طرف سے بہت بہت پوچھ لینا اور ہاں' ہمارے احسانات کے بارے میں سوچ کر خود کو ہلکان مت کیا کرو۔ ہم تم سے محبت کرتے ہیں تو اس لئے کہ تم بھی ہم سے محبت کرتی ہو۔ محبت تو محبت ہی کے عوض ملتی ہے۔ اوکے؟

تمہارا روشن

○

3 مئی 98ء

میرے روشن

سیما جتنی تیزی سے سنبھلی ہے' اس پر مجھے یقین نہیں آتا۔ میں نے کبھی اسے اتنا سخت جان نہیں سمجھا تھا۔ بہرحال مجھے بہت خوشی ہوئی۔ یہ تو میں نے تمہیں بتایا ہی نہیں کہ میں نے سیما کی بہن کو خط لکھ کر بلوا لیا تھا۔ وہ دہلی میں رہتی ہے اور سیما سے بہت ملتی ہے۔ وہ ایسے ملی' جیسے مجھے برسوں سے جانتی ہو۔ اسپتال جیسی خوفناک جگہ بھی ہم تینوں گھنٹوں خوش گپیاں کرتے ہیں۔ ہنستے بولتے ہیں۔

روشن' یہ اجے میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی تو وہ مجھے نعمت کی طرح لگتا ہے اور کبھی وبال لگتا ہے۔ پچھلی رات ہم اسپتال سے نکلے تو میں اتنی تھک چکی تھی کہ چلنا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ بس چلتا تو میں سیما کے ساتھ ہی لیٹ کر سو جاتی اور پتا ہے' اجے نے کیا فرمائش کی؟ کہنے لگا' کلفی شاپ چلیں۔ وہاں چل کر پرانی یادیں تازہ کریں گے۔ آپ مجھے وہیں ملی تھیں نا۔ میں اس کا دل رکھنے کو چلی گئی اس کے ساتھ۔ وہاں کمنہ اور عزیز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ دونوں اجے کے ہم عمر ہی ہیں مگر ان کے انداز میں پختگی اور اطوار میں شائستگی ہے۔ جبکہ اجے کے انداز سے لڑکپن جھلکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہے۔ اجے تمام وقت اپنی سیاحت کے قصے سناتا رہا۔ بور کر کے رکھ دیا سب کو مگر اسے احساس بھی نہیں ہوا۔ میں شرمندہ ہوتی رہی۔ رات کو دو بجے بڑی مشکل سے میں نے اسے اٹھنے پر آمادہ کیا ورنہ وہ تو رات جگے کے موڈ میں تھا۔ روشن ایسا ہو تو نہیں سکتا مگر میں سوچتی رہی کہ کاش اجے تم جیسا ہوتا۔

اب خط ختم کرتی ہوں۔ کپڑے دھلائی کیلئے بھجوانے ہیں۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ یہ اور بڑا مسئلہ ہے کہ کب کون سا لباس پہنوں۔ اب سیما کی قدر کھل رہی ہے مجھ پر۔ بھئی اس کے بغیر میں تو کسی کام کی نہیں ہوں۔ ادھر پرستاروں کی ڈاک کا ڈھیر لگ رہا ہے۔ میں نے صرف تمہارے خط نکالے ہیں اب سوچتی ہوں' ڈاک بھی چیک کر ہی لوں۔

شکر گزاری اور محبت کے ساتھ
تمہاری اپنی سونیا

4 مئی 98ء

جان من سونیا

ہر صبح اس امید کے ساتھ اٹھتا ہوں کہ تمہارا خط آج آئے گا لیکن ابھی تک جوابی خط سے محروم ہوں۔ توقع تھی کہ میری محبت کے "عملی ثبوت" کے بعد تم مجھے جوابی خط ضرور لکھو گی۔ میں تم سے جواب میں کچھ نہیں مانگتا۔ سچی محبت بلا قیمت دی جاتی ہے۔ لیکن قبولیت کی کوئی علامت تو بہرحال ظاہر کرنا چاہیے۔ یہ تو سمجھتا ہوں کہ ہمیں محتاط رہنا ہو گا اور سمجھ داری سے کام لینا ہو گا۔ ابھی پولیس سے بھی نمٹنا ہے اور ان لوگوں سے بھی جو تمہاری سیکریٹری کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ مگر ایسا بھی کیا کہ تم سب سے چھپ کر چپکے سے مجھے ایک دو سطری خط بھی پوسٹ نہ کر سکو۔

سونیا' اگر کہیں تم میرے پچھلے خط کی بے باکی کی وجہ سے خط لکھنے سے گریز کر رہی ہو تو میں تم سے معذرت ہی کر سکتا ہوں۔ میرا ہرگز ایسا کوئی مقصد نہیں تھا کہ تمہاری توہین کروں۔ لیکن میرا نظریہ ہے کہ جب دو انسان باہم محبت کرتے ہیں تو دلوں اور روحوں کے ساتھ ان کے بدن بھی ایک ہو جاتے ہیں۔ تمہیں شاید میری بے باکی بری لگی ہو مگر جاناں یقین کرو' یہ بری ہے نہیں۔ اس کا مطلب احترام کی کمی نہیں' محبت کی شدت ہے۔ یہ بری یا احترام کی کمی کا باعث ہوتی تو مجھے وہ خواب نظر ہی نہیں آتا۔

میری جان پلیز--- میرے خط کا فوراً جواب دو ورنہ اب میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی اور بھی موجود ہے جو میرے خطوں کے اور تمہارے بیچ حائل ہے۔ اگر ایسا ہے تو بھی تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں سے کیسے نمٹا جائے۔

محبت بھرے بوسوں کی برسات کے ساتھ۔ تمہارا فاتح

ساحر انجان

5 مئی 98ء

روشن جان

خبریں ہی خبریں ہیں۔ سیما بالکل پہلے جیسی ہو گئی ہے۔ وہ سخت برہم ہے کہ اسے اسپتال میں رکھا جا رہا ہے۔ اسے کریدا گیا۔ اس رات کے واقعات اسے کچھ زیادہ یاد نہیں۔ کہتی ہے' کسی نے اس کا نام لے کر اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور فوراً ہی اس پر چاقو کے پے در پے وار کیے جانے لگے۔ پولیس کا خیال ہے کہ سیما اس سے زیادہ جانتی ہے لیکن خوف زدہ ہے اس لیے زبان کھولتے ہوئے ڈر رہی ہے۔

مگر میں جانتی ہوں کہ سیما کیسی نڈر ہے۔ وہ بھلا کسی سے ڈرے گی۔ اب بھی تم اسے ہنستے ہوئے دیکھو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ اس عالم میں بھی وہ ہنس سکتی ہے کہ آدھے چہرے میں جنبش بھی نہ ہو' ورنہ ٹانکے کھل جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہنستے ہوئے اس کی آواز ہی عجیب ہو جاتی ہے۔ کوئی بزدل آدمی ایسی صورتحال میں ہنسنے کا تصور کرتے ہوئے بھی ڈر جائے گا--- مگر سیما تو سیما ہے۔

اب آؤ باقی معاملات کی طرف۔ آج مجھے بتایا گیا کہ "دیوار کیا گری" 15 مئی سے باقاعدہ پیش کیا جانے لگے گا۔ مجھے تو یقین نہیں آتا لیکن پروڈیوسر بہت سیریس ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جس طرح لوگ بکنگ کرا رہے ہیں' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ڈراما مہینوں اسٹیج کی زینت بنا رہے گا۔ روشن' میرا رول بے حد پاور فل ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اس میں زندگی کی لازوال پرفارمنس دوں گی۔

اور اب زندگی کی شکایات! اجے کے دماغ میں نجانے کہاں سے یہ بات سما گئی ہے کہ میں اسے لے کر کسی سفر پر روانہ ہونے والی ہوں۔ اصل میں اسے خواہش بہت ہے میرے ساتھ ورلڈ ٹور کرنے کی۔ میں نے اسے بٹھا کر سمجھایا کہ اسٹیج ڈراما باندھ دینے والی چیز ہوتا ہے۔ ابھی تو صرف گھنٹے سے زیادہ کے لیے شہر سے باہر بھی نہیں نکل سکتی اور کون جانے ڈراما کتنے عرصے چلے۔ پھر اگر یہ نہ بھی ہو تو سیما کو اس حال میں چھوڑ کر بھی میں کہیں جانے سے رہی' مگر اجے بات سمجھتا ہی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ اگر یہ تعلق ختم ہوا تو مجھے دکھ ضرور ہو گا۔ میں سچ مچ اسے پسند کرنے لگی ہوں۔

اب مجھے گھر جانا ہے کپڑوں کی فکر کرنی ہے۔ ڈاک کھول کر چیک کرنی ہے۔ گھر کا حلیہ بگڑ چکا ہے اتنے دن میں۔ عارضی طور پر سیما کا کوئی متبادل ہو تو بتاؤ اور سنو' میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اب سنگیتا کو لے کر کہیں نہ جانا۔ میں چلتی ہوں اور کھانے سے پہلے دودھ پینا نہ بھولنا۔

تمہاری اپنی سونیا

○

5 مئی 98ء

سارہ دیدی

تم میری خاطر اتنی دور سے گھر بار چھوڑ کر آئیں۔ اس محبت کا کیسے شکریہ ادا کروں۔ مجھے تمہاری آمد نے جو سہارا دیا' فائدہ پہنچایا وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ میں تو اب اس واقعے کو برا بھی نہیں کہتی کہ اسی نے مجھے اور تمہیں۔۔۔ برسوں کے بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔

اور سناؤ سونیا کیسی لگی تمہیں؟ تم نے دیکھا' اس نے اس عرصے میں مجھے کتنا وقت دیا۔ کیسی خوش مزاج ہے وہ۔ تمہارے سامنے بھی میرا چڑچڑا پن اور بدتمیزیاں برداشت کر رہی ہے۔ کوئی دنیا میں ہو گا ایسا۔ اب بتاؤ میں اسے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔

یہاں اسپتال میں اب بھی میرے ساتھ اسٹارز جیسا برتاؤ ہو رہا ہے۔ بس پرہیزی کھانے سے بیزار ہو چکی ہوں۔ کاش کوئی ڈھنگ کا کھانا مل جائے۔ کوئی سویٹ ڈش ہی مل جائے۔ میرے لیے خدا سے دعا کرتی رہو۔ بچوں کو پیار۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

7 مئی 98ء

میری سونیا

میں جانتا ہوں کہ اجے کے معاملے میں تم پر کیا گزر رہی ہے کیونکہ میں سنگیتا کو جیسے بھگت رہا ہوں' میرا ہی دل جانتا ہے۔ وہ بے چاری ابھی تک میرے دوستوں کو

قبول نہیں کر سکی ہے۔ شاید ان کی بالغ النظری اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اس نے ملنا جلنا' میرے ساتھ جانا آنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ بس گھر بیٹھی میری واپسی کا انتظار کرتی رہتی ہے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے جان کہ ہم دونوں ہی آخر میں اپنے سے کہیں زیادہ کم عمر لوگوں میں جا الجھے۔ کبھی کبھی رات کو نیند اچٹ جاتی ہے اور میں بیڈ روم سے نکل آتا ہوں۔ باہر لاؤنج میں بیٹھ کر میں ہمیشہ غور کرتا ہوں کہ وہ کیا اسباب تھے' جنہوں نے آخر میں ہمیں توڑ ڈالا کہ جدا کر ڈالا مگر اس سوال کا جواب مجھے آج تک نہیں ملا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ایک دوسرے کے لیے ہماری محبت میں کمی تھی۔ بات شاید یہ ہے کہ ہم دونوں نے غلطیاں کیں اور انہیں نہ سمجھا' نہ تسلیم کیا۔

خیر' مجھے سنگیتا کو گھر سے نکالنے اور مصروف کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ وہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہنے کی کوشش کرتی ہے' جس سے میرے کام میں حرج ہوتا ہے۔ وہ مصروف ہو جائے گی تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ بہرحال وہ بہت پیاری لڑکی ہے اور میں اس سے محبت بھی کرتا ہوں لیکن شاید مسئلہ بھی یہی ہے کہ وہ لڑکی ہے' پختہ عورت نہیں۔

تم اپنا اور سیما کا خیال رکھنا مجھے ہر وقت تمہاری فکر رہتی ہے۔

تمہارا اپنا روشن

○

10 مئی 98ء

روشن

تمہارا خط آج صبح ملا۔ ڈاک کے انبار میں سے یہ واحد خط ہے جو میں نے نکال کر کھولا ہے۔ میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی میں گرم مزاج اور غصہ ور تھی اور تم بے حد متحمل مزاج تھے۔ اب کیا ہو گیا تمہیں۔ سنو' ابھی سنگیتا کی عمر ہی کیا ہے۔ تم اس سے بڑی توقعات رکھ کر اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ ایک تو تم جیسے اہم اور مصروف آدمی کی بیوی ہونا ویسے ہی آسان کام نہیں۔ یقین کرو' تمہارے دوستوں میں وہ خود کو آؤٹ آف پلیس محسوس کرتی ہے تو یہ غلط نہیں۔ وہ ہے بھی۔ تمہارے

تمام دوست جہاں دیدہ قسم کے خرانٹ مرد ہیں اور سنگیتا بے چاری سیدھی سادی پہاڑی لڑکی ہے۔ تم تحمل سے کام لو۔ جلد ہی وہ خود کو' اپنی صلاحیتوں کو دریافت کر لے گی۔ اسے شاپنگ کا چسکا لگے گا' محفلوں میں جائے آئے گی تو اسے پرواہ بھی نہیں ہو گی کہ تم گھر واپس آئے ہو یا نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس وقت سے لطف اٹھاؤ ورنہ بعد میں اسے ترسو گے۔ تم جانتے ہو کہ فلم انڈسٹری کتنی تیزی سے آدمی کو خراب کرتی ہے اور سنو روشن' خامیاں تم میں بھی ہیں۔ حاکمیت تم میں بلا کی ہے۔ ایسے میں تم یہ بھی بھول جاتے ہو کہ تمہارا واسطہ صنف نازک سے پڑا ہے۔ اور کبھی اپنی سوچوں میں گم ہوتے ہو تو مخاطب کو پانچ منٹ گھورنے کے بعد اچانک کہتے ہو۔۔ پھر سے کہنا' میں نے سنا نہیں۔

ابھی سیما نے فون کیا تھا' وہ پریشان تھی۔ آخر حملہ آور کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟ اس نے وار کرنے سے پہلے سیما کا نام لے کر اسے پکارا تھا۔ اب تو مجھے بھی اس بات پر پریشانی ہو رہی ہے۔ کسی نے چند سو روپوں کی خاطر اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا۔ یہ سوال بہت اہم ہے۔

میرا خیال ہے' میں ہسپتال چلی جاؤں۔ سیما بہت پریشان لگ رہی تھی گھر اور ڈاک کو بعد میں دیکھوں گی۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں روشن۔ بس تم اپنے غصے پر قابو رکھو اور سنگیتا کا خیال رکھو۔

تمہاری۔ سونیا

○

10 مئی 98ء

جنرل سیکریٹری

یونین' نگار اپارٹمنٹس

آپ کو یاد ہو گا کہ میں اور میرے شوہر پہلے بھی سونیا کرن کی شکایت کر چکے ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک اداکارہ کے پڑوسی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ سے بے آرام رہتے ہیں لیکن گزشتہ رات۔۔ بلکہ آج صبح جو کچھ ہوا' وہ ناقابل برداشت ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

کوئی دو بجے کے بعد کا وقت ہو گا کہ اچانک سونیا کرن نے گلا پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ وہ پارٹی والی مسرت بھری چیخیں نہیں تھیں۔ میرے شوہر اور چند اور پڑوسی ان کے دروازے پر پہنچے۔ انہوں نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ مقصد سونیا جی کی خیریت معلوم کرنا تھا' دروازہ تو نہیں کھلا مگر برتن پٹخنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ میرا خیال ہے ان کے ہاں کوئی برتن سلامت نہیں رہا ہو گا پھر گالم گلوچ شروع ہو گئی۔ کچھ دیر بعد سونیا نے دروازہ کھولا اور پڑوسیوں کو ڈانٹا اور دفع ہو جانے کو کہا۔ اس کے بعد ہم تمام پڑوسی سونے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

آج تمام پڑوسی میرے اپارٹمنٹ میں اکٹھا ہوئے۔ اب ہم متفقہ طور پر آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ سونیا کو رات گئے کے اس غل غپاڑے سے باز نہیں رکھ پائیں گے تو ہم سونیا کے خلاف قانونی کارروائی کریں گے۔ میں آپ سے تین دن بعد ملوں گی۔ کاش' آپ کچھ کر سکیں۔ ورنہ ہمیں مجبوراً عدالت میں جانا پڑے گا اور یہ بھی ہے کہ اسی مقصد سے سونیا کرن کی شہرت خراب ہو گی اور مقبولیت پر منفی اثر پڑے گا۔

خلوص کیش۔ ریٹا کنور

○

تو ہو پولیس اسٹیشن

انسپکٹر کشور رانا

کمشنر نے حکم دیا ہے کہ تمہیں فوری طور پر مشہور اداکارہ کرن کے گھر پہنچنا ہے۔ جو کیس تمہارے ہاتھ میں ہے' اسے بدری پرشاد کے سپرد کر دو۔ باقی ہدایات ماری ابتدائی رپورٹ کے بعد دی جائے گی۔

ولسن

○

شالیمار تھیٹر کے نوٹس بورڈ پر لگا ہوا نوٹس

اچانک بیمار ہو جانے کے سبب "دیوار کیا گری" کی ہیروئن سونیا کرن چند روز تک ریہرسل میں شریک نہیں ہو سکیں گی۔ لہٰذا ڈرامے کے افتتاح کی تاریخ تبدیل کی جا رہی ہے۔ اب افتتاح 22 مئی کو ہو گا۔ اپنے ریہرسل شیڈول کے بارے میں معلومات کیلئے کاسٹنگ ڈائریکٹر سے رابطہ کریں۔

○

11 مئی 98ء

ڈیئر سونیا

آج میں سیما کی عیادت کیلئے اسپتال گئی تو اس سے پتا چلا کتنی خوف ناک بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پولیس کوئی کوتاہی نہیں کرے گی کیونکہ معاملہ کسی عام شہری نہیں، تمہارا ہے۔ لیکن میری رائے میں تمہیں کچھ دن کیلئے ممبئی چھوڑ دینا چاہیے ڈرامے کو بھول جاؤ۔ تمہاری زندگی سب سے زیادہ اہم ہے۔ تم ایسا کرو کہ جب تک وہ پکڑا نہیں جاتا، میرے گھر آ کر رہو۔ تمہارا اکیلے رہنا بہرحال مناسب نہیں ہے۔ میں نے فون پر روشن سے بات کی تھی۔ وہ بھی متفق ہے تم آؤ تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔

تمہاری نیتو چوپڑا

○

11 مئی 98ء

میرے روشن

صبح تم نے فون پر جو کچھ کہا، اس کا شکریہ۔۔۔ لیکن بات غلط تھی۔ سیما کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی ذمے دار میں ہوں۔ تمہارے خیال میں میرا یہ سوچنا درست ہے۔ ہے نا؟ تو پھر شاید میں پاگل پن کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ میں نے جب وہ کھولے اور پڑھے تو پاگلوں کی طرح چلانے لگی او گڈ۔۔۔ مجھے سمجھ جانا چاہیے روشن، سیما اس کے خطوں کا مذاق اڑاتی تھی، مگر مجھے تو سمجھ لینا چاہیے تھا۔ میں خطرے کو اس وقت تک محسوس ہی نہیں کرتی جب تک وہ سر پر نہ آ پہنچے۔ اب

خط تو سب ضائع کیے جا چکے ہیں۔ ہمارے پاس ساحر انجان کے نام کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ سیما ذہن پر زور دیتی رہی پتا یاد کرنے کیلئے لیکن کچھ بھی یاد نہیں آیا ظاہر ہے، یہاں تو سیکڑوں خط آتے ہیں۔ سیما کو بس اتنا یاد ہے کہ وہ کسی آڈیو ویڈیو شاپ میں ملازمت کرتا ہے مگر روشن اس شہر میں ایسی ہزاروں دکانیں ہیں۔

اس نے خط میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ کس پتے پر خط لکھنا ہے۔ یہ کیا بکواس ہے۔ میں کیا جانوں، میں تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔

کل ماہر نفسیات ڈاکٹر شرما آیا تھا۔ میں نے اپنی یادداشت کی حد تک خطوں کا مضمون اسے سنایا کیونکہ خط تو اب پولیس کی تحویل میں ہیں۔ شرما کہتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا، ایسے مریض کبھی خود فریبی کے کسی اور راستے پر بھی چل پڑتے ہیں اور پھر کبھی پہلے راستے کا رخ نہیں کرتے مگر یہ تو محض خیال ہے کہ کوئی ضمانت تو نہیں کہ ایسا ہی ہو گا۔

روشن، میں ٹوٹتی جا رہی ہوں۔ میں سو بھی نہیں سکتی۔۔۔ اور کچھ سوچ بھی نہیں سکتی۔ بے چاری سیما کے سوا۔

نہیں روشن، تم اپنی شوٹنگ چھوڑ کر مت آؤ۔ کام زیادہ ضروری ہے اور پھر میں یہاں اکیلی تو نہیں ہوں۔ اجے بھی میرے پاس ہے اور وہ انسپکٹر کشور رانا مجھے پولیس والا کم، اور ماہر نفسیات زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس عالم میں مجھے ہنسا دیتا ہے۔ تم آؤ مت لیکن پلیز، مجھے ہر رات فون کرتے رہو۔

کمزور اور ناتواں۔ سونیا

○

تم سے میں نے یہ سبق سیکھا ہے کہ جب تک زندگی ہے، زندگی اچھی طرح جینے اور خوشیاں سمیٹنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

اچھا ویدی، اب اجازت۔ بچوں کو پیار دینا۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

میں بتا دوں کہ دلو والوں کیلئے اگلے چند ہفتے سکون اور اطمینان کے ہیں لیکن مکمل اور مستند معلومات کیلئے مکمل کوائف جاننا ضروری ہے۔ گڈ آپ کی حفاظت کرے۔

مخلص۔ مایا خان

○

12 مئی 98ء

میری جان

ابھی تک مجھے جوابی خط نہیں ملا ہے۔ اب میں اسے کیا سمجھوں۔ میرے ذہن میں خوفناک خیالات رینگ رہے ہیں۔ میری قسمت کے ستارے' میری محبت' میں تم پر بھی شک کرنے لگا ہوں لیکن اس سب کے باوجود میرا ذہن کہتا ہے کہ سب شکوک و شبہات بے بنیاد ہیں۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ ان سے ایک بار پیچھا چھڑا ہی لیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا تمہارے اپارٹمنٹ سے بہت زیادہ قریب ہونا "ہمارے" لیے کن ہو گا لیکن تمہاری بلڈنگ کے سامنے جو پارک ہے وہاں پھول دار گھنی جھاڑیوں کی ایک باڑھ بڑے کام کی ہے۔ سو میں نے یہی کیا۔ تمہارے چوکی دار پر میں نے خاص طور پر نظر رکھی۔ یاد ہے نا کہ میں اسے تمہاری سیکریٹری کے ساتھ سازش میں ملوث پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

میں تین دن سے اس پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ ڈاک کے پہنچنے کے وقت صرف ایک بار موجود تھا۔ باقی دونوں دن دوسرا چوکیدار تھا۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔ یہ کہ میرے خط تم تک پہنچ گئے ہیں۔

تو پھر تم نے مجھے جواب کیوں نہیں دیا؟

ساتھ جو کچھ ہوا' اس کی ذمے دار میں ہوں۔ تمہارے خیال میں میرا یہ سوچنا درست ہے۔ ہے نا؟ تو پھر شاید میں پاگل پن کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ میں نے جب وہ خط کھولے اور پڑھے تو پاگلوں کی طرح چلانے لگی او گڈ۔۔۔ مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا روشن' سیما اس کے خطوں کا مذاق اڑاتی تھی' مگر مجھے تو سمجھ لینا چاہیے تھا۔ میں خطرے کو اس وقت تک محسوس ہی نہیں کرتی جب تک وہ سر پر نہ آ پہنچے۔ اب

میرے دماغ میں بار بار ڈنک مارے جاتے ہیں۔ میں تمہارے خط کا اسی طرح انتظار کر رہا ہوں جیسے کوئی ڈوبنے والا کسی تنکے سے آس لگاتا ہے۔ یا جیسے کسی بہت بڑی عمارت کے ملبے میں دبا ہوا انسان تازہ ہوا کی آرزو کرتا ہے۔ کیا تم بھی مجھے مایوس کرو گی؟

تمہارا اور صرف تمہارا۔ ساحر انجان

○

12 مئی 98ء

سارہ دیدی

اس وقت سر میں شدید درد ہے۔ یہ تمہاری فون کال اور سونیا سے ملنے کی مہربانی ہے۔ کاش تم دونوں پرسکون ہو جاؤ۔ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ میں آتی تم دونوں کی کہ وہ میرے پیچھے نہیں ہے۔ ویسے بھی اب میں اس اسپتال میں مریضہ نہیں ہوں۔ میں تو یہاں قیدی ہوں۔ میرا کمرا بند رکھا جاتا ہے۔ دروازہ لاک رہتا ہے۔ میں باہر قدم بھی نکالوں تو ایک نرس لپک کر آتی ہے اور مجھے دوبارہ کمرے میں دھکیل دیتی ہے۔ لہٰذا میں محفوظ ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو اور دن میں کئی کئی بار مجھے فون مت کرو۔ اس طرح تو میں پاگل ہی ہو جاؤں گی۔

اور سونیا تم سے بھی دس ہاتھ آگے ہے۔ وہ آتی ہے اور رونے لگتی ہے۔ کہتی ہے کہ یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا قصور ہے۔ اب ایسے میں کون پرسکون رہ سکتا ہے۔ سونیا کو سمجھاتی ہوں کہ بھئی اس شیطان کے خطوں کے جوابات میں نے دیے تھے' تم نے نہیں۔ کاش سونیا کا احساس جرم دور ہو جائے۔ ورنہ وہ اسی چکر میں رہے گی اور میری تدفین کرا کے چھوڑے گی۔ آج وہ کہہ رہی تھی کہ یہ چکر ختم ہو جائے تو وہ مجھے دنیا کی سیاحت کیلئے لے جائے گی۔ اب ذرا تصور کرو' یہاں اتنے کام ہیں انہیں چھوڑ کر تفریح کی جا سکتی ہے بھلا؟ ویسے میرے لیے تو یہ اچھا ہی ہو گا۔ اس بہانے سے میں نے یہ سبق سیکھا ہے کہ جب تک زندگی ہے' زندگی اچھی طرح گزارنے اور خوشیاں سمیٹنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

اچھا دیدی' اب اجازت۔ بچوں کو پیار دینا۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

کشور رانا

کچھ علاقوں میں آڈیو ویڈیو کی تمام دکانیں چیک کی گئی ہیں۔ ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ مزید علاقے چیک کیے جا رہے ہیں۔ کمشنر صاحب پوچھ رہے تھے کہ تمہاری طرف سے ابھی تک کوئی رپورٹ کیوں نہیں آئی۔ انہیں اوپر سے تنگ کیا جا رہا ہے۔ معاملہ ایک سپر اسٹار کا ہے۔

ولسن

○

ولسن

کمشنر صاحب کو بتا دو کہ کل میری شادی کی گیارہویں سالگرہ تھی۔ میں وقت گھر نہیں پہنچ سکا۔ میری بیوی غصے سے پاگل ہو رہی ہے۔ ڈر ہے کہ مجھے نوکری ہی چھوڑنی پڑ جائے۔ کیس کی صورتحال یہ ہے کہ ہم پوری رفتار سے کام کر رہے لیکن ہو کچھ نہیں رہا ہے۔

کشور

○

13 مئی 98ء

روشن میری جان

آج اس کا ایک اور خط آیا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ پہلے انسپکٹر کشور میری ڈاک چیک کرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے ڈاک کھولنے کی اجازت ملتی ہے۔ اس نے ہی یہ خط کھولا مگر مجھے پڑھنے کو نہیں دیا۔ میں نے بھی اصرار نہیں کیا۔ لفافہ دیکھ کر اور اس کی تحریر پہچان کر ہی تمہاری چڑھ گئی تھی۔ انسپکٹر نے خط پڑھ کہا کہ اس میں اچھی خبر ہے۔ انہیں کام کرنے کے لیے ایک کلیو مل گیا ہے۔ وہ خوش نظر آ رہا تھا۔

روشن، کاش۔۔۔ کاش یہ مصیبت ٹل جائے۔ اب تو میں بہت پرسکون ہوں انسپکٹر کشور اور سیما کی مہربانی سے سیما ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ بہتر ہوتی جا

ہے۔ کل سے میں بھی ریہرسل پر جانا شروع کر دوں گی۔ یہ میرے بہتر ہونے کی علامت ہے نا۔ ہمیشہ کی طرح محبتوں کے ساتھ۔

تمہاری۔ سونیا

○

16 مئی 98ء

میری شمع محبت سونیا

ذہن بری طرح الجھ گیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہارا خط تو ملا نہیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا۔ چنانچہ میں بیٹھا اور کوئی منصوبہ سوچنے لگا۔ ہوش و حواس میں رہ کر، اپنے منطقی ذہن کو کام میں لاتے ہوئے۔

مجھے احساس ہو گیا کہ اب تمہاری بہت قریب سے نگرانی کی جا رہی ہے۔ اسی وجہ سے تمہارا مجھ سے رابطہ کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ ایسے میں مجھے صبر سے کام لینا ہو گا۔ میں خودغرض تھا کہ تمہاری مجبوریاں سمجھنے کے بجائے تم پر شک کرنے لگا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں شک نہیں کروں گا۔ بے صبرے پن اور جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ تم مطمئن اور خوش و خرم رہو میری جان۔ تمہارا تحفظ اور تمہاری بہتری اس شخص کے ہاتھوں میں ہے، جو محبت کا "آئن اسٹائن" ہے۔

میں نے سمجھ لیا کہ باڑھ کے پیچھے چھپ کر بلڈنگ کے دروازے پر نظر رکھنا خطرناک ہے۔ حماقت ہے (ہو سکتا ہے کہ میرے خط تم تک پہنچنے کے بجائے غلط ہاتھوں میں پہنچ رہے ہوں۔ اس طرح تو میں دھر لیا جاؤں گا اور پھر تمہارا کیا ہو گا۔ تمہارے تحفظ کا کون خیال رکھے گا۔ تم تو دشمنوں میں اکیلی گھری رہ جاؤ گی) چنانچہ میں بس میں بیٹھ کر وہاں سے گزرا اور گردوپیش کا عقابی نظروں سے جائزہ لیتا رہا۔ میں نے پارک کو دیکھا، فٹ پاتھ کو دیکھا، فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کاروں کو دیکھا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مجھے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر بسوں میں چھ چکر لگانے پڑے۔ بہرحال کام تھکا دینے والا تھا جو نتائج سامنے آئے وہ سن لو۔

ہر بار میں نے جینز اور چیک شرٹ پہنے ایک جوان آدمی کو فٹ پاتھ پر کھڑے

دیکھا۔ میرے بدترین اندازوں کی تصدیق ہو گئی۔ سونیا جان' ہماری نگرانی کی جا رہی ہے مگر جان' تم بالکل خوف زدہ نہ ہو۔ میں تمہارے بہت قریب ہوں اور رہوں گا۔ بس میں جلد بازی نہیں کروں گا۔ ایسے لوگ ہار جاتے ہیں۔ اب میں یہ خط پوسٹ کروں گا اور پھر سکون سے بیٹھ کر آئندہ کے اقدامات کے بارے میں سوچوں گا۔ تم بھی پرسکون رہو۔

تمہارا جلنے والا پروانہ۔ ساحر انجان

16 مئی 98ء

جان' جان' جان

ایک ہی دن میں دوسرا خط مگر یہ ضروری تھا کہ تمہیں آگاہ کر دوں۔ پہلا خط پوسٹ کرنے کے بعد میں سوچتا رہا مگر افسوس' مسائل کا کوئی حل نہیں سوجھا لیکن ایک طلب میرے اندر مچل اٹھی۔ تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے کی طلب۔ اور وہ اتنی شدید تھی کہ اس کی چبھن نے مجھے بے چین کر دیا۔ وہ عجیب تڑپ تھی۔ میں بے چین تھا کہ تم سے ملوں۔ دیکھوں کہ تم خیریت سے ہو۔ تمہیں چھوؤں' تمہیں بانہوں میں بھروں اور ـــــ اور ـــــ تم سے یوں ملوں جیسے بارش پیاسی دھرتی سے ملتی ہے۔

یہ تڑپ اور بے چینی اتنی بڑھی کہ میں گھر سے نکل آیا۔ اس بار میں نے تھیٹر کا رخ کیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی۔ تھیٹر کے سامنے سڑک پار کر کے ایک کافی شاپ ہے۔ وہاں سے میں تھیٹر کے گیٹ پر نظر رکھ سکتا تھا۔ میں کافی شاپ میں بیٹھ گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے کھانے کا آرڈر دے دیا۔

آج قسمت میرے ساتھ تھی۔ مجھے وہاں بیٹھے 45 منٹ ہوئے ہوں گے کہ کچھ لوگ تھیٹر سے نکلتے دکھائی دیئے۔ انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ اداکار ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ریہرسل ختم ہو گئی ہے۔ پھر میری دعائیں رنگ لائیں اور تم اپنی خوش بدنی کو سرخ لباس میں چھپائے ہوئے باہر آئیں۔ تمہیں دیکھ کر میرا دل سینے میں رقص کرنے لگا۔ تمہارا لباس میرے لیے نہیں تھا۔ میں تو تمہیں اس کے آرپار' اس کے بغیر دیکھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہوں۔

مگر پھر میرا دل رونے لگا تم اتنا قریب تھیں ـــــ اور میں تم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ بمشکل دو جستوں کا فاصلہ تھا میرے لیے لیکن ـــــ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ شاعروں نے جو درد محبت کا نقشہ کھینچا ہے' وہ کتنا درست ہے۔ ایک آگ سی تھی سینے کے اندر لگی ہوئی۔

پھر میں نے دیکھا کہ تم اکیلی نہیں ہو۔ ایک جوان شخص تمہارے ساتھ تھا۔ اس نے گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور تمہارے لیے دروازہ کھولا پھر خود بھی تمہارے ساتھ بیٹھ گیا۔ سونیا یہ شخص کون ہے؟ کاش ـــــ محض تمہارا کوئی دوست ہو۔ بہرحال جو بھی ہے' مجھے معلوم ہو جائے گا۔ بس وہ کچھ بھی ہو' تمہارا محبوب نہ ہو۔ محبوب ہوا تو میں بھی اس سے نمٹ لوں گا۔

دنیا میں جتنی محبت موجود ہے' سب تمہارے لیے ہے ـــــ میری طرف سے۔

تمہارا' تمہارے جسم اور جلوؤں کا طالب۔

ساحر انجان

17 مئی 98ء

روشن جی

تمہاری سونیا ایک بار آداب عرض کرتی ہے۔ اب وہ ہسٹریا کی مریضہ ہے' نہ نادان اور الہڑ گھبرائی ہوئی لڑکی۔ سچ کہتی ہوں' اپنے آپ میں واپس آنا بھی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ مجھے اتنی خوشی ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ غیر معمولی بات یہ ہے کہ میری غیر موجودگی میں ریہرسل کے دوران میں میرے ساتھیوں نے بڑی تندہی سے کام کیا۔

پچھلی رات تم نے فون پر اجے کے بارے میں پوچھا اور میں کٹی کاٹ گئی۔ فون پر تمہیں بتاتے ہوئے میں کھسیا رہی تھی۔ بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ خط میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہوں اور بتا رہی ہوں۔ پتا چلا ہے کہ اجے اپنی عمر کے بارے میں جھوٹ بول رہا تھا۔ گاڈ اپنا کرم کرے مجھ پر' درحقیقت اس کی عمر صرف بیس سال ہے۔ دو' صفر = بیس' انیس + ایک = بیس۔ ذرا تصور تو کرو یہ جان کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ شکر ہے کہ ہارٹ فیل نہیں ہوا میرا۔ آج کل تو

بھئی کسی کی عمر کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا اور بات صرف اتنی ہی نہیں ابھی تو وہ کالج میں پڑھ رہا ہے۔ تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی اس کی۔ لیکن پڑھائی میں وہ دلچسپی ہی نہیں لیتا۔ (مجھے پڑھنے کے چکر میں جو پڑ گیا) بہرحال 13 تاریخ کو میں نے اسے علی گڑھ کے لیے رخصت کر دیا اور خود گھر آ کر منہ لپیٹ کر پڑ گئی۔ اس وقت سے برا حال ہے میرا۔ خود سے بھی شرمندہ ہوں۔ تم اگر سیما کو خط لکھو تو پلیز اجے کے بارے میں کچھ نہ لکھنا۔ میں فی الوقت نہیں چاہتی کہ اسے معلوم ہو۔ وہ مجھ پر اتنا چلائے گی کہ اس کے ٹانکے کھل جائیں گے۔

تم اپنا بہت خیال رکھا کرو جان۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ کام پر دھیان رکھو۔ جلد از جلد ارب پتی ہو جاؤ۔ تاکہ ریٹائرمنٹ کے بعد سنگیتا کے ساتھ شان سے رہ سکو۔

تمہاری اپنی۔ سونیا

○

17 مئی 98ء

پیاری سونیا

آج تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ شام نے سفر کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔ گرمیوں میں نینی تال کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے مگر مجھے رنج ہے کہ ہم تمہارا ڈراما نہیں دیکھ سکیں گے۔ افتتاحی شو سے ایک روز پہلے ہماری روانگی ہے۔ مجھے تمہیں ان پریشانیوں میں گھرا چھوڑ کر جاتے ہوئے احساس جرم بھی ہو رہا ہے لیکن مجبوری ہے۔ شام کی صحت کیلئے یہ ضروری ہے۔ ڈاکٹر نے سختی سے تاکید کی ہے کہ وہ کم از کم ایک ماہ کسی پر فضا مقام پر گزارے۔

اچھا سونیا' مکان کی چابی تو تمہارے پاس ہے۔ جب بھی ضرورت محسوس کرو' اپنے گھر کی طرح آ جانا۔ ضرورت کی ہر چیز کچن میں موجود ہے اور فریج میں بھی۔ نینی تال سے تمہارے لیے کوئی بہت زبردست چیز لاؤں گی۔

بے حد محبت کے ساتھ۔ نیلم راٹھور

○

30 مئی 98ء

روشن

ایک پیش رفت ہوئی ہے۔ پولیس کو ایک ساحر انجان کا پتا چل گیا ہے' جو ایک آڈیو ویڈیو شاپ پر ملازمت کرتا ہے۔ میں کتنی خوش ہوں' بتا نہیں سکتی۔ دل اور دماغ پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ سیما کو یہ خبر سنائی تو وہ بھی خوشی سے پاگل ہو گئی۔ آثار بتاتے ہیں کہ وہ ایک دن میں یہ معاملہ نمٹ جائے گا اور ہم سب سکون کی سانس لے سکیں گے۔ پرسوں ڈرامے کا افتتاحی شو ہے۔ کاش اس سے پہلے ہی اس منحوس کو پکڑ لیا جائے۔

محبت کے ساتھ۔ سونیا

○

21 مئی 98ء

روشن—— روشن

آج اس منحوس ساحر انجمن کے دو خط آئے۔ انسپکٹر کشور رانا کو یقین ہو گیا ہے کہ اب مجرم خود کو ظاہر کرنے والا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ انسپکٹر نے مجھے خط نہیں پڑھنے دیے۔ اچھا ہی ہے مجھے تو لفافے دیکھ کر ہی ہول چڑھنے لگتا ہے۔ میں انہیں پڑھنا بھی نہیں چاہتی۔

واقعہ یہ ہے کہ کل میں نے زیادہ ہی امید باندھ لی تھی۔ اب تک آڈیو ویڈیو شاپ میں کام کرنے والے چھ ساحر انجمن گرفتار کر کے پوچھ گچھ کے بعد چھوڑے جا چکے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ہمارا دیوانہ ساحر انجمن نہیں تھا۔ خیر——

ناخوش۔ سونیا

○

ٹیلی گرام

22 مئی 98ء

ڈیئر سونیا کرن

کل تمہارے ڈرامے کا افتتاحی شو ہے جو مجھ سے سیکھا ہے یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔

تمہاری نیتو چوہدری

○

ٹیلی گرام

22 مئی 98ء

سونیا جی

میں بالکل ٹھیک اور خوش و خرم ہوں۔ تمہاری کامیابی کی دعا کر رہی ہوں۔ میری فکر نہ کرنا کام پر دھیان رکھنا۔ تم سے محبت کرنے والی سیما۔

○

ٹیلی گرام

22 مئی 98ء

سونیا—— میری ہنسنی

پر جھکو اور پرواز کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تمہیں آکاش کو چھو لینا ہے۔

تمہارا۔ روشن

○

22 مئی 98ء

میری سونیا

اس خط میں مشوروں اور نصیحتوں کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ تمہارے ڈرامے کا پہلا حصہ فضول اور بکواس ثابت ہوا۔ دوسرے حصے کا آغاز بھی بہت گھٹیا تھا۔ حیران مت ہو' میں افتتاحی شو میں موجود تھا۔ بہرحال دوسرا اور آخری حصہ بہت جاندار تھا اور تمہاری پرفارمنس—— مگر یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں تو اس سے بھرا ہوا ہوں' جو کچھ میں نے شو کے بعد دیکھا اور میں سب کچھ ترتیب وار لکھوں گا۔

ڈارلنگ' میں نے پہلی بار اپنی جان کو اتنے قریب سے دیکھا۔ سچ پوچھو تو پہلے ایکٹ میں' میں نے تمہیں دیکھنے اور نظروں نظروں میں پینے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ پھر بھی میں نے ناقدانہ نظروں سے ڈراما دیکھتے ہوئے کچھ فیصلے کیے۔ کون سے مکالمے غیر ضروری اور کچے ہیں' کن اداکاروں کی شخصیت ڈرامے کو دباتی ہے۔ (بلکہ شخصیت کا نہ ہونا کہو) ان سب باتوں کی طرف—— میں بعد میں تمہاری توجہ دلاؤں گا۔

پہلے ایکٹ کے بعد وقفہ ہوا تو جیسے مجھ پر جہنم کے دروازے کھل گئے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا جس کے ساتھ تم ٹیکسی میں بیٹھ کر اس رات تھیٹر سے رخصت ہوئی تھیں۔ وہ آرکسٹرا کے عقب میں ایک مرد اور عورت کے ساتھ کھڑا اورنج جوس پی رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہونے لگا۔ اس دوران میں ایک جوڑا اور وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے اس شخص کو انسپکٹر کشور رانا کہہ کر مخاطب کیا تو میرے تو چھکے چھوٹ گئے۔ یہ کیا۔ تم تو پولیس والوں میں گھری ہوئی ہو۔

دوسرے ایکٹ کے دوران میں کیسے دل پکا کر کے بیٹھا رہا' یہ میرا دل ہی جانتا

ہے۔ میں نے سوچا' اس شخص کی موجودگی کے باوجود مجھے کسی طرح تمہارے قریب پہنچنا ہو گا اور اشاروں سے تمہیں سمجھانا ہو گا کہ تم پریشان نہ ہو' میں تمہارے قریب موجود ہوں۔ پردہ گرا تو میں اسٹیج کی طرف کھلنے والے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہاں پہلے ہی اچھا خاصا ہجوم تھا۔ تمہاری دید کے امیدواروں کا۔ جبکہ میں انتہائی قربت کا حق دار ہوں۔ بہرحال تمہاری محبت کی خاطر میں گھٹیا لوگوں کے اس مجمع میں گھل مل گیا۔

میرا منصوبہ سادہ سا لیکن بے حد موثر تھا۔ دعوت نامے کے اندر میں نے تمہارے لیے پیغام لکھ رکھا تھا۔ میں تم سے اس پر آٹوگراف طلب کرتا اور آٹوگراف دیتے ہوئے یقیناً تمہاری نظر میرے پیغام پر پڑ جاتی۔

مگر دروازہ کھلا تو میں حیران رہ گیا۔ تم اس پولیس والے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے نمودار ہوئی تھیں۔

پہلے تو میں سمجھا کہ تم اس کی قیدی ہو' اور اس کی تحویل میں ہو مگر جب تم نے اس کی مداخلت کے بغیر آزادانہ طور پر کئی لوگوں کو آٹوگراف دیے تو میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرے لیے اس پولیس والے کی موجودگی میں اپنے منصوبے پر عمل کرنا ناممکن تھا۔

پھر ایک غیر معمولی بات ہوئی۔ تم آگے بڑھیں لیکن آگے بڑھتے ہوئے تم نے از خود پلٹ کر اس پولیس والے کا ہاتھ تھام لیا اور تم نے اس سے جو کچھ کہا' اسے سن کر خون میری رگوں میں سرد ہونے لگا۔ تم نے کہا تھا۔ "تمہیں بھی پارٹی میں میرے ساتھ چلنا ہے۔ میں کوئی عذر نہیں سنوں گی۔"

کوئی شکار اپنے شکاری سے یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا اور پھر تم نے اسے جس مسکراہٹ سے نوازا تھا' اس کے دو معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ میں تو اپنی جگہ پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔ تم میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ساتھ چلی گئیں۔

سونیا' بتاؤ میں کیا سوچوں۔ اس آنکھوں دیکھی کو کیا سمجھوں۔ کیا نتیجہ نکالوں اس سے۔ کیا وہ دکھلوا تھا؟ یا تم اس سے پیچھا چڑھانے کیلئے اپنی زندگی کی بہترین اداکاری کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جو بھی ہے' حقیقت مجھے معلوم ہونی چاہیے۔

میں اس خط کو فوراً پوسٹ کروں گا اور تمہیں فوراً جواب دینا ہے۔ مجھ سے رابطہ کرنا خطرناک تو ہے لیکن کوئی ترکیب سوچو۔ تمہارے مستقبل کا جیون ساتھی ہونے کی حیثیت سے یہ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ ایک فرماں بردار بیوی کی حیثیت سے تمہیں اس کی تعمیل کرنی ہے۔ خوف زدہ نہ ہونا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

تمہارے پہلو میں موجود رہنے کا حق دار۔

ساحر انجان

○

23 مئی 98ء

نیتو چوہدری

ٹیلی گرام کا شکریہ۔ میرا خیال ہے تم سے میں زیادہ نہیں سیکھ سکی تھی۔ بہرحال افتتاحی شو کچھ بہت اچھا نہیں رہا۔ ایک تو میں بڑی عمر کی لگ رہی تھی۔ پر شاید میں نے پرفارم بھی ایسے ہی کیا۔ اب یہ بتاؤ ریٹائرمنٹ کیسے لیا جاتا ہے۔ میں اب انہیں خطوط پر سوچ رہی ہوں۔

محبت اور احترام کے ساتھ۔

سونیا کرن

○

24 مئی 98ء

سونیا

مجھ سے یہ انتظار برداشت نہیں ہوتا۔ برے برے اور خوف ناک خیالات میرے دماغ میں کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے پھر رہے ہیں اور تم نے حد کر دی ہے کہ میرے حکم کے باوجود میرے خط کا جواب نہیں دیا۔

تمہیں فوراً خط لکھنا ہو گا ورنہ مجھے ذہنی سکون نہیں ملے گا۔ ایک بات اور ہے سوچا تو یہ تھا کہ اسے تمہارے لیے بطور سرپرائز رکھوں گا لیکن اب میں نے فیصلہ کیا

ہے کہ تمہیں بتا ہی دوں۔

سونیا' میں جانتا ہوں کہ کسی ڈرامے کی تیاری کس قدر تھکا دینے والا کام ہے اس لیے میں نے تمہارے لیے تفریح کا بندوبست کیا تھا۔ تاکہ تمہاری تھکن دھل جائے اور چند روز بعد جب ڈراما باقاعدہ اوپن ہو تو تم اس کیلئے تازہ دم ہو جاؤ۔ خرچ کی پروا کیے بغیر میں نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تمہارے لیے سب سے شان دار سوئٹ کا بندوبست کیا ہے۔ یہ پروگرام 29 مئی کا ہے۔ وہاں بس ہم تم ہوں گے' اور کوئی نہیں۔

اب سمجھیں نا' تمہیں مجھے فوراً۔۔۔ فوراً خط لکھنا چاہیے۔

اگر تم نے خط نہ لکھا تو میں کیا سوچوں گا' تم ہی سوچو۔ میں بس یہی سوچ سکتا ہوں کہ تم نے مجھے اپنے دشمنوں سے پیچھا چھڑانے کیلئے استعمال کیا ہے اور درحقیقت تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے اور کیا سوچ سکتا ہوں میں۔

پلیز سونیا' تم ایسا نہ کرنا۔ ہرگز نہ کرنا۔

تمہارا۔ ساحر انجان

○

کشور

کچھ اور ساحر انجان دریافت ہوئے لیکن ان میں بھی ہمارا مطلوبہ شخص کوئی نہیں ہے۔ چھان بین کے بعد سب کو چھوڑ دیا ہے۔

ولسن

○

25 مئی 98ء

جان روشن

اب اگر مجھ سے ملو اور میں کسی بچے کی دادی یا نانی کی طرح لگوں تو حیران نہ ہونا۔ صرف اور صرف خوف نے میری عمر کم از کم دس سال بڑھا دی ہے۔

چند روز پہلے انسپکٹر کشور نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اسے ساتھ لیے بغیر باہر

نہ نکلوں۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اتری تھی۔ مگر میں اسے نظرانداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں سہم گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ منحوس شیطان میری گرفت میں ہے اور سیما کی طرح مجھ پر بھی وار کرے گا۔ بعد میں کشور نے مجھے سمجھایا کہ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے خطوں میں تو میرے لیے صرف محبت ہی محبت ہوتی ہے اور وہ مجھ سے جوابی خط کی التجا کرتا رہتا ہے۔ او گاڈ' کاش مجھے اس کا پتا معلوم ہوتا تو میں اسے خط لکھ دیتی اور یہ عذاب ختم ہو جاتا۔

بہرحال کشور نے سمجھایا کہ اس کی ہدایت محض رسمی' احتیاطی اور ضابطے کے مطابق ہے مگر میری تسلی نہیں ہوئی۔ بالآخر کشور کو مجھے حقیقت بتانی پڑی۔ اس نے بتایا کہ وہ خبیث صرف مجھے ایک نظر دیکھنے کے لیے اپارٹمنٹ ہاؤس کے گرد منڈلاتا رہتا ہے لیکن کشور نے قسم کھا کر کہا کہ اس کا مقصد مجھے نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ یہ سن کر میں پوری طرح تو نہیں البتہ کسی قدر مطمئن ہو گئی۔

اب آج صبح میں کشور کی آمد کا انتظار کر رہی تھی کہ گڑبڑ ہو گئی۔ پتا چلا کہ سگریٹ ختم ہو گئی ہے (ان دنوں میری اسموکنگ بہت بڑھ گئی ہے) اب کیا کروں۔ سگریٹ نہ ہونے کے احساس نے طلب اور شدید کر دی۔ میں نے سوچا' اسٹور قریب ہی تو ہے خود جا کر لے آتی ہوں۔

بس ڈارلنگ پھر مجھے اس حماقت کی ٹھیک ٹھاک سزا ملی۔ میں لپکتی ہوئی اسٹور میں پہنچی سگریٹ کے پیکٹ خریدے۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور دھواں چھوڑتے ہوئے اپنی پیٹھ تھپکنے لگی کہ میں کتنی بہادر ہوں۔ اسی وقت میری نظر اس شخص پر پڑ گئی۔ وہ جوان آدمی تھا اور بڑی شدت سے ظاہر کر رہا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں ہے۔ مگر میں جب بھی نظریں ہٹاتی تھی تو جسم میں اس کی نظریں چبھنے کا احساس ہونے لگتا تھا۔ میں باہر نکلی اور ہانپتی کانپتی قدموں سے گھر کی طرف چلنے لگی۔ حال یہ تھا کہ میرے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے کشور کو بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھا تو چیختی چلاتی اس کی طرف بھاگی۔ پلٹ کر دیکھا تو پیچھا کرنے والا موجود تھا لیکن مجھ سے نظریں چرا رہا تھا۔ کشور لپک کر آیا اور میں اس سے لپٹ گئی۔ مجھ پر لرزہ طاری تھا اور پتا ہے' کشور نے کیا کیا؟ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور براہ راست مجھے اس شخص کی طرف لے

چلا۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ ہالی ووڈ کی اسپائی اور کرائم فلمیں یاد آنے لگیں۔ کیا انسپکٹر کشور مجھے خود اپنے ہاتھوں سے میرے دشمن کے سپرد کر دے گا؟ دونوں ملے ہوئے ہیں شاید؟ مگر پھر مجھے پتا چلا کہ وہ پیچھا کرنے والا سادہ لباس میں پولیس والا تھا۔ جسے میری حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ بس یہی بہت ہے کہ میں سکون کے مارے بے ہوش نہیں ہو گئی۔

سو میری جان روشن' لگتا ہے پولیس کئی دن سے میری نگرانی کر رہی ہے۔ مجھے سکون تو ملا۔۔۔ مگر شرمندگی ایسی تھی کہ نظریں نہیں اٹھائی جا رہی تھیں اور پھر کشور نے جس طرح مجھے لیکچر دیا' اسے پولیس میں نہیں ہونا چاہیے۔ وہ تو مجھے ایک مکمل ڈائریکٹر لگتا ہے۔

اچھا' میں نے بہت دیر تمہارا کندھا استعمال کر لیا۔ اب مجھے ریہرسل کیلئے جانا ہے۔ کچھ اداکاروں کو تبدیل کیا گیا ہے۔ کچھ تبدیلیاں اسکرپٹ میں ہوئی ہیں۔ کچھ مکالمے بھی دوبارہ لکھے گئے ہیں۔ امید ہے افتتاحی شو میں جو کمزوریاں سامنے آئی ہیں' وہ ڈرامے کی باقاعدہ نمائش سے پہلے دور کر لی جائیں گی۔

بے حد محبت کے ساتھ۔

تمہاری سونیا

○

29 مئی 98ء

سونیا جان

دو دن ہو گئے۔ اب بھی جواب سے محروم ہوں۔ اب تمہارے معاملے میں میری قوت برداشت جواب دے رہی ہے مگر اتنی اذیت کے باوجود بھی میں تمہارے بارے میں برا نہیں سوچنا چاہتا۔ کاش تم وہی سونیا ہو' جس سے میں نے عشق کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اب میں تمہاری شخصیت کا دوسرا رخ دیکھ رہا ہوں لیکن یقیناً اسے تاریک رخ نہیں کہا جا سکتا۔ بس تمہاری سوچ شاید بگڑے ہوئے بچوں کی سی ہے' جنہیں بہت زیادہ توجہ ملی ہے۔ وہ دنیا میں کسی اور کو قابل توجہ سمجھتے ہی نہیں۔ بات ٹھیک بھی ہے۔ آخر تم ملک کی سب سے بڑی اسٹار ہو لیکن سونیا ذرا میری اہمیت کے بارے میں

بھی تو سوچو۔ میں ہرگز غیر اہم نہیں ہوں۔ اگر مجھے تمہارا جیون ساتھی بننا ہے تو تمہیں میرے ساتھ ویسا ہی برتاؤ رکھنا چاہیے جیسا میں تمہارے ساتھ رکھتا ہوں۔ مجھے بھی توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔ دنیا مجھے کچھ بھی سمجھے مگر تمہارے نزدیک میرے جذبات اور احساسات کی اہمیت بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ ورنہ ہم ایک کامیاب جیون ساتھ ساتھ کیسے گزاریں گے۔ اگر تمہارے دماغ میں یہ خناس ہے کہ میں غیر اہم بن کر تمہارے سائے میں جیون گزار دوں گا تو تم بدترین غلطی کر رہی ہو۔ خیر فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ دراصل مجھے تم پر بہت شدت سے غصہ آ رہا ہے جبکہ میں نہیں چاہتا کہ جسے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا ہے' اس پر غصہ کروں۔ مجھے امید ہے کہ تمہارا معذرتوں سے بھرا خط کل مجھے ضرور مل جائے گا۔

مایوسی اور بوجھل دل کے ساتھ۔

ساحر انجان

○

27 مئی 98ء

سونیا

نیند سے محروم ایک پوری رات کے سوچ بچار کے بعد میں مجبور ہو گیا ہوں۔ یعنی تمہیں یہ الٹی میٹم دے رہا ہوں کہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر تم نے مجھ سے رابطہ نہ کیا تو میں تم سے ہاتھ دھو لوں گا۔ شاید تم سمجھتی ہو کہ ایک اسٹار ہونے کی حیثیت سے تم اپنے چاہنے والوں کو نظر انداز کرنے کا حق رکھتی ہو۔ تمہیں ان کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں لیکن میری بات سنو۔ اسٹار کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ میں بھی ایک طرح کا اسٹار ہوں اور مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔ بس سونیا۔ ایک اور دن۔ اتنی ہی مہلت ہے تمہارے پاس۔ تم نے یہ موقع کھو دیا تو پھر مجھے ترستی رہو گی۔ عمر بھر۔ میں تم سے کبھی رابطہ نہیں کروں گا۔

صرف ایک دن اور سونیا۔

ساحر انجان

○

28 مئی 98ء

سونیا

افسوس' تم ہار گئیں۔ چلو ٹھیک ہے۔ اب جو ہو گا' اس کی ذمے دار صرف اور صرف تم ہو گی۔ میں اب وہ بات سوچ رہا ہوں جو شاید کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تم نے مجھے اپنا الو سیدھا کرنے کیلئے استعمال کیا۔ تم نے جھوٹ بولے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میری معصوم محبت کو اپنے مذموم مقاصد کیلئے استعمال کیا۔ تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم ایسی ہو۔ تم ایک خود پسند' انا پرست اور بے رحم ـــــ ہو۔

بہرحال اب نہ تمہیں میری توجہ ملے گی نہ وقت۔ اب اپنے معاملات تم جانو مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا' تم پوری طرح اس کی مستحق ہو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ بس ایک دن کے بعد ہماری پرجوش اور عملی محبت کا آغاز ہو گا مگر میں بے وقوف تھا' نادان تھا۔ تم نے میرے سب خواب چھین لئے۔ میں ـــ سادہ لوح تھا۔ تمہارے ہاتھوں الو بنتا رہا لیکن سونیا بے وقوف بھی جاگتے تو ہیں اور جبکہ جگانے والا بھی کوئی تم جیسا ہو۔

تمہیں ایک سبق ضرور دینا ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ضروری ہے۔ اب یہ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ کیا زندگی خود تمہیں اپنی گرفت میں لے کر یہ سبق دے گی یا یہ کام مجھے اپنے ہاتھوں میں لینا ہو گا اور یہ تم جانتی ہی ہو کہ میں اس طرح کے کاموں میں کتنا ماہر ہوں۔ یقین نہ آئے تو سیما مودی سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں بتائے گی کہ میں اپنی توہین کرنے والوں کا' خود کو دکھ دینے والوں کا کیا حشر کرتا ہوں۔

ساحر انجان

○

28 مئی 98ء

سونیا' میری جان

میں 30 تاریخ کو واپس آ رہا ہوں۔ بس یہاں تھوڑا سا کام نمٹانا ہے اور بس۔ تم مجھے کیریئر اور کام کی اہمیت پڑھانے نہ بیٹھ جانا۔ بہت ہو گئی۔ تم وہاں پریشان ہو اور

میں یہاں کام کئے جا رہا ہوں۔ نہ میری یادداشت خراب ہے' نہ ہی میں احسان فراموش ہوں۔ کیا میں بھول جاؤں کہ مجھے یرقان ہوا تھا تو کس نے بستر سے لگ کر میری دیکھ بھال کی تھی۔ وہ تم تھیں؟ اور جب مجھ سے فلم "دور کی آواز" چھٹی تھی تو کس نے میرا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ بھی تم ہی تھیں اور مجھے محبت کرنا' جینا' سر اٹھا کر جینا کس نے سکھایا تھا؟ تم نے اور اب' تمہیں ضرورت ہے تو میں کام میں الجھا رہوں۔ نہیں' مجھے بھی تمہارے لئے کچھ کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ تم اس سلسلے میں مجھے کوئی لیکچر مت پلاؤ۔ بس میں آ رہا ہوں۔

سنگیتا کا بھی یہی کہنا ہے اور سونیا کام سے پیچھا چھڑانے کا ایسا موقع کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔

محبت کے ساتھ۔ روشن

○

28 مئی 98ء

سارہ ویدی

مجھے مبارک باد دو۔ ابھی ڈاکٹر نے آ کر خوش خبری دی ہے کہ دو تین دن میں مجھے اسپتال سے رخصت کر دیا جائے گا۔ سچ کہتی ہوں اب تو اسپتال کے اس کمرے کے در و دیوار دیکھ دیکھ کر میرا دماغ الٹنے لگا ہے۔

اب ایک اور مسئلہ۔ سونیا ضد کر رہی ہے کہ میں اس کے ساتھ ہی رہوں ـــ اس کے گھر۔ یہ ٹھیک ہے کہ مجھے سونیا اچھی لگتی ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں لیکن خوشی مجھے اپنے گھر میں ہی مل سکتی ہے وہاں میں اعتماد سے رہ سکتی ہوں۔ یہ بات میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کہاں ماننے والی ہے۔ وہ تو انسپکٹر کشور رانا نے مجھے بچا لیا۔ اس نے سونیا سے کہا کہ موجودہ صورتحال میں یہ مناسب نہیں ہو گا۔ میں نے اس سے وجہ پوچھی تو وہ ٹال گیا۔

میرے چہرے پر پٹیاں ابھی ایک ماہ اور رہیں گی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میں کسی اہرام سے نکلی ہوئی ممی لگ رہی ہوں۔ خوبصورت تو میں پہلے بھی نہیں تھی اب نجانے کیا ہوا ہو گا۔ بس ڈراؤنی نہ لگوں۔ باقی مجھے کوئی فکر نہیں۔

دولھا بھائی تو ٹھیک ہیں نا۔ بچوں کو پیار۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

25 مئی 98ء

احسان فراموش کتیا

پریشان ہو؟ میں یہی چاہتا ہوں کہ تم پریشان اور فکر مند رہو اور یقین کرو، تمہیں پریشان ہونا بھی چاہئے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ایک بات بتاؤ یہ جو تمہارا چہرہ ہے۔۔۔ حسین چہرہ جس نے تمہیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا ہے، اگر اس کا حشر بھی سیما کے چہرے جیسا ہو تو کیسا رہے گا مگر میرا پروگرام تو سیما سے بھی آگے کا ہے۔

بھئی لطف آ جائے گا! میں تو سوچ سوچ کر ہی خوش ہو رہا ہوں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں کچھ کر بھی نہیں سکتیں۔ تم پولیس سے مدد مانگو گی تو تمہیں ان کو بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ یہ بھی بتانا پڑے گا کہ سیما پر حملے میں تم بھی ملوث تھیں۔ شریک جرم تھیں۔

واہ۔۔۔ کیا سچویشن ہے۔ مجھے تو لطف آ رہا ہے۔

ایک سابق دوست

○

2 مئی 98ء

ہیا

ایک خط اور سہی تمہیں شاید احساس بھی نہیں کہ میں تم پر کتنا وقت اور پیسہ ضائع کر رہا ہوں لیکن کوئی بات نہیں احسان فراموشوں سے ایسی امید رکھنی بھی نہیں چاہئے۔ غور سے سن لو۔ افواہ گرم ہے کہ ایک تحفہ تمہارے لئے روانہ کیا جا رہا ہے۔ میں تمہیں تنبیہہ کر رہا ہوں میرا مشورہ ہے کہ اب ہر پیکٹ کو بہت احتیاط سے کھولنا۔ میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کچھ ہو۔۔۔ یا چاہتا ہوں۔

ایک سابق دوست

○

ہو پولیس اسٹیشن

شور رانا

تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو گئی ہے۔ تمام آڈیو ویڈیو شاپس چیک کر لی گئی ہیں۔

ب کیا کیا جائے۔

ولسن

○

2 مئی 98ء

روشن جان

میں نہیں چاہتی کہ تم ممبئی واپس آؤ۔ ٹھنڈے دل اور دماغ سے سنو۔ میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ پہلی بات یہ کہ اب تم سنگیتا کے ہو۔ تمہارا اپنا گھر ہے، ازدواجی زندگی ہے۔ میں تمہیں کسی بھی طرح کا نقصان پہنچتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ دوسری بات یہ کہ میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔ ایک پولیس والا ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ سیما اور دوسرے دوست علیحدہ ہیں۔ میں اکیلی تو نہیں ہوں۔

اور اب اصلی بات بھی سن لو میں نے ساری زندگی دوسروں کو اپنی زندگی میں اہم کردار کرنے کا موقع دیا ہے۔ کبھی کسی کو مرکزیت، اولیت نہیں دی۔ تم خوب

جانتے ہو کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے اپنی ازدواجی زندگی میں تمہاری بالادستی کبھی قبول نہیں کی۔ کی ہوتی تو ہم آج بھی ساتھ ہوتے۔ علیحدہ نہ ہوتے۔ اب میں چالیس سال کی ہو چکی ہوں اور زندگی ویسی بالکل نہیں' جیسا میں اسے چاہتی تھی۔ اب اتنی عمر گزار کے خود کو تبدیل کرنا آسان نہیں لیکن باقی زندگی سے طمانیت اور خوشی حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے۔ مجھے خود کو تبدیل کرنا ہو گا۔ سو میں کر رہی ہوں۔

مجھے خوشی ہے تمہارے ممبئی آنے کے اصرار پر یہ تمہاری بے پناہ محبت کا ثبوت ہے۔ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں لیکن میں پرانے معمول جاری رکھنا نہیں چاہتی۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اب میں خود غرضی سے کام لینا نہیں چاہتی۔ تمہیں ضرورت کے وقت اپنا تکیہ بنا لوں' یہ خود غرضی ہی تو ہے۔

آج میں اور کشور' سیما کو اس کے گھر لے گئے۔ ایک نرس کے مستقل طور پر اس کے ساتھ رہنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ ملازمہ تو ویسے بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ میں پہلی بار سیما کے گھر گئی تھی۔ وہاں جا بجا اس کے مرحوم شوہر کی اور میری تصویریں دیوار پر آویزاں ہیں۔ جیسے وہ مجھے بھی اپنی فیملی ممبر سمجھتی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ اس نے ہمیشہ مجھے اپنے گھر کا فرد سمجھا ہے مگر پھر بھی تصویریں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔

اب اس منحوس شیطان کا خط تقریباً ہر روز آ رہا ہے۔ کشور کے خیال میں یہ اچھی علامت ہے۔ میں اب بھی ان خطوں کو پڑھنے سے ڈرتی ہوں۔ (کشور مجھے پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دیتا) کشور سے مجھے بڑی انسیت ہو گئی ہے۔ وہ اپنے فرض سے بڑھ کر میرا خیال رکھتا ہے۔ اچھا آدمی ہے۔

تمہارے لئے محبت۔۔۔ محبت۔۔۔ محبت۔

سونیا

○

30 مئی 98ء

سونیا! میری جان

تم نے کبھی یہ بات نہیں سمجھی کہ تم کبھی کسی کی مقروض نہیں رہیں۔ محبت بھی جتنی تمہیں ملی' تم نے کم از کم اتنی ہی دی بھی۔ ٹھیک ہے جان' میں نہیں آؤں گا۔ تم خوش رہو لیکن ارادہ بدل جائے تو کسی وقت بھی فون کر کے مجھے طلب کر لینا۔

اور ہاں' زندگی اگر تمہاری توقع سے مختلف ہے تو صرف اس لئے کہ دنیا احمقوں سے بھری پڑی ہے اور ان میں ایک احمق میں بھی ہوں۔

محبت کے ساتھ۔ تمہارا اپنا روشن

○

30 مئی 98ء

ڈیئر سونیا

ابھی مجھے ایک بہت بڑی غلطی کا احساس ہوا۔۔۔ بہت بڑی زیادتی کا اور مجھے اس کوتاہی پر بڑی شرمندگی ہے۔ مجھے تمہارے ڈرامے کے افتتاحی شو کے موقع پر تمہیں کوئی زبردست تحفہ بھیجنا چاہئے تھا۔

ان دنوں گنیں بہت زبردست بن رہی ہیں۔ آتشیں اسلحے کی ترقی کا دور ہے یہ لیکن میں سوچتا ہوں' زہر زیادہ مناسب رہے گا مگر ٹھہرو۔۔۔ ذرا سوچنے دو۔ تم جیسی شخصیت کیلئے کیسا تحفہ ہونا چاہئے؟

ارے واہ۔۔۔ ہاں' یہ ہوئی نا بات۔ شاندار تم تک یہ خط پہنچے گا تو تم میرا تحفہ بھی وصول کر چکی ہو گی۔ کاش تمہیں پسند آئے۔ اچھا۔۔۔ الوداع۔

ایک سابق دوست

○

31 مئی 98ء

روشن

یہ سب کچھ بے حد خوفناک ہے۔ بہت ڈراؤنا۔ پتا نہیں' اس معاملے کے ختم ہونے تک میں اپنے اعصاب پر قابو بھی رکھ سکوں گی یا نہیں۔ اُفوہ۔۔۔ تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گا۔ میں اعصابی طور پر اتنی شکستہ ہو رہی ہوں کہ اصل بات بتائی نہیں اور شروع ہو گئی مگر کیا کروں؟

کل شام میں تھیٹر میں اپنے ڈریسنگ روم میں گئی تو دماغ بھک سے اڑ گیا۔۔۔ کسی نے وہاں وہ توڑ پھوڑ۔۔۔ وہ تباہی مچائی تھی کہ کوئی چیز سلامت نہیں تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ چور چور ہو چکا تھا۔ درازوں کی تمام چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ کسی نے پوری طبیعت سے اپنی وحشت نکالی تھی اور کسی نے کیا۔۔۔ یہ وہی تھا۔۔۔ وہی شیطان۔ پولیس جھوٹ بولتی رہی۔ مجھے بہلاتی رہی۔ میں سمجھ گئی ہوں اس کے خطوں میں میرے لئے محبت نہیں ہوتی تھی۔ ہرگز نہیں۔ میں نے کشور رانا کی خبر لی۔ اس نے تردید کی مگر نہیں کر سکا۔ وہ کہنے لگا ہم یہی تو چاہتے ہیں۔۔۔ کہ وہ تمہارے قریب آئے اور ہم اسے دھر لیں۔ میں نے کہا۔۔۔ تو پھر آج ڈریسنگ روم میں تم نے کیوں نہ پکڑ لیا اسے۔

میں جان گئی ہوں کہ اب وہ منحوس میری جان لینا چاہتا ہے۔ وہ کوئی بلا ہے روشن۔۔۔ شیطان ہے شاید۔ کاش! مجھے اس کا پتا معلوم ہوتا مگر وہ سمجھتا ہے کہ مجھے معلوم ہے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں روشن۔۔۔ بہت زیادہ۔ کہیں خوف سے ہی نہ مر جاؤں۔

تمہاری سونیا

○

[illegible] مئی 98ء

[illegible]ن

یہ کیس ہمارے لئے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس ساحر انجان کو اب تک گرفتار ہو [illegible] چاہئے تھا۔ تم اور کچھ آدمی بھی اس کیس پر لگا دو۔ اب تو بہت اوپر سے دباؤ ڈالا جا [illegible] ہے ہم پر۔ تھیٹر کی چوبیس گھنٹے نگرانی کا بندوبست کرو اور سیما مودی کے گھر کے [illegible]ں پاس بھی سادہ لباس والے پھیلا دو۔ ممکن ہے وہ دوبارہ اس پر حملہ کرنے کی [illegible]شش کرے اور کشور رانا کو تلاش کر کے رابطہ کرو۔ اس سے کہو کہ فوراً فون پر مجھ [illegible] بات کرے۔

کمشنر پولیس

○

[illegible] مئی 98ء

[illegible]کرن

کہو کچھ جی خوش ہوا تمہارا؟ مجھے افسوس ہے کہ تحفہ ملنے کے موقع پر تمہارے [illegible] تاثرات تھے' مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر تم جانتی ہو کہ ان دنوں میری مصروفیت [illegible] زیادہ ہے۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے اور یہ سب کچھ میں تمہارے ہی لئے کر رہا [illegible]۔ سب کچھ بہت تھکا دینے والا ہے مگر تم فکر نہ کرو۔ تمہارے لئے تو میں ہر حال [illegible] وقت نکال سکتا ہوں۔ آج کل میں ایک اور تحفے کے بارے میں غور و فکر کر رہا [illegible]۔ یہ تحفہ ویریا نوعیت کا ہو گا۔ ایسا تحفہ زندگی میں بس ایک بار ہی مل سکتا ہے۔ [illegible]اندازہ لگا سکتی ہو اس کے بارے میں؟ ہاں۔۔۔ تم ٹھیک سمجھیں۔ اب میں تمہیں قتل [illegible]دوں گا۔

سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں کیا انتظامات کرنے ہیں؟ تم کسی سنسان [illegible]تے سے بھی نہیں گزرتیں اور پھر تمہارے ساتھ ہاؤی بلڈر ہاؤی گارڈ بھی ہوتے [illegible]۔۔۔ وہ ذلیل پولیس والا۔

بہرحال تم فکر نہ کرو میں کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لوں گا۔ تم مجھے کسی بھی [illegible]ح روک نہیں سکتیں۔ اب تک تم یہ تو سمجھ چکی ہو کہ میں کوئی عام آدمی نہیں

ہوں۔ جینئس ہوں تو یہ بھی سمجھ لو کہ میرا طریقہ بھی خاص الخاص ہو گا۔ تم انتظار کرتی رہو۔

ایک سابق دوست

○

31 مئی 98ء

ڈیئر ہری رام

امید ہے' تم اور ٹینا خیریت سے ہو گے۔ تمہیں یقیناً پچھلی بار سونیا سے اور مجھ سے نہ ملنے کا اب تک افسوس ہو گا۔ مجھے بھی ہے لیکن میرا وعدہ ہے کہ اگلی بار تم آؤ گے تو تمہاری آرزو ضروری پوری ہو گی۔

یار ہری' ایک مسئلہ آن پڑا ہے۔ سونیا ایک ڈرامے میں کام کر رہی ہے۔ اس ا کردار ایک جاسوسہ کا ہے۔ اس کیلئے ایک پرانے مگر بھاری پستول کی ضرورت ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ آج کل اسلحہ اور طرح کا بن رہا ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا مگر پستول نہیں ملا۔ آج صبح مجھے یاد آیا کہ تمہارے پاس پرانے طرز کا ایک پستول تھا۔ اگر اب بھی کام کرتا ہے تو تم برائے مہربانی مجھے وہ بھجوا دو۔ دراصل ڈائریکٹر اصلی پستول کے استعمال پر بضد ہے۔ تم پستول بھجوا دو تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں شکر گزار ہوں گا۔ اگلی بار سونیا کے گھر پر دعوت کا انعام بھی پکا' او کے؟

میں جواب کا منتظر ہوں۔

تمہارا دوست۔ ساحر انجان

○

یکم جون 98ء

سونیا کرن

تھک کر چور ہو گیا ہوں۔ بہت تھکا دینے والا کام ہے' کون سا کام؟ نہیں سمجھیں؟ ارے بھئی یہی کہ تمہیں کیسے قتل کیا جائے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرتا پھر رہا ہوں تاکہ تم میری کوششوں کو سراہ سکو۔ آج میں باہر نکلا اور تمہاری خاطر

ار کا جائزہ لیا۔ دوربین لگی رائفل کی قیمت کا کچھ اندازہ ہے تمہیں؟ گلڈ' لگتا ہے ں سونے سے بنی ہوئی ہے پوری کی پوری۔ میرے تو ہوش اڑ گئے قیمت سن کر۔ ایک پستول نظر آیا جو میری قوت خرید کے اندر تھا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ اس سے تفادہ کے لئے تمہارے بہت قریب جانا پڑے گا۔ دور سے تو میں تمہیں قاتل ذکر ان نہیں پہنچا سکوں گا اور قریب جانے میں اس پولیس والے سے ٹکراؤ لازمی ہو ئے گا۔

ایک تنبیہہ بھی کر دوں اگر تم پولیس کو میرا پتا بتانے کا سوچ رہی ہو تو بہتر ہے ، میں تمہیں خبردار کر دوں۔ میں پوری دنیا کی بتا دوں گا کہ تمہاری سیکریٹری کے تھ جو کچھ ہوا' اس کا منصوبہ تم نے بنایا تھا۔ میں تو محض آلہ کار تھا تمہارا۔ اور اس ، صلے میں تم نے مجھے جسمانی قربت سے نوازا تھا۔ میرے اس بیان کے بعد تم بائے موت سے نہیں بچ سکو گی۔ یقین کرو' پھانسی بہت اذیت ناک موت لاتی ہے۔ ب ہے' مجھے چند سال کی سزا ہو جائے گی مگر تم تو پھانسی کے تختے پر ہی پہنچ کر رکو ے۔ پھانسی کے مقابلے میں میری دی ہوئی موت بے حد آسان اور رحم دلانہ ہو گی۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ کون جانے' میں تمہیں مارنے کا ارادہ ہی بدل دوں۔ یہ ممکن تو نہیں۔ آخر میں تم سے محبت کرتا تھا کبھی۔ سوچتی رہو۔

ایک سابق دوست

○

3 جون 98ء

ساحر میرے دوست

مجھے افسوس ہے' وہ پستول تو میرے بیاہ کے ہنگامے میں ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ تمہارے خط کے بعد میں نے اس کی تلاش میں پورا گھر چھان مارا۔ ٹینا بھی ہلکان ہو گئی مگر پستول نہیں مل سکا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ممبئی جیسے شہر میں پستولوں کی کیا کمی؟ بہت پرانے پستول نوادارات کی دکان پر بھی مل سکتے ہیں۔ خیر' میری خواہش ہے کہ یہ ڈراما بھی کامیاب رہے۔ اب تو تم بڑے آدمی ہو گئے ہو۔ یار مجھے بھول نہ جانا۔

تمہارا دوست۔ ہری رام

○

3 جون 98ء

روشن ڈارلنگ

فون پر اتنا وقت دینے کا شکریہ۔ مجھے احساس ہے کہ میرا بار بار فون کرنا تمہارے لئے پریشان کن ہو گا لیکن کیا کروں۔ ایک تمہاری آواز سن کر ہی تو حوصلہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر کی دی ہوئی نیند کی گولیاں ہیں۔ میرا خیال ہے' میں دونوں کو ضرورت سے زیادہ ہی استعمال کر رہی ہوں۔

روشن! اب میں سوچتی رہتی ہوں۔ ہم ساتھ تھے تو ہمارے پاس کیا کچھ تھا۔۔۔ اور کیا کچھ نہیں تھا۔ میں ایک اعتراف کرنا چاہتی ہوں میری جان۔ ایک ایسی بات جو فون پر مجھ سے کی ہی نہیں گئی۔

وہ جو تمہارا ایکسٹرا گرل کے ساتھ چکر چلا تھا' میں ابتدا ہی سے اس سے واقف تھی۔ تم کب کب اور کہاں اس سے ملے' مجھے معلوم تھا۔ تم نے جو دو دن اس کے ساتھ شملہ میں گزارے' ان کا بھی مجھے اس وقت علم تھا۔ تمہیں یاد ہے کہ تم شملہ سے واپس آئے تو میں نے کیا کیا تھا؟ میں نے تمہیں تحائف دیئے تھے۔ میں تمہارے ساتھ بہت محبت سے' مہربانی سے' اچھی طرح پیش آئی تھی۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ مجھے تمہیں کھو دینے کا خوف ستا رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ تم اس سے نہیں' مجھ سے

محبت کرتے ہو۔ میں تمہیں ہرٹ کرنا چاہتی تھی۔ تمہارے احساس جرم کی آگ کو اور بھڑکانا چاہتی تھی۔

روشن' مجھے معاف کر دو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس پر کیوں ملتفت ہوئے تھے اس لئے کہ میں تمہاری عزت نفس کو روندتی تھی۔ تمہاری مردانگی کو ٹھیس پہنچاتی تھی۔ میں تمہیں آسودگی نہیں دیتی تھی جو میرا فرض تھا۔ بس میں نے تمہارے ساتھ ایک ہی بھلائی کی۔۔۔ اور وہ یہ کہ تمہیں آزاد کر دیا۔ اچھا کیا نا؟ اب اس کے نتیجے میں تم ایک اچھی' باعزت اور خوشیوں بھری زندگی گزار رہے ہو۔ تمہیں وہ سب کچھ مل رہا ہے جو میں تمہیں نہ دے سکی اور میں اس میں خوش ہوں۔۔۔ تمہاری خوشی میں۔

یہ نیند کی گولیاں بڑی عجیب چیز ہیں۔ پتا ہے جو میں لکھ رہی ہوں وہ پڑھ نہیں پا رہی ہوں۔ یہ ذہن کی سلیٹ کو ہر تحریر سے صاف کر دیتی ہیں۔ سنو اب اس شیطان کو میں سمجھنے لگی ہوں۔ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھ پر ہسٹریا کے دورے نہیں پڑتے۔ میں جان گئی ہوں کہ وہ کیا کرے گا۔ آج کشور کسی کام سے کمرے سے نکلا تو میں نے اس کی جیکٹ کی جیب میں رکھے ہوئے خطوں میں سے ایک نکال کر پڑھ لیا۔ اس نے صاف لکھا ہے کہ وہ مجھے قتل کرے گا۔ میں نہیں سمجھتی کہ کوئی اسے روک سکتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔ شاید میں اتنے طویل عرصے سے خوفزدہ رہی ہوں کہ احساس بھی ختم ہو گیا ہے اور زندگی کوئی اتنی پیاری چیز بھی نہیں کہ میں اسے بچانے کی جدوجہد کروں۔ بہتر یہی ہے کہ میں زندگی کا بھی پیچھا ویسے ہی چھوڑ دوں' جیسے تمہارا پیچھا چھوڑا تھا۔

کاش' مجھے نیند آ جایا کرے۔ کاش میں اس ڈرامے کو چھوڑ سکوں۔ اگر یہ ڈراما ختم ہوا اور میں پھر بھی زندہ ہوئی تو میں کچھ کروں گی۔ یہ نہیں پتا کہ کیا کروں گی مگر کچھ ایسا کروں گی کہ بچی کھچی زندگی بہتر انداز میں گزرے گی۔ شاید میں یہ بھی سمجھ لوں کہ میں نے اتنی آرزوئیں کیوں کی تھیں۔۔۔ اور پایا کچھ بھی نہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟

سوری ڈارلنگ! میں پھر خود ترسی کا شکار ہو رہی ہوں۔ ایسے میں اپنا آپ بہت بدصورت لگتا ہے۔

تمہاری مجرم۔ سونیا

4 جون 98ء

انسپکٹر کشور رانا

ہم کبھی ملے تو نہیں ہیں لیکن ہمارا ایک دوسرے سے تعلق ضرور ہے اور وہ تعلق سونیا کرن کے حوالے سے ہے۔ میں وہ شخص ہوں جس نے سیما مودی پر چاقو کی دھار آزمائی تھی۔ سچ یہ ہے کہ اب مجھے اپنی اس بے رحمی پر پچھتاوا ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں بے شمار ایسے حقائق ہیں جن کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ باہر سے دیکھنے والے کو اندر کی صورتحال کا کہاں پتا چلتا ہے؟ بہرحال حقائق صرف میں جانتا ہوں۔

اب ہم اس وجہ کی طرف آتے ہیں جس کی خاطر میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں اپنے گرد چھائی ہوئی شکوک و شبہات کی دھند صاف کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں تمام حقائق بتا دوں لیکن وہ میں تمہیں اس خط میں نہیں لکھوں گا۔ یہ سب باتیں تو روبرو ہی ہو سکتی ہیں۔

اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں کہ تمہیں اپنا پتا بتاؤں تاکہ تم آؤ اور میری سنے بغیر مجھے گرفتار کر لو اس لئے میں تم سے ایک درخواست کر رہا ہوں۔ شانتی نگر کے چوراہے پر ایسٹ روڈ والی سائڈ پر ایک ٹیلی فون بوتھ ہے۔ اس کا نمبر آج میں نوٹ کر چکا ہوں۔ میری تجویز یہ ہے کہ 8 تاریخ کو سہ پہر تین بجے تم اس بوتھ میں میری کال کا انتظار کرو۔ میں تین بج کر بیس منٹ پر تمہیں کال کروں گا۔ واضح رہے کہ تین بجے ہر حال میں وہاں پہنچ جاؤ پھر میں تمہیں وہ سب بتا دوں گا جو تم جاننا چاہتے ہو۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ 8 جون کو تین بجے۔۔۔ یاد رکھنا۔

"وہ" تم جس کی تلاش میں ہو

○

4 جون 98ء

ایئر ہری رام

اب تم فکر نہ کرو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پستول مجھے مل گیا ہے۔ اس اتوار کوئی وی پر میرا نیا ڈراما دیکھنا نہ بھولنا۔

ساحر انجان

○

5 جون 98ء

میری جان سونیا

تم کیوں بلاوجہ کا احساس جرم اٹھائے اٹھائے خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ جو کچھ ہوا' اس میں تم قصوروار نہیں تھیں۔ قصوروار میں تھا۔

سنو' اس ایکسٹرا گرل کے ساتھ میرا کوئی افیئر نہیں تھا۔ ہاں' میں نے تمہیں یہ یقین دلانے کی کوشش ضرور کی تھی کہ کوئی چکر ہے۔ مقصد بچکانا تھا۔۔۔ تمہاری توجہ حاصل کرنا۔ تم نے ایک نئی فلم سائن کی تھی اور دو ماہ کے لئے آؤٹ ڈور شوٹنگ پر جا رہی تھیں۔ جبکہ میں تم سے دوری نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سوچا شاید رقابت میں مبتلا ہو کر تم وہ فلم چھوڑ دو۔ یہ تھی اصل بات۔

ہماری شادی بگڑی تو صرف ایک وجہ سے۔ میں تمہارے قابل نہیں تھا لیکن سونیا' میں تم سے محبت کرتا تھا' اب بھی کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ یہ وہ حقیقت ہے جو کبھی نہیں بدلے گی۔ ہو سکے تو مجھے میری غلطیوں پر معاف کر دینا۔

تمہارا اپنا' صرف تمہارا روشن

○

6 جون 98ء

سارہ دیدی

ڈاکٹر میری کنڈیشن سے پوری طرح مطمئن ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ نومبر سے پہلے پلاسٹک سرجری نہیں ہو سکتی۔ موسم گرما کے لئے وہ مجھے ایک خاص قسم کا ملک

بنا کر دیں گے۔ سونیا نے کہہ دیا ہے کہ اخراجات کی بالکل پروا نہ کی جائے۔ وہ بہت مہربان اور اچھی عورت ہے۔

زندگی بہت عجیب ہو گئی ہے۔ اب تو یہاں ہر وقت ایک پولیس والا موجود رہتا ہے۔ عجیب صورتحال ہے۔ یہاں میں ہوں' نرس ہے اور پولیس والا ہے۔ ادھر سونیا ہے اور اس کا بھی ایک پولیس والا ہے' کیسا عجیب گروپ بن گیا ہے لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ وہ دیوانہ پرسوں سونیا کے پولیس والے سے فون پر بات کرے گا۔ شاید وہی کچھ بتائے گا کہ سونیا کے کہنے پر اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ ہے نا پاگل۔ سچ پوری طرح دماغ چلا ہوا ہے اس کا۔ بہرحال پاگل ہونا بھی اچھا ہی ہے۔ شاید پولیس والوں کی باتوں میں آسانی سے آ جائے۔ وہ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ اگر وہ سونیا کے خلاف سرکاری گواہ بن جائے تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔ ویسے سونیا کا پولیس والا زبان کا بہت تیز ہے۔ کسی کو بھی قائل کر سکتا ہے۔

دیدی' سونیا کا بہت برا حال ہے۔ وہ ڈرامے کو ملتوی کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ ہر وقت یہی باتیں کرتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کبھی اچھا نہیں رہا۔ اس نے بہت لوگوں کو مایوس کیا ہے۔ یہ اسی کی سزا مل رہی ہے۔ اب وہ نہ تو نیند کی گولیاں چھوڑتی ہے اور نہ کوئی معقول بات سمجھتی ہے۔ میرا دل دکھتا ہے اس کے لئے۔

اچھا دیدی دعا کرنا ہمارے لئے۔ بچوں کو پیار دینا۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

جوہو پولیس اسٹیشن

کمل

کمشنر صاحب کا حکم ہے کہ تمہیں کشور رانا کی جگہ ڈیوٹی سنبھالنی ہے۔ نگار اپارٹمنٹس میں سونیا کرن کے گھر۔ کشور رانا چند دنوں میں واپس آ جائے گا تو تم فارغ ہو جاؤ گے۔ اس کی ٹانگ کا زخم سریس نہیں۔ گولی گوشت کو چھو کر گزری ہے۔

ولسن

○

9 جون 98ء

روشن جان

یہاں تو بڑی ابتری ہے۔ پہلے سیما میری نحوست کی لپیٹ میں آئی اور اب انسپکٹر کشور رانا کی باری آ گئی۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس شیطان نے کشور پر گولی کیسے چلائی۔۔۔ اور پھر بچ بھی نکلا۔ روشن مجھے تو وہ انسان نہیں' کوئی بد روح لگتا ہے بہرحال اب مجھے اپارٹمنٹ سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ میں ریسرسل کیلئے جا سکتی ہوں' نہ سیما کی مزاج پرسی کو مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میں مرنے والی ہوں۔

تم سیما کو یہاں نہ رہنے دینا۔ اس کی بہن کی طرف بھجوا دینا۔ اب میں سونا چاہتی ہوں۔ اس معاملے کے انجام تک پہنچنے تک ہر روز تمہیں خط لکھوں گی۔

اور یہ تم نے کیا لکھا کہ میں تمہیں معاف کر دوں! غلطی تمہاری نہیں' میری تھی۔ بہرحال۔۔۔

تمہاری دیوانی۔ سونیا

○

9 جون 98ء

سونیا کرن

میں نے اخبار میں پڑھا کہ تمہاری جگہ ریہرسل نرگس پٹیل کر رہی ہے۔ یہ کیا؟ تم اتنی خوفزدہ ہو کہ اپنے کیریئر کی فکر بھی بھول گئیں۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے دوست پولیس والے کو ختم کر دیا۔ وہ ہر وقت تم سے چپکا رہتا تھا۔ اس کی موت سے میں نے تم پر ثابت کر دیا کہ مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔ کام بہت آسان تھا۔ میں ایک وکلن کی نیچی چھت پر چڑھ کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ آیا اور میں نے اسے شوٹ کر دیا مگر پتا نہیں کیوں' اس کی موت کی خبر چھپائی جا رہی ہے۔ اخبار میں بھی نہیں تھی۔

رات میں نے پھر تمہیں خواب میں دیکھا۔ اس خواب میں تم نے مجھے بار بار اپنی قربت سے نوازا۔ ہم دونوں بہت خوش تھے۔ تم نے مجھ سے کہا کہ تم نے میری ہر حرکت کو معاف کر دیا ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں نے جو کچھ بھی کیا' تمہاری محبت میں کیا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اب بھی میرے لئے محبت کی علامت ہو۔ حالانکہ تم ہرگز محبت کے قابل نہیں ہو۔ بہرحال تم فکر نہ کرو جلد ہی میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

فقط تمہارا ہونے والا قاتل

○

10 جون 98ء

روشن جان

اب مجھ پر ایک نرس بھی مسلط کر دی گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کچھ نیند کی گولیوں میں بھی گڑبڑ ہے۔ نرس مجھے ایک گولی دیتی ہے مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ نیند آ بھی جائے تو وہ جاگنے سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ بار بار اچٹتی ہوئی نیند۔ میری ماں جی مرنے سے پہلے آنکھیں پھاڑے کھڑکی سے باہر تکتی رہتی تھیں۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ ہر وقت کھڑکی سے باہر دیکھتی رہتی ہوں۔ بلندی سے دیکھنے پر یہ شہر کتنا خوبصورت نظر آتا ہے۔ تمہیں یاد ہے' کبھی میں بھی بہت خوبصورت تھی اور تم بھی بہت اچھے تھے۔۔۔ قریب سے دیکھنے پر بھی۔

نرس مجھے ایک جام بھی نہیں پینے دیتی۔ ایک وقت میں نیند کی ایک گولی دیتی ہے۔ ہاں' وہ چائے بنا کر دیتی ہے۔ وہ بھی سبز۔۔۔ کیسی عجیب بات ہے۔۔۔ سبز چائے۔ ایک بہت بڑی اداکارہ اور سبز چائے۔ روشن' اب میں خوفزدہ بالکل نہیں ہوں۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔۔۔ خوفزدہ نہ ہونا۔ میں تو ہمیشہ سے خوف کا شکار رہی ہوں۔ تمہیں یہ پتا ہے۔ چھوٹی سی تھی تو ڈر کے مارے گھٹنوں' کونوں کھدروں میں چھپی رہتی تھی لیکن اب میں خوفزدہ نہیں ہوں۔

تمہاری سونیا

○

10 جون 98ء

سونیا کرن

ایک اور ویسا ہی خواب۔۔۔ اس سونیا کا جو تم سے پہلے ہوا کرتی تھیں۔ نرم، مہربان، محبت کرنی والی۔ خواب میں ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چل رہے تھے۔ تم نے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام کر تھپتھپایا اور کہا۔۔۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ میں کیا بتاؤں۔ جو کچھ ہمارے ساتھ، ہمارے درمیان ہوا مجھے اس پر یقین نہیں آتا۔ دکھ ہوتا ہے بہت۔ میں ایک ایسی ہستی سے شدید نفرت کرنے پر مجبور ہوں جس کو میں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ ممکن ہے کہ تم نے مجھے خط لکھنے کے بارے میں سوچا ہو اور یہ سوچ کر نہیں لکھا کہ کہیں اس خط کے ذریعے دشمن مجھ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں شکوک میں۔۔۔ اوہام میں گھر گیا ہوں۔ کاش! تم سے ملنے کا۔۔۔ بات کرنے کا موقع مل جاتا۔ خود تمہارے منہ سے حقیقت سن لیتا۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو کیا کر سکتا ہوں؟ تم کبھی مجھے معاف نہیں کرو گی؟ سونیا۔۔۔ جتنی مجھے جینے کی خواہش ہے، اس سے زیادہ دوبارہ تم سے محبت کرنے کی خواہش ہے۔

ساحر انجان

○

11 جون 98ء

سونیا جان

میرے لئے کبھی اپنے محسوسات کا بیان، اپنے جذبات کا اظہار آسان نہیں رہا۔ لیکن اب مجھے اس کی ایک بھرپور کوشش کرنی ہے۔ میں تمہارے لئے خوفزدہ ہوں۔ میری زندگی صرف اس پاگل وحشی کی طرف سے لاحق خطرے کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے اندر موجود ایک چیز کی وجہ سے بھی۔ ایک ایسی چیز جو ہمیشہ سے تمہارے اندر رہی ہے لیکن اب دھماکہ خیز حد تک بڑھ گئی ہے۔

وہ چیز یہ ہے سونیا کہ تم ہمیشہ اپنے محسوسات کو چھپاتی رہی ہو۔ ان پر پردہ ڈال کر ان کا رنگ بدلتی رہی ہو۔ تم خود کو چھپاتی رہی ہو۔۔۔ یہ سوچ کر کہ اگر تمہارا اصلی

روپ سامنے آگیا تو ملنے والے تم سے گھبرا کر بھاگ جائیں گے۔ اس خیال سے تم نے ہمیشہ خود کو قید کر کے۔۔۔ چھپا کے رکھا اور شاید اسی لئے تم وہ سونیا بن گئیں جو اب ہو مگر سونیا، میں پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ تم منہ چھپاؤ۔ تم کسی سزا کی مستحق نہیں۔ تم نے ایسا کچھ کبھی نہیں کیا۔ پلیز۔۔۔ اور پر رحم کرو سونیا۔ مجھ پر رحم کرو۔ نیند کی گولیاں زیادہ مت لو۔ یہ بہت نقصان دہ ہیں۔ اور سنو۔۔۔ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ تم تصور میں بھی نہیں سوچ سکتیں۔

تمہارا اپنا، صرف تمہارا۔ روشن

○

11 جون 98ء

روشن

نیند مجھ سے خفا ہے۔ رات میں پورے اپارٹمنٹ میں چکراتی پھری۔ کسی روح کی طرح۔ ٹھوکر لگی، گل دان گرا تو پولیس والا جاگ گیا اور وہ اندھا دھند ریوالور لے کر جھپٹا۔ ریوالور لے کر۔۔۔ ہے نا عجیب بات!

روشن اب میں یہاں نہیں رکوں گی۔ کچھ بھی ہو، مجھے پروا نہیں۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ لوگ مجھے جانے نہیں دیں گے۔ میں نے سوچا ہے کہ رات کو نکل جاؤں گی۔ جب نرس بھی سو رہی ہو گی اور پولیس والا بھی۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے کہاں جانا ہے، مرنے سے پہلے میں کیا دیکھنا چاہتی ہوں۔ روشن، میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اچھا الوداع۔

تمہاری اور صرف تمہاری۔ سونیا

○

11 جون 98ء

میری سونیا

میں کیا کروں؟ جو کچھ میں نے انسپکٹر کے ساتھ کیا' اس کے بعد وہ تمہیں اپارٹمنٹ سے نکلنے اور مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ تمہارا فون نمبر ڈائریکٹری میں بھی نہیں ہے ورنہ میں تم سے فون پر بات کر لیتا۔ کچھ کرو سونیا۔ تمہیں میرا پتا معلوم ہے خط ہی لکھ دو۔ اپنا فون نمبر دے دو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے بلکہ اب تو احساس جرم مجھے ستا رہا ہے۔ میں کتنا احمق ہوں۔ میں نے سوچا بھی نہیں کہ تم میرا پتا پولیس کو دے سکتی تھیں مگر تم نے نہیں دیا۔ اس کا مطلب ہے' تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے تبھی تو میری فکر کرتی ہو۔ تم صرف اس خوف کی وجہ سے خط نہیں لکھتی ہو کہ پولیس اس کی مدد سے مجھ تک نہ پہنچ جائے اور سونیا' میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو میں جان دے دوں گا۔۔۔ تمہارے نام پر۔

تمہارا محبوب۔ ساحر انجان

○

12 جون 98ء

میرے روشن

گزشتہ رات نرس نے مجھے پکڑ لیا مگر آج ایسا نہیں ہو گا۔ میرے پاس نیند کی تین گولیاں تھیں جو میں نے حلق سے اتارنے کے بجائے چھپا لی تھیں۔ وہ میں نے پیس کر نرس کے کھانے میں ملا دیں۔ سو آج میں نکل جاؤں گی۔ کاش اس کے مارنے سے پہلے میں وہاں پہنچ سکوں۔ میرا ہر قصور معاف کر دینا۔

تمہاری اور صرف تمہاری سونیا

○

ٹیلی گرام

12 جون 98ء

محترم روشن چاؤلہ

سونیا غائب ہو گئی ہے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہو گی؟ میں بہت فکر مند ہوں۔ کوشش کی تھی مگر تم سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ فوراً فون کرو پلیز۔

ساحر انجان

○

13 جون 98ء

میرے روشن

میں کامیاب ہو گئی اور اب میں اکیلی ہوں۔ یہاں تنہائی ہے اور سکون ہی سکون۔ شام کو میں ساحل پر ٹہلتی پھری۔ یہ سب کچھ خوب صورت ہے روشن اسی لئے تو میں یہاں آئی ہوں۔ سمندر اور آسمان دیکھنے کیلئے۔ کب سے کھلا آسمان نہیں دیکھا تھا میں نے۔ اب زندگی زندگی لگتی ہے۔ خوب صورت لگتی ہے۔

پچھلے چند ہفتوں میں بہت کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس سے پہلے برسوں میں کسی تاریک راہداری میں چل رہی تھی اور اب اچانک ایک روشن ہال میں آ گئی ہوں۔ جو ہونا ہے' وہ اب غیر اہم لگتا ہے۔ میں نے آسمان اور سمندر دیکھ لیا اور کیا چاہیے۔ سیپیاں اور کوڑیاں چن لیں۔ زندگی کی طوالت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل چیز زندگی کو برتنا ہے۔

میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ تم سے محبت کی اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔ تم' سیما' آسمان اور سمندر۔ کیسی بھرپور زندگی گزاری ہے میں نے اور اب زندگی کو ختم کرنا ہے تو ختم ہونا ہے۔ اب "وہ" آئے اور مجھے ختم کر دے مگر یقین رکھنا' میرے ذہن میں آخری خیال تمہارا ہی ہو گا۔

تمہاری۔ سونیا

○

15 جون 98ء

میری سونیا

میں بہت مایوس ہوں۔ ایک انسان کی میں نے جان لے لی اور دوسرے کو جسے میں جان سے بڑھ کر چاہتا تھا' جیتے جی مار دیا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ اب ہمارے لیے کوئی امکان یکجائی کا نہیں رہا۔ تمہارے بغیر زندگی بے معنی ہے۔ یہ خط تمہیں ملے گا تو میں مر چکا ہوں گا۔

میں اپنی خوشی سے مر رہا ہوں۔ تمہیں جو اذیتیں دیں' ان کی سزا کے طور پر اور مرتے ہوئے میں خوش ہوں۔ میری موت گواہی دے گی کہ دنیا میں کم ہی لوگوں نے میری طرح محبت کی ہو گی اور میں تمہاری محبت میں سرشار ہو کر جان دے رہا ہوں اس لیے خوش ہوں۔ مجھ سے تمہیں جو دکھ ملے ان پر مجھے معاف کر دینا۔ کاش' تمہاری زندگی خوشیوں سے بھی رہے کیونکہ تم خوشیوں کی حق دار ہو میرے لیے تم ایک دیوی تھیں۔ ہاں کبھی بہت خوش ہو تو دو آنسو میری یاد میں بھی بہا دینا۔ اچھا سونیا۔ میری زندگی' میری جان' میری محبت۔۔۔ وقت جدائی آ پہنچا۔

تمہارا خطاکار۔ ساحر انجان

○

جوہو پولیس اسٹیشن

کشور رانا

میں نے سوختہ لاش کی تصویریں حارث کو بھجوا دی ہیں۔ ساتھ میں اس خط کی فوٹو کاپی بھی جو مرنے والے نے سونیا کرن کے نام پر چھوڑا ہے اور جو لاش کے قریب ملا تھا۔ کمشنر صاحب کا کہنا ہے کہ اب جبکہ یہ کیس ختم ہو گیا ہے تو تم فوراً واپس آ جاؤ۔

ولسن

○

18 جون 98ء

خارہ دیدی

اس وقت میں سونیا کے گھر میں ہوں۔ باتھ روم سے سونیا کے گنگنانے کی آواز آ رہی ہے۔ میں خوشی سے بے حال ہوں۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے مگر دیدی پچھلے چند روز بڑے عذاب میں کٹے ہیں۔ سکون اس وقت ہوا جب روشن نے فون کر کے بتایا کہ سونیا کہاں ہے؟ اس سے پہلے مجھے لگتا تھا کہ خوف سے مر جاؤں گی۔ میں تو سمجھی تھی کہ اس خبیث نے سونیا کو ختم کر دیا ہو گا۔ پھر ہمیں پتا چلا کہ اس منحوس نے خودکشی کر لی۔ میں کیا بتاؤں دیدی' زندگی میں اتنا سکون پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ کسی کے مرنے پر ایسا بھی ہوتا ہے لیکن کیسی موت چنی اس نے اپنے لیے۔۔۔ خود پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا لی۔ پاگل ہی تھا نا۔

سونیا کس عذاب سے گزری ہے پتا ہے' ہم پونا پہنچے تو وہ راٹھور جی کے بنگلے کے باہر ساحل پر گھروندا بنا رہی تھی۔ لیکن اس کی نظروں میں عجیب سا خالی پن تھا۔ وہ "اس" کی منتظر ہو۔ میں نے اسے "اس" کی خودکشی کے بارے میں بتایا تو وہ خالی نظروں سے مجھے تکتی رہی۔ میں تو سمجھی کہ وہ پاگل ہو گئی ہے مگر پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ واپسی کے سفر میں' میں نے اسے لپٹائے رکھا۔ انسپکٹر کشور اسے تسلیاں دیتا رہا۔

کل سے ریسرسل شروع ہو رہی ہے۔ اگلے ہفتے ڈراما پیش کر دیا جائے گا۔ یہ لو۔ سونیا باتھ روم سے نکل آئی۔ میں ذرا اسے دیکھ لوں۔ باقی باتیں اگلے خط میں۔ سب کو پیار۔

تمہاری بہن۔ سیما

○

29 جون 98ء

روشن میری جان

ڈراما عوام کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلے شو میں صرف ڈیڑھ گھنٹا رہ گیا ہے۔ تمہیں احساس بھی ہے کہ کئی ہفتوں میں یہ میں تمہیں پہلا خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ڈراؤنا خواب ختم ہو گیا ہے پھر سے نارمل ہو جانا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ سیما چلا رہی ہے کہ اب ہمیں چل دینا چاہیے۔ اب میں خط ختم کرتی ہوں۔ پہلے شو کے بعد فرصت ملی تو تفصیلی خط لکھوں گی۔ بس اتنا بتا دوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔

تمہاری۔ سونیا

○

29 جون 98ء

سونیا کرن

تم یہ خط نہیں پڑھ سکو گی یہ میں صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ دنیا کو پتا چل جائے کہ محبت ایسی بھی ہوتی ہے۔

نہیں میری جان' میں مرا نہیں۔۔۔ بالکل نہیں مرا۔ وہ جلی ہوئی لاش میری نہیں تھی۔ وہ تو ایک بھینٹ تھی۔۔۔ کلی کے نام۔۔۔۔ میری طرف سے۔ اس کی جان لیتے ہوئے مجھے افسوس ہوا مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ تمہارے اردگرد موجود محافظوں کو یہ یقین دلانے کی اور کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ اب ان کی موجودگی غیر ضروری ہے۔ خطرہ ختم ہو چکا ہے اور تم محفوظ ہو چکی ہو اور تمہیں شو میں بھی تو لانا تھا۔ اس کے بغیر بات کیسے بنتی۔

یہ خط میں پوسٹ نہیں کروں گا۔ یہ میری جیب میں پایا جائے گا۔۔۔ اس وقت جب ہم محبت کا کھیل مکمل کر چکے ہوں گے۔ محبت کا نام اور ہمارے نام امر ہو چکے ہوں گے۔

آج کے شو میں' میں پہلی قطار میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میرا پستول تمہارے اور میرے دائمی ملن کی ضمانت ہے۔ یہ ہمیں ہمیشہ کیلئے ایک کر دے گا۔ تم ویسے ہی مرو گی

جیسے جیتی رہی ہو۔۔۔ روشنیوں کے' کامیابیوں کے درمیان۔۔ یوں جیسے تارہ ٹوٹ جائے اور میں تمہاری روشنیوں کے سائے میں' تمہاری شہرت کے دامن میں مروں گا۔ اب میں گمنام نہیں رہوں گا۔ تمہاری شہرت اور مقبولیت میں میرا بھی حصہ ہو گا۔ اب صرف چند گھنٹوں کی دوری ہے میری جان۔۔۔ سونیا' تم میری تھیں' میری ہو اور میری ہی رہو گی۔ میری محبت تمہیں امر کرنے والی ہے۔

تمہارا اپنا ساحر انجان

○

وہ خط جو سونیا کرن پڑھ نہ سکی۔ یہ اس کی موت کے بعد موصول ہوئے۔

30 جون 98ء

پریم نگر فلاور شاپ

محترمہ سونیا کرن

میں نے ساحر انجان سے رابطے کی بہت کوشش کی۔ تین خط لکھے جو واپس آ گئے۔ ان پر لکھا تھا کہ ساحر انجان اب یہاں نہیں رہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں نے ساحر انجان کے آرڈر کے مطابق ہلٹن ہوٹل کے سوئٹ کو 29 مئی کی شب پھولوں سے سجایا تھا' ان کی پیشگی رقم نکالنے کے بعد بھی میرے نو سو روپے ان کی طرف نکلتے ہیں۔ ہوٹل کے مینجر نے مجھے بتایا کہ آپ ساحر انجان جی کی مہمان تھیں لیکن آپ دونوں نہیں آ سکے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے نو سو روپے بھجوا دیں گی۔

خادم۔ مائیکل

○

30 اپریل 98ء

میری سونیا

جس وقت تمہیں یہ خط ملے گا' میں اس کے چند گھنٹے بعد تمہارے سامنے موجود ہوں گا۔ بس بہت ہو گئی۔ تمہیں جو ثابت کرنا تھا' وہ تم نے کر لیا۔ اب تم مجھے آنے سے نہیں روک سکتیں۔ اب میں تمہارے لئے نہیں' اپنے ہی لئے آ رہا ہوں۔ میں نے اور سنگیتا نے باہم رضا مندی سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سنگیتا بہت پیاری لڑکی ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ مجھے لڑکی کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی ایک بہت اچھی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد دوسری شادی کے کامیاب ہونے کا امکان کم ہی ہوتا ہے۔ خیر۔۔۔ مجھے بہت کچھ کہنا ہے اور اتنا کچھ نہ خط میں لکھا جا سکتا ہے نہ فون پر کہا جا سکتا ہے۔ وہ سب میں روبرو کہوں گا۔ فی الحال صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تم میرا انتظار کرو۔ میں آ رہا ہوں۔۔۔ تم سے کبھی جدا نہ ہونے کیلئے۔

تمہارا' تمہارا' صرف تمہارا

روشن

○

ری پلے

کھڑکی کی درزوں سے سردی پانی کی طرح رس رس کر اندر آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کاہلی سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس رکھا ہوا تولیا اٹھایا اور اسے کھڑکی کے گلے ہوئے فریم میں ٹھونس دیا۔

برف باری ہو رہی تھی۔ تولیے پر برف کے گالوں کے گرنے کی آواز دبی دبی پھنکاروں سے مشابہ تھی۔ نجانے کیوں یہ آواز اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے باہر دیکھا آسمان پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ نیچے جھیل کے پانی پر برف کے ذرات گر رہے تھے۔ مکان کی اس جانب سے وہ بہت دور تک دیکھ سکتا تھا۔

اسے اس علاقے سے نفرت تھی۔ خاص طور پر نومبر کے مہینے میں جب ہر چیز دھندلی نظر آتی تھی' یہ علاقہ اسے بہت برا لگتا تھا۔ ویسے تو اسے یہاں کا موسم گرما بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس نے صرف ایک بار موسم گرما یہاں گزارا تھا۔ اس عرصے میں یہاں سیاحوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ لوگ دور دور سے گرمیاں گزارنے یہاں آتے تھے تب اس مکان میں بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔

اسے ان بورڈز سے بھی نفرت تھی جو اجیت پال نے مکان کے سامنے' عقب میں اور پہلوؤں میں نصب کرا دیے تھے' جن پر نمایاں حروف میں برائے فروخت لکھا تھا۔ نیچے اجیت کی اسٹیٹ ایجنسی کا فون نمبر لکھا تھا جس پر خواہش مند خریدار رابطہ کر سکتے تھے۔ اس حقیقت سے اسے اور نفرت تھی کہ اجیت اور اس کے ساتھ کام کرنے والے گھنشام اب خریداری کے خواہش مند لوگوں کو مکان دکھانے کیلئے لے کر آتے تھے۔

خوش قسمتی سے وہ پچھلے مہینے ہی یہاں آ گیا تھا۔ اس وقت اجیت اس مکان کی فروخت کیلئے مہم چلانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ انہوں نے اسے ٹاپ فلور کا اپارٹمنٹ دے دیا تھا۔ وہاں اس نے دوربین سیٹ کر لی تھی۔

وقت کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ کسی بھی وقت کسی خریدار کو مکان پسند آ جاتا اور وہ اسے خرید لیتا۔ اس کے بعد یہاں رہنے کا موقع اسے کسی قیمت پر نہ ملتا۔ اسی لیے اس نے وہ آرٹیکل اخبار میں اشاعت کیلئے بھیج دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب سادھنا کی اصلیت بے نقاب ہو تو وہ یہاں موجود ہو—— تماشا دیکھنے کیلئے کیسا دھماکا ہو گا۔ اب تو سادھنا مطمئن نظر آتی ہے جیسے محفوظ ہو۔ جیسے ماضی مٹ گیا ہو۔ اسے کیا معلوم کہ ایسا ہے نہیں؟ ماضی کبھی نہیں مٹتا۔

اسے ایک کام اور بھی کرنا تھا لیکن سادھنا بچوں کے معاملے میں بہت محتاط تھی۔ وہ انہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی' بہت خیال رکھتی تھی وہ ان کا۔ ایسے میں ان کا کام آسان نہیں تھا لیکن بہرحال' کل——

وہ مضطربانہ انداز میں کمرے میں پھرتا پھرا۔ ٹاپ فلور کا یہ بیڈ روم اپارٹمنٹ کافی کشادہ تھا۔ وہ پرانا مکان ایک اونچی اور بہت بڑی چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ وہاں سے دریا اور جھیل کا منظر بہت صاف دکھائی دیتا تھا۔

گزشتہ چھ سال سے وہ یہاں آ رہا تھا۔ سیزن ختم ہونے پر وہ یہاں آتا اور موسم خزاں تک یہاں قیام کرتا۔ ہر بار وہ اسی مکان میں ٹھہرا تھا مگر اس سال وہ یہاں آیا تو اجیت اس مکان کو بیچنے کی فکر میں تھا۔ یہ مکان اس کے لیے آئیڈیل تھا۔ اس کی ضروریات کے لحاظ سے' اپنی لوکیشن کے اعتبار سے موزوں ترین۔ اجیت کسی ایسے خریدار کی تلاش میں تھا جو یہاں ہوٹل اور ریسٹورنٹ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس بار اسے مکان کا اوپری حصہ کرائے پر دیتے وقت اجیت نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی بھی وقت کسی خریدار کو مکان دکھانے کیلئے لا سکتا ہے۔ اگر اسے کوئی اعتراض ہو تو ابھی بتا دے تاکہ اسے کوئی اور مکان دکھا دیا جائے۔

اجیت پال! اجیت کا خیال آتے ہی وہ مسکرا دیا۔ وہ اکثر سوچتا کہ کیا سادھنا نے اجیت کو اپنے بارے میں بتا دیا ہو گا؟ اپنا ماضی اس پر کھول دیا ہو گا؟ اپنی حقیقت

اسے بتا دی ہو گی کہ وہ کون ہے؟ ممکن ہے' اس نے کچھ نہ بتایا ہو۔ عورتیں فطری طور پر بہت چالاک ہوتی ہیں اور اگر اجیت کو کچھ بھی نہیں معلوم ہے تو یہ اور بہتر ہو گا۔ لطف دو بالا ہو جائے گا۔ اگر وہ اجیت کو کل کا اخبار کھول کر پڑھتے دیکھے تو اجیت کے چہرے کا تاثر کیسا خوش کن ہو گا اس کیلئے!

وہ کھڑکی سے مڑا وہ بھاری بھرکم مگر تندرست آدمی تھا۔ اس کی ٹانگوں پر درخت کے تنوں کا گمان ہوتا تھا۔ اب وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ کچھ وزن چھانٹا جائے لیکن اس کیلئے پھر سے خود کو بھوکا مارنا ہو گا اور اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اپنے اصل بال بڑھائے۔ اب تو بال بڑی حد تک سفید ہو چکے ہوں گے۔

وہ اپارٹمنٹ میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ بالآخر وہ ڈرائنگ روم میں دوربین کے پاس جا رکا۔ وہ بہت طاقت ور دوربین تھی۔ ایسی دوربینیں عام طور پر دکانوں پر نہیں ملتیں۔ اس نے جھکتے ہوئے دوربین میں جھانکا۔

وہ ایک تاریک دن تھا اسی لیے سادھنا نے اپنے کچن میں لائٹ آن کر رکھی تھی۔ اس لیے وہ اسے صاف اور واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ وہ کچن کی کھڑکی میں سنک کے سامنے کھڑی تھی۔ شاید وہ کھانا پکانا شروع کرنے والی تھی۔ وہ خاموش کھڑی پانی کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی؟ بچوں کے بارے میں—— سبھاش اور تجا کے بارے میں؟ کاش—— وہ کسی طرح جان سکتا!

اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔ وہ نروس انداز میں اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ آج وہ بہت کم عمر لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے بال پیچھے کی طرف کر کے جوڑا باندھ رکھا تھا۔ بال اس نے اخروٹ جیسے براؤن رنگ کے رنگے تھے۔ کلر سے کیسا فائدہ اٹھاتے ہیں لوگ اور ہینو کلر میں اب کیسے کیسے شیڈ آنے لگے ہیں۔ اگر وہ اپنے بال نہ رنگتی تو اسے کوئی بھی بہ آسانی پہچان لیتا۔

وہ سادھنا کی عمر کے بارے میں سوچنے لگا۔ کل وہ 32 سال کی ہو جائے گی لیکن اس کی اتنی عمر لگتی نہیں تھی۔ کچھ لوگ اس معاملے میں بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں۔

کل! کل اسی وقت وہ سادھنا کو دیکھے گا۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے

گا۔ کل وہ سب کے سامنے' پوری دنیا کے سامنے بے نقاب ہو جائے گی۔ سب لوگ اس کی اصلیت جان لیں گے۔ وہ خوف سے پیلی پڑ جائے گی۔ سوالوں کے جواب دیتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑائے گی۔ اس سے بات نہیں کی جا رہی ہو گی۔ پولیس اس سے وہی سوالات کرے گی جو سات سال پہلے اس سے کیے گئے تھے۔ وہ خواہش کرے گی کہ مر جائے۔

"سنو سادھنا دیوی۔" پولیس اس سے کہے گی۔ "سچ سچ بتا دو سب کچھ۔ سادھنا دیوی' تمہارے بچے کہاں ہیں؟"

○

اجیت سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آیا۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ کس رہا تھا۔ سادھنا میز کے سامنے بیٹھی تھی۔ ارملا اس کی گود میں چڑھی بیٹھی تھی۔ نوین اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں بڑوں کا سا وقار تھا۔

اجیت نے نوین کا سر تھپتھپایا اور جھک کر ارملا کو پیار کیا۔ وہ بہت خوبصورت بچی تھی۔۔۔ نیلی آنکھوں والی۔

سادھنا نے سر اٹھا کر اجیت کو دیکھا اور مسکرائی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ کوئی اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آج وہ 32 سال کی ہو گئی ہے۔ اجیت کو اس کے بالوں کی جڑوں میں اس کے بالوں کا اصلی رنگ نظر آیا۔ پچھلے سال کئی بار اس نے سادھنا سے ضد کی تھی کہ وہ اب رنگ کرنا چھوڑ دے۔ اس کے بالوں کا اصل رنگ بہت خوبصورت ہے۔۔۔ ساون کی گھٹاؤں جیسا سیاہ! لیکن وہ اسے قائل نہیں کر سکا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے جاناں۔" وہ سرگوشی میں گنگنایا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سادھنا کے چہرے پر [illegible] کھنڈ گئی۔

نوین نے ناشتہ کرتے ہوئے سر اٹھایا اور حیرت سے باپ کو دیکھا۔ "کیا واقعی آج ممی کا برتھ ڈے ہے؟ آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔"

ارملا بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "ممی کا برتھ ڈے! واؤ۔" اس کے لہجے میں

چمکار تھی۔

"ہاں۔ آج تمہاری ممی کا برتھ ڈے ہے۔ شام کو میں بڑا سا کیک اور ایک تحفہ بھی لاؤں گا اور میرے ساتھ گھنشام چاچو بھی ہوں گے۔ رائٹ سادھنا؟" وہ سادھنا کی طرف مڑا۔

"اجیت۔۔۔ پلیز۔۔۔ نہیں۔۔" سادھنا کے لہجے میں التجا تھی۔

"تمہیں یاد ہے' پچھلے سال تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال ہم سالگرہ منائیں گے۔"

اجیت کو برسوں سے آرزو تھی کہ خوشی کو خوشی کی طرح منایا جائے۔ اس کا استقبال کیا جائے۔ زندگی کا انداز ایسے ہی تو بدلتا ہے۔ ابتدا میں وہ اصرار کرتا تو سادھنا ایک لفظ کہے بغیر جھیل کی طرف چلی جاتی اور وہاں یوں ازخود رفتگی کی کیفیت میں ٹہلتی رہتی جیسے اپنی ہی کسی دنیا میں چلی گئی ہو۔۔۔ اس دنیا سے پوری طرح بے خبر۔ ایسے میں وہ اسے بھٹکی ہوئی کوئی آتما لگتی جسے سکون کی تلاش ہو۔

لیکن پچھلے سال وہ کچھ کھلی۔ وہ اپنے پچھلے دونوں بچوں کے بارے میں بات کرنے لگی۔ "اب وہ ہوتے تو کتنے بڑے ہو گئے ہوتے۔ سبھاش گیارہ سال کا ہوتا اور تلجا دس کی۔ میں تصور میں انہیں اتنا بڑا دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں مگر نہیں دیکھ پاتی۔ میں تو انہیں ویسا بھی نہیں دیکھ پاتی جیسا آخری بار دیکھا تھا۔ وہ وقت ہی جیسے دھندلا گیا ہے میرے لیے۔ لگتا ہے' میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ وہ حقیقت نہیں تھی۔"

"سب کچھ بھول جاؤ میری جان۔" اجیت نے اس کے کندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ "جو کچھ ہوا' اسے یاد بھی مت کرو۔"

اس یاد نے اسے اپنے فیصلے میں اور مستحکم کر دیا۔ اس نے جھک کر سادھنا کا سر محبت سے تھپتھپایا۔ سادھنا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کا تاثر دیکھ کر وہ بے یقینی میں مبتلا ہونے لگا۔ "اجیت' میں نہیں سمجھتی۔۔۔"

"ممی۔۔۔ آپ کتنے سال کی ہو گئیں؟" نوین نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

سادھنا مسکرائی۔ "تمہیں اس سے کیا عورتوں سے ایسی باتیں نہیں پوچھتے۔ ایسا کرو گے تو دنیا میں کوئی لڑکی تمہیں پیار نہیں کرے گی۔"

"بتائیں نا ممی۔" ارملا ٹھنکی۔

"میں دو اوپر تیس کی ہو گئی۔"

"اوہ۔۔۔ تھرٹی ٹو۔" نوین نے نعرہ لگا۔

اجیت نے کافی کا طویل گھونٹ لیا۔ "سنو بیٹے' آج اسکول کی چھٹی کے وقت میں تمہیں لینے آؤں گا پھر ہم بازار جا کر تمہاری ممی کیلئے تحفہ خریدیں گے۔ اب مجھے جانا ہے۔ ایک خریدار کو شانتی ہاؤس دکھانا ہے۔ مجھے جا کر اس کے کاغذات چیک کرنے ہیں۔ سودا ہو گیا تو مزا آ جائے گا۔"

"مگر وہ تو کرائے پر چڑھا ہوا ہے؟" سادھنا نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ وہی مخص کرائے دار ہے۔۔۔ جسونت مگر میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے جب ضرورت ہوئی' میں کسی خریدار کو مکان دکھانے کیلئے لا سکتا ہوں۔ اسے اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ مجھے اس سودے پر تگڑا کمیشن ملے گا۔"

سادھنا نے ارملا کو گود سے اتارا اور اجیت کے ساتھ دروازے تک گئی۔

اجیت اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی کچی تنگ سڑک پر چل دی۔ یہ کچا راستہ ایکڑوں پہ پھیلے ہوئے جنگل کے درمیان سے گزرتا تھا اور آگے جا کر پکی سڑک سے جا ملتا تھا۔ وہ سڑک قصبے کو جاتی تھی۔۔۔ اور اسی پر اجیت کا دفتر تھا۔

میز کی طرف واپس آتے ہوئے سادھنا سوچ رہی تھی کہ اجیت کا کہنا درست ہے۔ گزری ہوئی کل کا ماتم کب تک؟ اب اسے ماضی کو بھول کر صرف مستقبل پر نظر رکھنی' صرف مستقبل کی فکر کرنی چاہیے لیکن وہ کیا کرتی۔ اس کے وجود کا ایک حصہ جیسے منجمد ہو گیا تھا اور وہ ماضی میں ہی رہ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اشیش کے ساتھ گزرا ہوا وقت دھندلایا ہوا سہی مگر اس کے ساتھ موجود ہے۔ یونیورسٹی کیمپس میں اپنا گھر یاد کرنا اس کیلئے بہت دشوار تھا اور وہ دونوں بچے۔۔۔ سبھاش اور تلجا۔۔۔ وہ کیسے لگتے تھے؟ دونوں کے بال گہرے سیاہ تھے اور وہ بجھے بجھے رہتے تھے۔ خود اعتمادی اور یقین سے محروم۔۔۔ اور ان کی اس کمی کا سبب وہ تھی۔ وہ انہیں اس سے ملی تھی اور پھر وہ کھو گئے تھے۔۔۔ دونوں کھو گئے تھے۔ کیسا زیاں تھا وہ!

"ممی۔۔۔ آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں؟" نوین نے پوچھا۔ اس کا انداز بالکل اجیت کا سا تھا۔

سادھنا نے دونوں بچوں کو محبت سے دیکھا۔ "نہیں بیٹے' ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں اداس تو نہیں رہتی۔" اس نے ارملا کو گود میں اٹھا لیا۔ بچی کا لمس زندگی سے بھرپور اور بے حد حدت آفریں تھا۔

"میں آپ کے تحفے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" ارملا نے کہا۔

"زبردست۔" سادھنا بولی۔ "لیکن باہر جا کر سوچو۔ تازہ ہوا بہت مفید ہوتی ہے۔ ویسے بھی بعد میں شاید بارش ہو جائے۔"

اس نے بچوں کو کپڑے تبدیل کرائے۔ ان کے سروں پر گرم ٹوپیاں رکھیں۔

"نوین۔۔۔ مجھے گھر کی صفائی کرنی ہے۔ تم ارمی کے ساتھ رہنا۔ اسے اکیلا نہ چھوڑنا۔"

"ٹھیک ہے ممی۔" نوین نے خوش دلی سے کہا پھر بہن کی طرف مڑا۔ "چلو ارمی' پہلے میں تمہیں جھولا جھلاؤں گا۔" باہر جنگل سے ذرا پیچھے اجیت نے شاہ بلوط کے ایک اونچے درخت کی شاخ پر بچوں کیلئے زبردست جھولا ڈال دیا تھا۔

سادھنا نے ارملا کو دستانے پہنائے۔ وہ سرخ رنگ کے تھے۔ وہ اونی تھے اور ان کی پشت پر ایک مسکراتا ہوا چہرہ بنا تھا۔ "یہ پہنے رہنا موسم ایک دم ٹھنڈا ہوتا جا رہا ہے۔ پتا نہیں' مجھے تم کو باہر جانے بھی دینا چاہیے یا نہیں۔"

"ممی پلیز۔" ارملا کے ننھے سے ہونٹ کانپنے لگے۔ اسے رونا آتا تھا تو وہ بہت اچھی لگتی تھی۔

"اچھا بابا' ٹھیک ہے۔ اب رونے کی اداکاری مت کرو۔" سادھنا نے جلدی سے کہا۔ مگر آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں۔ ٹھیک ہے؟" اس نے دروازہ کھولا۔ دونوں بچے باہر نکلے۔ باہر جسم کو ٹھٹھرا دینے والی بے حد سرد ہوا چل رہی تھی۔ سادھنا کپکپا کر رہ گئی۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

وہ پرانے طرز کا مکان تھا۔ زینہ بالکل سیدھا۔۔۔ تقریباً عمودی تھا لیکن سادھنا کو اس کی ہر چیز اچھی لگتی تھی۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا جب وہ پہلی بار یہاں آئی تھی تو اس مکان کو دیکھ کر اسے کیسے بے پایاں سکون کا احساس ہوا تھا۔ اس بات کو چھ سال ہو گئے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے' جب عدالت نے اس کے خلاف فیصلے کو

کالعدم قرار دے دیا تھا۔ استغاثہ نے مقدمہ دوبارہ چلانے پر زور دیا تھا کیونکہ ان کا سب سے اہم گواہ پرکاش اچانک ہی غائب ہو گیا تھا۔

وہ بھاگ کر یہاں آئی تھی۔ وہ یہ سوچ کر نکلی تھی کہ علی گڑھ سے جتنی دور جانا ممکن ہو' چلی جائے۔ وہ یونیورسٹی سے' اس پورے تعلیمی ماحول سے فرار چاہتی تھی۔ وہ ان دوستوں سے دور بھاگ رہی تھی جو راتوں رات اجنبی دشمن بن گئے تھے۔ وہ جو ہر وقت "بے چارے اشیش" کا تذکرہ کرتے تھے اور اشیش کی خودکشی کا ذمے دار بھی اسی کو ٹھہراتے تھے۔

وہ دار جلنگ چلی آئی کیونکہ اس نے سنا تھا کہ یہاں کوئی کسی کے بارے میں تجسس نہیں کرتا بلکہ وہ اجنبیوں سے تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتے۔ بے تکلفی تو بہت دور کی بات ہے اور یہ اس کیلئے بہتر تھا۔ وہ یہی چاہتی تھی۔ اس نے اپنے بال کٹوا لیے اور انہیں رنگ لیا۔ اب اس کے بال اخروٹ جیسے براؤن تھے۔ ان کی وجہ سے وہ بالکل بدل گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی بظاہر غیر اہم تبدیلیاں آدمی کو کتنا بدل دیتی ہیں' یہ احساس بے حد حوصلہ افزا تھا۔ اب وہ ان تصویروں سے یکسر مختلف تھی جو مقدمے کے دوران میں ملک بھر کے اخبارات کے صفحہ اول پر شائع ہوتی رہی تھیں۔ اب کوئی اسے سادھنا اشیش کمار کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتا تھا۔

اسے مکان کی تلاش تھی اور خوش قسمتی اس تلاش کے بہانے اسے اجیت پال کی اسٹیٹ ایجنسی میں لے گئی۔ "میرے پاس ایک بہت اچھا مکان ہے۔" اجیت نے اس سے کہا۔ "بس وہ ہے ذرا پرانے طرز کا۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں۔"

"وہ مکمل طور پر آراستہ ہے۔ قبضہ بھی فوراً ہی مل سکتا ہے۔ آپ کیلئے کتنے کمرے کافی ہوں گے۔ مسز۔۔؟"

"مس سادھنا رائے۔" سادھنا نے جلدی سے کہا۔ جبلی طور پر اس نے اپنے نام کے ساتھ باپ کا نام منسلک کر دیا تھا۔ "اور سنیں' مجھے کسی بڑے مکان کی ضرورت نہیں میرے ایسے ملنے والے نہیں جو یہاں آئیں اور میرے ساتھ قیام کریں۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔"

سادھنا کو یہ بات بہت اچھی لگی کہ اجیت نے اس کے بارے میں زیادہ تفتیش نہیں کی۔

"تنہائی اور پرائیویسی کے خواہاں لوگوں کیلئے یہ علاقہ بہت مناسب ہے۔" اجیت نے کہا تھا۔

سو اجیت اسے یہاں لے آیا۔ مکان اسے پہلی ہی نظر میں بھا گیا اور اس نے اسے کرائے پر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ڈائننگ روم اسے بہت ہی اچھا لگا۔ جھیل کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے سامنے بڑی ڈائننگ ٹیبل رکھی تھی۔ بیڈ روم کی کھڑکی بھی جھیل کی طرف کھلتی تھی۔ قبضہ اسے فوراً ہی مل گیا اور وہ مکان میں منتقل ہو گئی۔ اس رات مہینوں میں پہلی بار وہ گہری اور بہت اچھی نیند سوئی۔ وہ ایسی پرسکون نیند تھی جس میں پہلی بار اس نے سبھاش اور تلجا کی فریاد بھری پکار نہیں سنی۔ اسے ہوش ہی نہیں رہا۔

اس مکان میں پہلی صبح اس نے اپنے لیے کافی بنائی اور کافی کی پیالی لے کر کھڑکی کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ ایک خوبصورت اور چمک دار دن تھا۔ آسمان جامنی مائل نیلی رنگت کا تھا۔ جھیل میں کشتیاں نظر آ رہی تھیں اور فضا آبی پرندوں کے چہچہوں سے معمور تھی۔ وہ زندگی سے بھرپور ایسا منظر تھا جس نے اس کا وہ جمود توڑ ڈالا جو طویل بے خواب راتوں اور اچٹتی نامکمل نیندوں نے اس پر طاری کر دیا تھا۔ اسے سکون کا احساس ہونے لگا۔

او گاڈ' مجھے سکون دے دے۔۔۔ یہی ایک دعا تھی جو وہ مقدمے کے دوران میں مسلسل کرتی رہی تھی۔ جیل میں بھی یہی دعا اس کے لبوں پر رہتی تھی۔ بھگوان' مجھے حقیقت کو قبول کرنے کا حوصلہ دے اور یہ سات سال پہلے کی بات تھی۔

اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ سیڑھیوں کے پاس کھڑی کی کھڑی رہ گئی ہے۔ یادوں میں کھو جانا کتنا آسان تھا۔ اس کیلئے ارادے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ یادیں خودبخود آتیں اور چھا جاتیں۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اسے سکون کیسے مل سکتا تھا۔ اس کے سر پر تو تلوار لٹک رہی تھی۔ کسی بھی وقت پرکاش نمودار ہو سکتا تھا۔۔۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے دوبارہ مقدمے کا سامنا کرنا پڑتا۔ مقدمہ۔۔۔ اور وہ بھی اپنے ہی بچوں کو قتل کرنے کے الزام میں اور اگر مقدمہ چلا تو وہ اجیت

سے۔۔ اور نوین اور ارملا سے دور جانے پر مجبور ہو جائے گی۔ یہ کیسی بے یقینی ہے۔ وہ زندگی شروع ہی نہیں کر سکتی جبکہ وہ دوبارہ زندگی شروع کر چکی ہے۔

سیڑھیوں پر چڑھ کر اس نے پلٹ کر ایک نظر دیکھا پھر وہ ماسٹر بیڈ روم میں چلی گئی۔ اس نے کھڑکیاں کھول دیں۔ آسمان پر بادل جنگ پر آمادہ کسی فوج کی طرح صف آرائی میں مصروف تھے۔ سردی بتاتی تھی کہ درجہ حرارت بہت تیزی سے اور مسلسل گر رہا ہے۔ اب اسے اتنا عرصہ ہو چکا تھا کہ وہ یہاں کے موسم کا مزاج سمجھنے لگی تھی۔ جس طرح کی ہوا چل رہی تھی' وہ طوفان کی نقیب تھی۔

وہ گومگو میں پڑ گئی۔ ابھی موسم ایسا ہے کہ بچوں کو تھوڑی دیر اور کھیلنے دیا جا سکتا ہے؟ وہ ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ بچوں کو صبح کے وقت زیادہ سے زیادہ تازہ ہوا میسر آئے پھر دوپہر کو کھانے کے بعد ارملا سو جائے گی اور نوین اسکول چلا جائے گا۔

سادھنا چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے بیڈ شیٹس سمیٹیں۔ یہ تشویش اور بے یقینی جو اس کی بدترین دشمن تھی اور اس کے اندر ہی رہتی تھی' اس پر کسی طرح فتح حاصل کرنی ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ بچوں کی طرف سے اتنا پریشان رہنا بھی اچھا نہیں کہ وہ نفسیاتی کمپلیکس بن جائے۔ بستر پر دوسری چادریں بچھانے اور میلی چادروں کو واشنگ مشین میں ڈالنے میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ لگیں گے۔ یہ سوچ کر اس نے بچوں کے پاس باہر جانے کی چبھتی ہوئی خواہش کو تھپکا۔ ذرا سی دیر کی تو بات ہے۔

وہ کام میں مصروف ہو گئی!

○

کرن شرما نے بک اسٹال سے صبح کا اخبار خریدا۔ جب بھی وہ کچھ خریدنے کیلئے نکلتی تھی تو اس مکان کے سامنے سے گزرتی تھی۔ یہ مکان اجیت پال نے اسی وقت اپنے لیے خرید لیا تھا جب اس نے اس مکان کی خوبصورت کرائے دار سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ موسم اچھا ہوتا تو سادھنا اس وقت اپنے گھر کے باغیچے میں ہوتی تھی۔ وہ کرن کو دیکھ کر وش بھی ضرور کرتی تھی مگر آج موسم اچھا نہیں تھا۔

کرن کی عمر چالیس سے کم ہی تھی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ وکیل تھی۔ وہ خاصی پرکشش عورت تھی لیکن بے کاری نے اسے ڈپریشن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس علاقے میں جھیلیں تھیں' ندیاں تھیں اور مچھلی کے شکار کی تفریح میسر تھی لیکن موسم سرما میں مچھلی کا شکار ممکن نہیں ہوتا تھا۔ برسوں سے وہ اپنے شوہر کے ساتھ گرمی کا سیزن یہاں گزارنے آتی تھی مگر شرما کی موت کے بعد اکیلے پن نے اسے چاٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ یہاں صرف اس لیے آتی تھی کہ اس علاقے سے اس کی خوبصورت یادیں وابستہ تھیں۔

یہ اس علاقے میں رہائش اختیار کیے اس کا دوسرا سال تھا۔ ایک پبلشر سے اس کی بات ہوئی تھی اور وہ اس کی فرمائش پر ایک کتاب لکھ رہی تھی۔ اس کتاب میں قتل کے مشہور مقدمات کو زیر بحث لایا جانا تھا۔ کرن نے یہ کتاب اپنی ذاتی دلچسپی کی بنا پر شروع کی تھی۔ پبلشر سے اس کی جان پہچان تھی۔ اس نے کتاب کا ایک باب پڑھا تو اس میں دلچسپی لینے لگا۔ یوں باقاعدہ معاہدہ طے پا گیا اور اب کرن باقاعدہ اس پر کام کر رہی تھی۔۔ بلاناغہ۔۔ پانچ گھنٹے یومیہ یہاں وار بلنگ میں چھٹی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اسے عدالتوں سے بھی نجات مل گئی تھی اور یہ طے تھا کہ

کتاب مقبول ہوئی تو اس پر کیس برسیں گے۔

ہوا بہت سرد تھی۔ اس نے اونی اسکارف کو اچھی طرح کانوں پر لپیٹ لیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ابھی بادلوں نے سورج کا پوری طرح گھیراؤ نہیں کیا تھا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی دھوپ کی تمازت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے جھیل کی طرف دیکھا، سامنے والی جھاڑیوں کی چھٹائی کے نتیجے میں جھیل کا منظر بالکل صاف نظر آنے لگا تھا۔ بس اس جھیل کے منظر کی راہ میں وہ پرانا ہنٹ ہاؤس رکاوٹ بنتا تھا جس کا نام شانتی ہاؤس تھا۔

کرن نے سر گھما کر دیکھا تو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ جس شخص نے شانتی ہاؤس کی اوپری منزل کرائے پر لی تھی اس نے کھڑکی میں یقیناً کوئی دھاتی چیز رکھی تھی۔ سورج کی کرنیں اس پر پڑ کر منعکس ہوتی تھیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ کرن نے سوچا کہ وہ اجیت سے کہے گی کہ اس سلسلے میں اپنے کرائے دار سے بات کرے لیکن اسے ڈر تھا کہ کرائے دار اس پر برا مانے گا۔

اب وہ اجیت کے گھر کی کھڑکی کے بالکل سامنے تھی۔ سادھنا کھڑکی کے پاس ناشتے کی میز پر بیٹھی اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔ کرن نے جلدی سے نظر ہٹا لی۔ اچھا نہیں لگتا کہ کوئی کسی کے گھر میں اس طرح دیکھے۔ وہ اخبار لیے اپنے گھر کی طرف چل دی۔ آج اسے اشیش کمار مرڈر کیس پر کام شروع کرنا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کی کتاب کا سب سے دلچسپ باب ثابت ہو گا۔

○

اجیت نے اسٹیٹ ایجنسی کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ فکر مندی کا ایک نامعلوم احساس تھا جو اسے ستا رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اسے ذہن سے نہیں جھٹک پایا تھا۔ سادھنا کا جنم دن تو مسئلہ تھا ہی۔ وہ سادھنا کو جنم دن منانے پر مجبور کر رہا تھا حالانکہ سادھنا کی طرح اسے بھی ڈر تھا کہ یہ دبی ہوئی کرب ناک یادوں کے ابھرنے کا سبب بنے گا لیکن اس کی فکر مندی اس سے بھی سوا تھی۔ اسے رہ رہ کر لگتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

گھنشام اسٹیٹ ایجنسی کی ابتدا ہی سے اجیت کے ساتھ تھا۔ اس کی عمر 45 سے متجاوز تھی مگر اس کی شخصیت بہت پرکشش تھی۔ کنپٹیوں پر اس کے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس سے وہ باوقار لگتا تھا۔ خوش لباس تو وہ تھا ہی۔۔۔ اور شاید اسی لیے وہ اسٹیٹ کا بے حد کامیاب سیلز مین تھا۔

گھنشام نے اجیت کو بہت غور سے دیکھا۔ کیا بات ہے؟ کچھ پریشان ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔۔۔ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ماتھے پر شکنیں ہیں۔ لگتا ہے کچھ سوچ رہے ہو۔"

اجیت اس کے مشاہدے کا پہلے ہی قائل تھا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ سردی زیادہ ہے نا اس لیے اور تم سناؤ' کام کیسا چل رہا ہے؟"

گھنشام نے فوراً بزنس نیوز شروع کر دیں۔ "سب ٹھیک ہے۔ میں نے شانتی ہاؤس کی فائل مکمل کر لی ہے۔ سب کاغذات موجود ہیں۔ یہ بتاؤ' اس خریدار نے کس وقت آنے کو کہا تھا؟"

"دو بجے۔" اجیت نے بتایا۔

"اس مکان پر ذرا کام کیا جائے' اس کی شکل بدلی جائے تو یہ زبردست ہوٹل بن سکتا ہے۔" گھنشام نے کہا۔ "پانی کے قریب کی لوکیشن پہاڑی مقامات پر ہوٹلوں اور ریسٹورنٹس کیلئے بے مثال ہوتی ہے۔ ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے' بنواری لال اب تک کئی ریسٹورنٹس کامیابی سے چلانے کے بعد اچھے داموں فروخت کرتا رہا ہے۔ یہ ملباریوں کا خاص کاروبار ہے۔ جہاں ریسٹورنٹ نہ چلتا ہو وہاں بھی چلا دیتے ہیں اور جما ہوا بزنس معقول قیمت پر بیچ دیتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پیسے خرچ کرنے میں ہچکچاتا بھی نہیں ہے۔" اجیت نے اپنے آفس کا دروازہ کھولا اور میز پر جا بیٹھا۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا پھر اس نے گھنشام کے ایکس ٹینشن کا نمبر ڈائل کیا۔ "یار' سردی بہت ہے۔ کافی نہیں پلاؤ گے۔"

"کیوں نہیں۔"

"بس تو اپنی اور میری کافی یہیں لے آؤ۔ کچھ دیر باتیں بھی کریں گے۔"

"اوکے باس۔"

چند منٹ بعد گھنشام کافی کی دو بھاپ اڑاتی پالیاں لے کر کمرے میں آیا۔ اجیت نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "آؤ بیٹھو۔"

گھنشام بیٹھ گیا۔ "کوئی خاص بات ہے؟"

"آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" اجیت نے کہا۔ "آج ہم سادھنا کی سالگرہ منا رہے ہیں۔"

گھنشام نے ایک گہری سانس لی۔ پورے وار جلنگ میں ایک وہی تھا جو سادھنا کے بیک گراؤنڈ سے واقف تھا۔ اسے خود سادھنا نے سب کچھ بتایا تھا۔ جب اجیت نے اس سے شادی کو کہا تھا تو اس نے گھنشام کو سب کچھ بتا کر اس سے مشورہ مانگا تھا۔

"سالگرہ منانے کے پیچھے کوئی خاص سوچ ہے؟" گھنشام نے پوچھا۔

"سوچ یہ ہے کہ آخر کب تک سالگرہ نہیں منائی جائے گی۔" جبکہ وہ ہر سال آتی ہے۔ کیا سالگرہ یا جنم دن جیسی حقیقت سے نظریں چرائی جا سکتی ہیں؟ سادھنا کو اب ماضی سے ناتا توڑ کر حال میں جینا شروع کر دینا چاہیے۔ کب تک وہ یوں منہ چھپاتی رہے گی۔"

"ماضی سے ناتا کیسے ٹوٹ سکتا ہے اور اس کے سر پر دوسرے ممکنہ مقدمے کی تلوار لٹک رہی ہے ہو تو وہ منہ چھپائے گی ہی۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ ایک امکان سے کیوں اتنا ڈرا جائے۔ دیکھو گھنشام' وہ گواہ پرکاش اچانک روپوش ہو گیا تھا اور وہ سامنے آنا بھی نہیں چاہے گا۔ یہ کیوں بھولتے ہو کہ وہ فوج سے بھاگا ہوا ہے۔ وہ سامنے آئے گا تو اس کا کورٹ مارشل ہو گا اور یقینی طور پر اسے سخت سزا ملے گی۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔"

"اب اور آگے بڑھ کر بات کرو۔ سچی بات کہنا یہاں لوگ سادھنا کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں؟"

گھنشام ہچکچایا۔ "لوگوں کے خیال میں وہ ایک بے حد پرکشش اور حسین عورت ہے۔ خوش اطوار اور خوش گفتار ہے مگر گھلنا ملنا پسند نہیں کرتی۔ بہت لیے دیے رہتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو مگر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ مقامی لوگوں کو منہ لگانے کے قابل نہیں سمجھتی۔ پچھلی بار میں اسے کامنی کی شادی میں لے گیا۔ وہاں جس وقت تصویریں کھینچی جا رہی تھیں تو سادھنا چپکے سے کھسک گئی تھی۔ باتھ روم میں جا گھسی تھی۔"

"وہ ڈرتی ہے کہ اسے پہچان نہ لیا جائے۔"

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں مگر یہ سوچو کہ دوبارہ مقدمہ چلا تو میں چاہوں گا کہ یہاں کے لوگ سمجھیں کہ سادھنا انہی میں سے ہے۔ اس سے سادھنا کو ڈھارس ملے گی۔ یہ ضروری ہے کیونکہ بری ہونے کے بعد سادھنا کو زندگی یہیں گزارنی ہو گی۔ ہمیں یہیں رہنا ہے۔"

"اور اگر مقدمہ چلا اور سادھنا بری نہ ہوئی تو؟"

"میں اس امکان پر سوچنا بھی نہیں چاہتا۔" اجیت نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہاں تو کیا طے پایا؟ ہمارے ہاں آؤ گے نا؟"

"ضرور آؤں گا۔" گھنشام نے کہا۔ "اور میں تمہاری ہر بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن میرے خیال میں تمہیں خود سے یہ ضرور پوچھنا چاہیے کہ اچانک تمہارے دل میں سادھنا کے لیے نارمل زندگی کی خواہش کیوں ابھری ہے۔ اس خواہش کے پیچھے کچھ اور وجوہات اور محرکات بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں بھی ٹٹولو۔"

"کیا مطلب——؟"

"اے جی' جب تم سے کانگریس کے صدر نے کہا تھا کہ اس علاقے کے نوجوانوں کو سیاست میں آنا چاہیے کیونکہ وہ علاقے اور عوام کے مسائل کو زیادہ سمجھتے ہیں اور انہیں حل کرنے کیلئے محنت بھی کر سکتے ہیں تو میں وہاں موجود تھا۔" گھنشام مسکرایا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ تم جیسے باصلاحیت آدمی کو اس علاقے کی نمائندگی کرنی چاہیے۔ اب یہ تو ممکن نہیں کہ تم پر اس بات کا اثر نہ ہوا ہو لیکن موجودہ صورتحال

میں بات بنے گی نہیں۔ اس لیے تم تبدیلی لانا چاہتے ہو۔"

اجیت اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے خیال آ رہا تھا کہ لاشعوری طور پر اس نے یہ ضرور سوچا ہو گا لیکن گھنشام نے اسے جواب دینے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اجیت چہرے پر شرمندگی کا تاثر لیے سامنے والی دیوار کو دیکھتا رہا۔ وہ ڈپریس ہو گیا تھا۔

اجیت کو پچھلے ماہ کے دوران میں کئی ایسے مواقع یاد تھے جب بغیر کسی معقول وجہ کے اس نے ساوھنا سے تلخی کی تھی۔ اس پر الٹ پڑا تھا۔ مثلاً وہ دن جب ساوھنا نے واٹر کلر میں مکان کو پینٹ کر کے اسے دکھایا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ساوھنا کو پینٹ کرنا چاہیے۔ آرٹ کو اسٹڈی کرنا چاہیے۔ اس وقت بھی اس کا کام ایسا تھا کہ مقامی طور پر اس کی نمائش کا اہتمام کیا جا سکتا تھا لیکن وہ ڈرتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

پینٹنگ دیکھنے کے بعد اس نے سخت لہجے میں ساوھنا سے کہا۔ "یہ بہت اچھی ہے مگر اب تم اسے الماری میں کاٹھ کباڑ کے درمیان چھپا دو گی۔"

ساوھنا کے چہرے پر ایسا رنگ دوڑا جیسے اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔

اجیت کو خود بھی بہت افسوس ہوا۔ کاش وہ اپنی زبان پر قابو رکھ پاتا۔ "مجھے افسوس ہے جان بات بس اتنی سی ہے کہ مجھے تم پر اور تمہاری صلاحیتوں پر فخر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا فن لوگوں تک پہنچے اور تمہیں وہ داد ملے جس کی تم مستحق ہو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں کیا کروں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" ساوھنا کے لہجے میں بے بسی اور شرمندگی تھی۔

اور بھی کتنے مواقع تھے جب وہ اپنی اور ساوھنا کی نقل و حرکت کے محدود ہونے پر بے بسی محسوس کرتے ہوئے بھڑک اٹھا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور میز پر رکھے خطوط کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سوا دس بجے گھنشام نے پھر اس کے دفتر کا دروازہ کھولا۔ اس کا سرخ و سپید

چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا۔ اجیت اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ تیزی سے اٹھا کہ شاید گھنشام کو اس کی مدد کی ضرورت ہے لیکن گھنشام نے نفی میں سر ہلایا اور دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔ اس نے اخبار اجیت کی طرف بڑھایا جو اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ مقامی طور پر شائع ہونے والے ہفت روزہ کوہستان کا تازہ شمارہ تھا۔ اس کے بیچ کے صفحات میں ہمیشہ کوئی ہیومن انٹرسٹ کی اسٹوری ہوتی تھی۔ گھنشام نے کھلا ہوا شمارہ اجیت کے سامنے رکھ دیا۔

تصویر بالکل واضح تھی۔ دونوں ایک ساتھ چپکی ہوئی اس تصویر کو دیکھتے رہے۔ وہ ساوھنا کی تصویر تھی۔ یہ تصویر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بال اس کے اس تصویر میں بھی براؤن تھے۔ تصویر کے نیچے کیپشن تھا—— کیا یہ ساوھنا اشیش کیلئے ایسی برتھ ڈے ہو سکتا ہے؟ ایک اور تصویر مقدمے کے دوران کی تھی۔ اس میں ساوھنا عدالت سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ تیسری چھوٹی تصویر تھی جس میں ساوھنا اپنے دونوں بچوں سبھاش اور تلجا کو لپٹائے ہوئے تھی۔

ساتھ ہی اسٹوری بھی تھی۔ آج ساوھنا اشیش اپنا 32 واں جنم دن منا رہی ہو گی۔ کہاں؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یاد رہے کہ اس کے دونوں بچوں کی ساتویں برسی بھی ہے۔ ساوھنا کو ان بچوں کا قاتل ٹھہرایا گیا تھا۔

○

ٹائمنگ سب سے اہم چیز ہے۔ کائنات صرف ٹائمنگ کی بنیاد پر قائم ہے۔ چاند، سورج، سب کچھ ٹائمنگ کے ساتھ گردش کر رہے ہیں۔ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ اس میں کبھی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کا بھی فرق نہیں پڑتا۔

اس نے اپنی اسٹیشن ویگن کو ریورس گیئر میں ڈال کر گیراج سے نکالا۔ وہ ایسا ابر آلود دن تھا کہ وہ اپنی دوربین کی مدد سے بھی کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس نے اتنا دیکھ لیا تھا کہ سادھنا بچوں کو جیکٹ پہنا رہی تھی۔

اس نے اپنی جیب ٹٹولی۔ بھری ہوئی سوئیاں موجود تھیں۔ ان کا استعمال ہدف کو فوری طور پر بے ہوش کر سکتا تھا۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر اس کا کینوس کا بڑا رین کوٹ رکھا تھا۔ یہ رین کوٹ اس علاقے میں عام تھا۔ وہیں مچھلی پکڑنے کی چھڑیں بھی رکھی تھیں۔ کوٹ اتنا بڑا تھا کہ دو چھوٹے بچوں کو بہ آسانی ڈھانپ سکتا تھا۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور گاڑی کو سڑک پر ڈال دیا۔ اس کے قہقہے میں دیوانگی کی جھلک تھی۔

اس سڑک کے کارنر پر سپر مارکیٹ تھی۔ وہ جب بھی یہاں آتا تو اس مارکیٹ میں خریداری کرتا۔ ویسے تو ضرورت کی بیشتر چیزیں وہ اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا کیونکہ زیادہ باہر نکلنا اس کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ خاص طور پر وہ سادھنا سے ٹکراؤ کا تو متحمل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کی بدلی ہوئی شخصیت کے باوجود اسے پہچان سکتی تھی۔ چار سال پہلے مارکیٹ ہی میں وہ ایک حادثے سے بال بال بچا تھا۔ وہ کافی کے

ایک ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ اسی وقت اس نے سادھنا کی آواز سنی۔ "ایک منٹ نوین، مجھے یہاں سے کچھ لینا ہے۔"

سادھنا کی آواز سن کر وہ اپنی جگہ جم گیا۔ بت بن کر رہ گیا۔ اسی وقت سادھنا کا جسم اس کے جسم سے مس ہوا اور سادھنا بڑبڑائی۔ "آئی ایم سوری۔"

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ جواب میں کچھ کہتا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ سادھنا نے اپنی مطلوبہ چیز اٹھائی اور آگے بڑھ گئی۔ تب کہیں اس کی جان میں جان آئی۔

اس دن کے بعد وہ بہت محتاط ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آئندہ کبھی سادھنا سے اس کا سامنا ہو لیکن اس کیلئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ باقاعدگی سے یہاں آنے والوں میں شمار ہو تاکہ اس کا آنا جانا مقامی لوگوں کیلئے معمول کے مطابق ہو جائے۔ کوئی غیر معمولی بات نہ رہے۔ اسی لیے وہ دودھ اور ڈبل روٹی لینے کیلئے روز مارکیٹ آتا تھا لیکن وہ ہمیشہ دس بجے کے قریب باہر نکلتا تھا کیونکہ سادھنا کبھی گیارہ بجے سے پہلے گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ اس صورت میں اس کا سامنا ہونے کا امکان نہیں تھا۔ روز آنے کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ اسٹور کے مالک ریٹا اور جارج اسے اپنے باقاعدہ کسٹمر کی حیثیت سے پہچاننے لگے تھے۔ وہ اس سے خوش مزاجی سے گپ شپ بھی کر لیتے تھے۔

اب چند منٹ میں وہ معمول کے مطابق اسٹور پر ہو گا۔

وہ سادھنا کے گھر جانے والی سڑک تک پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے سڑک سنسان تھی۔ نہ کوئی گاڑی جا رہی تھی نہ آ رہی تھی۔ اس نے اسٹیشن ویگن کی رفتار بڑھائی اور گاڑی کو اس کچی سڑک پر اتار دیا جو سادھنا کے گھر کے پچھواڑے کی طرف جاتی تھی۔ اس وقت دس بجنے میں نو منٹ تھے۔

اب سے چند منٹ بعد "کوہستان" اسٹالوں پر آ جائے گا۔ اس شمارے میں سادھنا کو بے نقاب کرنے والی اسٹوری چھپنے والی تھی۔ یہ اسٹوری جواز بنے گی۔۔۔ سادھنا کے پھٹ پڑنے کا۔۔۔ اس کے اندر متشددانہ رجحان کے ابل پڑنے کا۔ قصبے میں

ہر شخص دبی زبان سے سادھنا کے متعلق باتیں کرے گا۔ لوگ اجیت اور سادھنا کی طرف اشارے کریں گے اور بعد میں کہا جائے گا کہ اس کی وجہ سے سادھنا کے اندر دبا ہوا لاوا پھٹ پڑا۔۔۔ اور اس نے۔۔۔ اس نے کار جنگل میں سادھنا کے گھر سے کچھ پیچھے ہی روک دی پھر وہ کار سے اترا اور اس طرف چل دیا جہاں بچے کھیلتے تھے۔ یہاں بیشتر درخت ٹنڈمنڈ تھے لیکن چند ایسے سدا بہار درخت بھی تھے جو اسے بہت اچھی آڑ فراہم کر سکتے تھے۔

جھولے کی طرف سے اسے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بچے اسے بعد میں نظر آئے۔ بچی پکار رہی تھی۔ "بھیا۔۔۔ اور اونچا۔۔۔ اور تیز جھلاؤ۔"

وہ دبے پاؤں بڑھا۔ اس کی طرف لڑکے کی پشت تھی۔ آخری لمحے میں بچے نے پلٹ کر اسے دیکھ لیا۔ اس کی نگاہوں میں دہشت جھلکی لیکن اس نے فوراً ہی ایک ہاتھ سے بچے کا منہ دبایا اور دوسرے ہاتھ سے دوا میں ڈوبی ہوئی سوئی اس کے دستانے پہنے۔۔۔ ہوئے ہاتھ کی پشت میں اتار دی۔ لڑکے نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن دوا سریع الاثر تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

جھولا واپس آ رہا تھا۔ بچی ہنس رہی تھی۔ "بھیا۔۔۔ جھونٹے دو نا۔ ہاتھ مت روکو۔"

اس نے جھولے کو رسی سے پکڑ لیا اور ننھی سی بچی کو چڑیا کی طرح دبوچ لیا۔ بچی چیخنے ہی والی تھی کہ اس کا ہاتھ بچی کے منہ پر جم گیا۔ ساتھ ہی اس نے دوا میں ڈوبی ہوئی دوسری سوئی بچی کے ہاتھ میں چبھو دی۔ ایک لمحے کے بعد بچی اس کے ہاتھ میں جھول گئی۔

اس نے دیکھا بھی نہیں کہ بچی کا ایک دستانہ جھولے کی رسی سے الجھ کر رہ گیا ہے۔ اس نے دونوں بچوں کو اٹھایا اور انہیں لے کر اپنی گاڑی کی طرف لپکا۔

اس نے بچوں کو اسٹیشن ویگن کی پچھلی سیٹ پر بڑے رین کوٹ کے نیچے چھپا دیا۔ اس وقت دس بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ اس نے گاڑی بیک کی اور ریورس گیئر میں اسے سڑک تک لایا۔ اسی وقت اسے ایک چھوٹی سرخ کار اپنی طرف آتی دکھائی

دی۔ اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے گاڑی کو ٹرن کیا۔ یہ خواہ مخواہ کی مداخلت کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

سرخ گاڑی کی رفتار کم ہوئی۔ ڈرائیور اسے راستہ دے رہا تھا۔ سرخ گاڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔

سرخ گاڑی کے ڈرائیور کا چہرہ وہ پوری طرح نہیں دیکھ سکا۔ اسے صرف ناک اور ٹھوڑی کی جھلک دکھائی دی۔ ڈرائیور نے مفلر اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا مگر اس ایک جھلک میں بھی اسے وہ جانا پہچانا سا چہرہ لگا۔ وہ عقب نما آئینے میں سرخ گاڑی کو دیکھتا رہا۔ سرخ گاڑی نے موڑ کاٹا اور عقب نما آئینے سے باہر ہو گئی۔ اس نے اطمینان کا سانس لے کر عقب نما آئینے کو ایسے زاویے پر سیٹ کیا کہ اب اسے اس میں کینوس کا رین کوٹ نظر آ رہا تھا جس کے نیچے اس نے بے ہوش بچوں کو چھپایا ہوا تھا۔ قریب ہی مچھلی پکڑنے کی راڈ اور کانٹے وغیرہ پڑے تھے۔ کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا۔ اس نے عقب نما آئینے کو دوبارہ پہلی پوزیشن پر سیٹ کر دیا لیکن اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا نہیں۔ دیکھا ہوتا تو اسے نظر آ جاتا کہ سرخ کار واپس آ رہی ہے۔

دس بج کر چار منٹ پر وہ اسٹور میں داخل ہوا۔ ریٹا نے اسے گڈ مارننگ کہا۔ اس نے دودھ کا پیکٹ طلب کیا۔

سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔

○

سادھنا نیچے آئی۔ اس کے ہاتھ میں تولیے اور بستر کی چادریں تھیں۔ اس نے اچانک ہی دھلائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابھی کپڑے باہر لٹکا دیے جاتے تو شاید سوکھ جاتے۔ طوفان آنے کے بعد تو ہفتوں موقع نہیں ملتا۔

باتھ روم میں تولیے اور چادریں اس نے واشنگ مشین میں ڈال دیے۔ ڈٹرجنٹ کی مناسب مقدار پانی میں ڈالنے کے بعد اس نے مشین کو اسٹارٹ کر دیا۔ کپڑے مشین میں چکر کھانے لگے۔

اسے بچوں کا خیال آیا۔ اب بچوں کو اندر بلا لینا چاہیے لیکن دروازے پر اسے "کوہستان" کا تازہ شمارہ نظر آگیا جو اخبار والا کسی وقت ڈال گیا تھا۔ اس نے میگزین اٹھایا۔ ہوا اتنی سرد تھی کہ اسے تھرتھری چڑھتی محسوس ہوئی۔ وہ میگزین لے کر کچن کی طرف لپکی۔ اس نے چائے گرم کرنے کیلئے چولھا جلایا۔ پھر اس نے اخبار نما میگزین کو کھول کر اندر کے صفحات پر نظر ڈالی۔ فیشن کے صفحات میں اسے خاصی دلچسپی تھی۔

مگر اس کی نظریں پتھرا گئیں۔ وہ تصویروں پر اور خبر کی سرخی پر جم گئیں۔ کیا وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہے؟ یہ حقیقت تو نہیں ہو سکتی۔

لیکن وہ حقیقت تھی۔ آنکھیں بار بار ملنے کے باوجود وہ تصویریں اوجھل نہیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ اشیش اور پرکاش کی تصویریں بھی چھپی تھیں۔ اس کے ساتھ بچوں کی تصویر تھی جس میں وہ انہیں لپٹائے ہوئے تھی۔ سبھاش اور تلجا۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اس کی اور بچوں کی یہ تصویر اشیش نے کھینچی تھی۔ وہ پورا منظر اس کی نگاہوں میں پھر گیا۔

"میری طرف توجہ مت دو۔ سمجھو' میں موجود ہی نہیں ہوں۔" اشیش کہہ رہا تھا۔

مگر بچے جانتے تھے کہ وہ موجود ہے۔ وہ ڈر رہے تھے۔ سہم کر وہ اس سے لپٹنے لگے تھے۔ اسی وقت کلک کی آواز سنائی دی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" اس نے گھبرا کر ہاتھ بڑھایا۔ چائے کی دیگچی الٹ گئی۔ اس نے دیگچی اٹھائی۔ گرم چائے سے انگلیوں کے جلنے کا اسے موہوم سا احساس ہوا۔

اسے میگزین جلا دینا چاہیے۔ نوین اور ارملا کی نظر اس پر نہیں پڑنی چاہیے۔ وہ میگزن لے کر ڈائننگ روم میں آتش دان کی طرف لپکی۔ اس نے وہیں رکھی ماچس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دیا سلائی جلی' اخبار سے شعلہ اور دھواں اٹھا۔ اس نے جلتے ہوئے اخبار کو آتش دان میں ڈال دیا۔

یہ میگزین پورے علاقے میں پڑھا گیا ہو گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ان میں اس کی

ایک تصویر ایسی تھی جو سب پہچان سکتے تھے۔ اسے یاد نہیں آتا تھا کہ مقدمے کے بعد اس نے بال چھوٹے کرا کے رنگوائے تھے تو کس نے اسے دیکھا تھا پھر یہ تصویر کیسے کھینچی گئی۔۔۔ کس نے کھینچی۔۔۔ اور کب کھینچی؟

بہرحال مسئلہ یہ تھا کہ اب یہاں لوگ اسے پہچان لیں گے۔ اب نوین کی کلاس میں بچے سرگوشیاں کریں گے۔۔۔ نوین کی طرف انگلیاں اٹھیں گی۔۔۔

بچے۔۔۔ ہاں اسے بچوں کو بچانا چاہیے۔ نہیں۔۔۔ بچوں کو واپس لانا چاہیے۔ یہاں ٹھنڈ لگ سکتی ہے۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکلی' عقبی دروازے کی طرف گئی اور اسے کھولا۔ "نوین۔۔۔ ارمی۔۔۔ یہاں آؤ۔ اب گھر آ جاؤ۔" اس کی آواز چیخ میں تبدیل ہو گئی۔ بچوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ان کی آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ کہاں ہیں بچے؟

وہ گھبرا کر نکلی۔ جھولا اب بھی متحرک تھا مگر خالی تھا۔ بچے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ارے۔۔۔ دستانہ۔۔۔ ارمی کا دستانہ جھولے کی رسی پر لٹک رہا ہے۔

اسے اچانک جھیل کا خیال آیا۔۔۔ اور وہ لرز کر رہ گئی۔ بچے وہاں تو نہیں جا سکتے۔ انہیں سختی سے منع کیا گیا ہے لیکن پھر بھی' بچے تو بچے ہی ہیں۔ تنبیہہ کے باوجود جھیل کی طرف جا سکتے ہیں' اور اگر وہ چلے گئے ہیں۔۔۔ جھیل کی طرف۔۔۔ تو پانی میں بھی نکالا جائے گا۔۔۔ سبھاش اور تلجا کی طرح۔۔۔ پانی میں۔ ان کے چہرے بھیگے ہوئے سوجے ہوئے ہوں گے۔۔۔ اور جسم بے حس و حرکت ہوں گے۔

اس نے رسی سے چپکا ہوا ارملا کا دستانہ نوچا اور عقبی جنگل میں گھس گئی۔ اسے فوراً جھیل تک پہنچنا تھا۔

وہ جھیل سے کچھ دور تھی کہ اسے پانی کی سطح کے نیچے کوئی چیز چمکتی نظر آئی۔ وہ سرخ رنگ کی کوئی چیز ہے۔۔۔ دستانہ! وہ دیوانہ وار سوچ رہی تھی۔۔۔ اور اس دستانے کے ساتھ کیا ارمی بھی ہے۔

اس پر وحشت طاری ہونے لگی۔ وہ پانی میں اتر گئی۔ پانی برف جیسا سرد تھا۔ بڑھتی رہی۔ کندھوں تک پانی میں پہنچ گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا مگر وہم کو کبھی کوئی

چھو نہیں سکا ہے۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا— یخ بستہ پانی کے سوا۔

وہ لڑکھڑاتی ہوئی پانی سے نکلی اور جھیل کے کنارے پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی اٹھ رہی تھی۔ اس نے جنگل کی طرف دیکھا تو اسے ایک مرد کا چہرہ نظر آیا۔ کس کا چہرہ ہے یہ؟ مگر اسی لمحے سب کچھ دھند نے نگل لیا۔

اجیت اور گھنشام کو وہ جھیل کے کنارے ریت پر پڑی ملی۔ اس کے کپڑے جسم سے چپکے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں خالی خالی تھیں۔ ایک ننھا منا سرخ دستانہ اس کے رخسار سے چپکا ہوا تھا۔

کرن کو جب اس کتاب کا خیال سوجھا تھا تو اس نے اپنی محقق دوست شوبھا سے مشورے کے بعد دس ایسے مقدمے منتخب کیے تھے جو اس کی نظر میں متنازعہ تھے۔ شوبھا نے اسے ان تمام مقدموں کا تفصیلی ریکارڈ فراہم کر دیا تھا۔ ہر مقدمے کی ایک الگ فائل تھی۔ اس میں مقدمے کی مکمل کارروائی، کیس کے متعلق اخبارات کے تراشے اور تصویریں، غرضیکہ سبھی کچھ موجود تھا۔ کرن کو ہر فائل کا عمیق مطالعہ کرنا— اور اس کے بعد متعلقہ کیس کے متعلق لکھنا تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ آخر میں ہر مقدمے کے فیصلے کے بارے میں اپنی رائے دینی تھی۔ فیصلے سے اتفاق کرنا تھا یا مکمل اختلاف کرنا تھا۔

وہ دو باب مکمل کر چکی تھی۔ پہلا انوپ کمار قتل کیس تھا اور دوسرا شانتی نگر قتل کیس۔ پہلے کیس کے بارے میں اس نے رائے دیتے ہوئے ملزم کو بے قصور قرار دیا تھا۔ اس کے خیال میں استغاثہ کے کیس میں بے شمار جھول تھے۔ دوسرے کیس میں اس کی رائے میں ملزم پر جرم ثابت ہو گیا تھا لیکن وہ سزائے موت کا مستحق نہیں تھا کیونکہ یہ مقدمہ چودہ سال چلا تھا اور ان چودہ برسوں میں مجرم نے اپنی بڑی حد تک اصلاح کر لی تھی۔

اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس نے میز پر رکھے فولڈرز میں سے وہ فولڈر اٹھایا جس پر سادھنا اشیش کیس لکھا تھا۔ پہلے صفحے پر شوبھا کا لکھا ہوا نوٹ تھا۔

"کرن، مجھے یقین ہے کہ یہ کیس تمہیں خوش کر دے گا۔ اس کی ملزمہ استغاثہ کے لیے ایک ترنوالے کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ گواہی کے دوران میں اس کا صبر بھی ٹوٹ گیا اور اس نے عملاً ملزمہ پر الزام عائد کر دیا۔ ملزمہ کی خوش قسمتی تھی

کہ استغاثہ کا اہم ترین گواہ فوج کا بھگوڑا ہونے کی وجہ سے روپوش ہو گیا۔ اگر اب بھی وہ مل جائے تو ملزمہ کے خلاف کیس دوبارہ شروع ہو سکتا ہے اور اگر اس بار بھی اس نے کوئی مضبوط اور مربوط دفاع پیش نہیں کیا تو اس کا بچنا محال ہے۔ شوبھا۔"

کرن کو یاد تھا کہ چھ سات سال پہلے جب اس مقدمے کی سماعت ہو رہی تھی تو اس کی کارروائی کی رپورٹ پڑھ کر اس کے ذہن میں کئی سوال ابھرے تھے۔ اب وہ انہی سوالات پر اپنی توجہ مرکوز کرنا چاہتی تھی۔

اس نے فائل سے مطلوبہ کاغذات نکال کر ترتیب سے رکھنے شروع کیے۔ سادھنا کی وہ تصویریں بھی تھیں جو مقدمے کی سماعت کے دوران میں لی گئی تھیں لیکن وہ اتنی عمر کی لگتی نہیں تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ بیس اکیس کی نظر آتی تھی۔ وہ لباس بھی بچکانا پہنتی تھی۔ شاید یہ مشورہ اسے اس کے وکیل نے دیا ہو گا۔

ایک عجیب بات تھی جب کرن نے یہ کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تھا' اسی وقت سے اسے رہ رہ کر احساس ہوتا تھا کہ اس نے ملزمہ کو کہیں دیکھا ہے۔ خیر— یہ تو طے تھا کہ اس میں اجیت کی بیوی سادھنا کی شباہت تھی بلکہ وہ اجیت کی بیوی کی چھوٹی بہن لگتی تھی۔ کون جانے' دونوں میں کوئی رشتے داری ہو— لیکن' نہیں' سادھنا اجیت بہت پہلے اجیت کے اسسٹنٹ گھنشام کی پڑوسن رہی ہے اور گھنشام کا تعلق بمبئی سے تھا جبکہ سادھنا اشیش دہلی کی تھی۔

گھنشام کے متعلق سوچتے ہوئے کرن کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا۔ وہ بڑا خوب رو آدمی تھا۔ خوش مزاج اور خوش اطوار بھی تھا۔ کرن شام کا اخبار لینے کیلئے نکلتی تو کچھ دیر کے لیے اجیت کی اسٹیٹ ایجنسی بھی چلی جاتی۔ اجیت اسے زمین کی خریداری کے سلسلے میں بڑے کام کے مشورے دیتا تھا۔ وہ اسے مقامی سرگرمیوں میں شمولیت کے مشورے بھی دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت پیارا اور مخلص آدمی تھا۔ کم عرصے میں ان کے درمیان دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

لیکن کرن کو احساس تھا کہ وہ اجیت کے دفتر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جانے لگی ہے اور اس کا سبب گھنشام تھا۔ گھنشام کی حس مزاح اس کی قربت کو پرلطف بنا دیتی تھی۔ جتنی دیر وہ گھنشام کے ساتھ رہتی' تنہائی کے احساس سے نجات ملی رہتی۔

کرن کو احساس تھا کہ گھنشام بھی اسے پسند کرتا ہے۔ بیوی کی موت کے بعد سے وہ بھی اکیلا تھا۔ اولاد سے بھی محروم تھا۔ یعنی ان کے درد مشترک تھے۔ اور مزاج بھی ملتا تھا۔ گھنشام تو کھل کر اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کر چکا تھا لیکن کرن بہت محتاط تھی۔ وہ جلد بازی میں کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کرن جھنجلا گئی۔ کیا بات ہے۔ آج دھیان ادھر ادھر کیوں بھٹک رہا ہے۔ اس نے پھر سادھنا اشیش کیس کی فائل اٹھالی۔

سوا گھنٹہ گزر گیا۔ کمرے میں کلاک کی ٹک ٹک کے سوا کوئی آواز نہیں تھی پھر کرن کچن میں گئی اور اپنے لیے کافی بنانے لگی۔ اس کیس میں اسے کوئی گڑبڑ محسوس ہو رہی تھی۔ حقائق مربوط نہیں تھے بلکہ کہیں کہیں ان مل اور بے جوڑ لگتے تھے۔

کافی کا پانی رکھ کر وہ دروازے کی طرف گئی اور وہاں سے کوہستان کا تازہ شمارہ لے آئی۔ کچن میں آکر اس نے کافی پیالی میں انڈیلی اور میگزین کے اندر کے صفحات کھولے چند لمحے بعد اس کی نظر اجیت کی بیوی سادھنا کی تصویر سے چپک کر رہ گئی۔

کرن کیلئے دو حقیقتیں بہت افسوسناک تھیں۔ ایک تو یہ کہ گھنشام نے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ سادھنا بمبئی میں اس کی پڑوسن رہی ہے۔ دوسرے اسے خود پر افسوس ہوا۔ وہ وکیل تھی— اور اسے بہرحال اپنی چھٹی حس پر اعتماد کرنا چاہیے تھا۔ اس کے لاشعور میں یہ شک پہلے سے موجود تھا کہ سادھنا اشیش اور سادھنا اجیت ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔ صرف گھنشام کی بات کی وجہ سے یہ شک اس کے لاشعور سے شعور میں نہیں آسکا تھا۔

○

اسے سردی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔ منہ کا ذائقہ بھی کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ لگتا تھا' منہ میں ریت بھر گئی ہے۔ کہیں دور سے اسے اجیت کی پکار سنائی دے رہی تھی۔ "سادھنا' ہوا کیا ہے؟ بچے کہاں ہیں؟"

اس نے ہاتھ کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ بے جان سا ہو کر اس کے پہلو میں

گر گیا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی مگر اس سے بولا بھی نہیں گیا۔

پھر اس نے گھنشام کی آواز سنی۔ "اسے اٹھا کر گھر لے چلو اجیت۔ بچوں کی تلاش کیلئے تو ہمیں مدد لینی ہو گی۔"

بچے! وہ چونکی۔ ہاں، بچوں کو تو تلاش کرنا ہو گا۔ اس نے اجیت کو بچوں کے بارے میں بتانے کی کوشش کی لیکن اس کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ آواز نہیں نکلی۔

"گھنشام۔۔۔ اسے کیا ہوا ہے؟" اجیت کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ "چکر کیا ہے؟"

"اجیت، ہمیں پولیس کی مدد لینی ہو گی۔" گھنشام نے کہا۔

"پولیس؟" اجیت کے لہجے میں پریشانی در آئی۔

"ہاں بھیا۔ جلدی کرو ایک ایک پل قیمتی ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ اب تم سادھنا کو تحفظ نہیں دے سکتے۔ وہ تصویر سب پہچان لیں گے۔"

تصویر! سادھنا کو میگزین یاد آیا۔ اسے احساس ہوا کہ اسے اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے اور وہ سردی سے کانپ رہی تھی لیکن اسے اس کی فکر نہیں تھی۔ وہ تصویر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ تصویر جن کپڑوں میں تھی، وہ اس نے مقدمے سے نجات کے بعد خریدے تھے اور اس پر دوبارہ مقدمہ چلایا ہی نہیں گیا۔ اشیش مر چکا تھا اور وہ پرکاش جو اس کے خلاف سب سے مضبوط گواہ تھا، روپوش ہو گیا تھا۔ استغاثہ اس پوزیشن میں ہی نہیں رہا تھا کہ اس پر دوبارہ مقدمہ چلا سکتا۔ لہٰذا اسے رہا کر دیا گیا لیکن وکیل استغاثہ نے کہا تھا۔ "شریمتی جی، یہ نہ سمجھنا کہ بات ختم ہو گئی ہے۔ چاہے مجھے پورا جیون لگا دینا پڑے مگر میں تمہیں سزا دلوا کر رہوں گا۔"

اس کے بعد اسے شہر چھوڑنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ اس نے بال چھوٹے کرائے اور رنگوائے اور کچھ شاپنگ کی۔ تبھی اس نے وہ ساڑھی خریدی تھی جس میں اس کی تصویر "کوہستان" میں چھپی ہے اور پھر وہ یہاں کیلئے روانہ ہو گئی تھی۔ یہ تصویر۔۔۔ ہاں، یہ تصویر لاری اڈے پر اتاری گئی ہے۔"

اسے پتا نہیں چلا تھا کہ کسی نے اس کی تصویر کھینچی ہے۔ اس نے تو سوچا

تھا کہ اب وار بلنک جائے گی اور نئے سرے سے زندگی گزارنے کی کوشش کرے گی۔

اب تو میں بس مر جانا چاہتی ہوں، وہ سوچ رہی تھی۔ اب کیا فائدہ جینے کا۔

اجیت تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ اس کے بدن پر ڈال دی تھی مگر سرد ہوا اس کے گیلے کپڑوں سے گزر کر جسم کو چھیدے ڈال رہی تھی۔ اب اجیت مجھے نہیں بچا سکتا۔ چاہے بھی تو نہیں بچا سکتا۔ بہت دیر ہو گئی۔ نجانے کیوں ہمیشہ ہی دیر ہو جاتی ہے۔ پچھلی بار بھی یہی ہوا تھا۔ دیر ہو گئی تھی۔۔۔ اور تلاش کرنے والوں کو سبھاش اور تلجا کی لاشیں ہی مل سکی تھیں۔ اب کے انہیں نوین اور ارملا بھی ویسے ہی ملیں گے جیسے سبھاش اور تلجا ملے تھے۔ پلاسٹک کے بیگ ان کے چہروں پر چڑھے ہوں گے۔ ان کے جسم پانی میں رہنے کی وجہ سے سوج گئے ہوں گے۔

اب شاید وہ گھر پہنچ گئے تھے۔ گھنشام دروازہ کھول رہا تھا۔ "میں پولیس کو کال کرتا ہوں اجیت۔" وہ بولا۔

سادھنا خوف سے سمٹنے لگی۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ بھگوان کے لیے، نہیں۔۔۔ مگر اس سے کچھ کہا نہیں گیا۔

○

واہ۔۔۔ ہنگامی صورتحال ہے۔ لوگ چیونٹیوں کی طرح جمع ہو گئے ہیں۔ سادھنا کے گھر کے باہر ہجوم ہے۔ لوگ اس کے گھر میں بھی چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پورے جسم سے پسینہ ابل رہا تھا۔ پورا جسم تر تھا مگر ہونٹ خشک تھے۔ وہ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

وہ بچوں کو سیدھا اوپر لے آیا تھا۔۔۔ دوربین والے کمرے میں۔۔۔ یہاں سے وہ باہر کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھے گا اور بچوں پر بھی نظر رکھ سکے گا تاکہ وہ ہوش میں آئیں تو وہ بے خبر نہ ہو۔

اس نے سوچا کہ بچی کو نہلائے گا اور اس کے جسم پر اچھی طرح بے بی پاؤڈر

ملے گا پھر وہ اسے پیار کرے گا۔ بچوں کے ساتھ اسے پورا دن گزارنا ہے۔ انہیں ٹھکانے لگانے کیلئے اس نے سات بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس وقت پانی چڑھا ہوا ہو گا اور اس وقت تک اندھیرا بھی ہو چکا ہو گا۔ نہ کوئی کچھ دیکھ سکے گا' نہ سن سکے گا اور وہ کئی دن تک پانی میں رہیں گے' تب کہیں نکالے جائیں گے۔۔۔ پچھلی بار کی طرح!

کچے راستے پر کئی پولیس کاریں آتی نظر آئیں۔ وہ سادھنا کے گھر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان گاڑیوں کو دیکھ کر اس کے دل میں شکر گزاری کی لہر ابھری۔ اس نے سادھنا کا تصور کیا۔ کیا وہ رو رہی ہو گی؟ پچھلی بار پورے مقدمے کے دوران میں وہ ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔ یہاں تک کہ جج نے اسے موت کی سزا سنا دی تھی۔ عدالت کے اہلکاروں نے اسے ہتھکڑیاں لگا دی تھیں۔ تب وہ روئی تھی لیکن اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اس کے لمبے بالوں میں چھپ گیا تھا۔

اسے وہ پہلا موقع یاد آیا' جب اس نے سادھنا کو دیکھا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے کیمپس میں تھی۔ وہ پہلی ہی نظر میں اس پر مرمٹا تھا۔ اس کے لمبے بال بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت حسین تھیں اور پلکیں بے حد گھنی تھیں۔

اسے ایک سسکی سنائی دی۔ کیا یہ سادھنا ہے؟ لیکن نہیں' یہ تو ممکن نہیں۔ یہ بچی کی آواز ہے۔ اس نے دوربین سے نظر ہٹائی اور پلٹ کر دیکھا۔ بچی میں سادھنا کی بہت زیادہ شباہت تھی۔ اس نے سوچا' یقیناً اب دوا کے اثرات زائل ہو رہے ہوں گے۔

بچوں کی بے ہوشی کو ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن اسے دوربین کے پاس سے ہٹنا پڑا۔ اس نے بچوں کو کاؤچ پر ایک دوسرے کی مخالف سمت میں لٹا دیا۔ بچی اب رو رہی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر بٹھایا اور اس کی جیکٹ کی زپ کھولی۔ بچی سہم کر اس سے دور ہو گئی۔ وہ بدن چرا رہی تھی۔ "ڈر' مت پیاری بچی۔ سب ٹھیک ہے۔" اس نے چکارا۔

اسی وقت لڑکا حرکت میں آیا اور سستی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "آپ کون ہیں؟"

اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو ملتے ہوئے پوچھا۔ "ہم کہاں ہیں؟"

لڑکا ذہین تھا۔ چھوٹا تھا مگر اسے بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ یہ بھی اچھا ہی ہے۔ پر اعتماد بچوں کو ہینڈل کرنا آسان ہوتا ہے۔ وہ زیادہ پریشان بھی نہیں کرتے۔ خود بھی پریشان نہیں ہوتے۔۔۔ اعتماد سے محروم بچوں کی طرح۔

"ہم مزے کا ایک کھیل کھیل رہے ہیں۔" اس نے لڑکے سے کہا۔ "میں تمہاری ممی کا پرانا دوست ہوں۔ تمہاری ممی برتھ ڈے کا گیم کھیلنا چاہتی ہیں۔ تمہیں معلوم ہے' آج تمہاری ممی کا برتھ ڈے ہے؟"

نوین نے کہا۔ "مجھے یہ کھیل اچھا نہیں لگا۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور اس نے ارملا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ارملا اس سے لپٹ گئی۔ "ہم اب گھر جائیں گے۔" لڑکے نے کہا۔

"اپنی بہن کو چھوڑ دو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں لڑکے سے کہا۔ لڑکے نے تعمیل نہیں کی تو اس نے بزور انہیں علیحدہ کیا پھر وہ لڑکے کو کھینچ کر دوربین کی طرف لے گیا۔ "تمہیں پتا ہے' دوربین کیا ہوتی ہے؟"

"ہاں ڈیڈی کے پاس بھی ہے۔ اس سے چیزیں بڑی نظر آتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ تم ذہین لڑکے ہو اب ذرا دوربین میں دیکھو۔"

لڑکے نے آنکھ دوربین سے لگا دی۔

"مجھے بتاؤ' تمہیں کیا نظر آ رہا ہے۔" اس نے فرمائش کی۔

"پولیس کی کئی کاریں نظر آ رہی ہیں۔ کیوں' کیا بات ہے؟"

اس نے لڑکے کے فکر مند چہرے کو مسرت سے دیکھا۔ کھڑکی کی طرف سے "ٹپ ٹپ" کی بھاری آواز سنائی دی۔ برف باری شروع ہو گئی تھی۔ "تمہیں پتا ہے بچے کہ مرنا کیسا لگتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ آدمی مرتا ہے تو بھگوان کے پاس چلا جاتا ہے۔" نوین نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک اور آج تمہاری ممی بھگوان کے پاس چلی گئی اسی لیے تو اتنی پولیس آئی ہے تمہارے گھر۔ تمہارے ڈیڈی نے مجھ سے کہا کہ کچھ دیر کے لیے میں تم دونوں کی دیکھ بھال کر لوں۔ تمہارے ڈیڈی نے تم سے بہن کا خیال رکھنے کو کہا

ہے۔"

نوین کے ہونٹ لرزنے لگے۔ "اگر ممی بھگوان کے پاس چلی گئی ہیں تو میں بھی بھگوان کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"

اس نے لڑکے کے بالوں میں انگلیاں لہراتے ہوئے اس کے سر کو تھپتھپایا پھر اس نے ارملا کو بلایا جو گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھی۔ "فکر مت کرو میرے بچو۔ تم بھی بھگوان کے پاس چلے جاؤ گے۔۔۔ آج رات۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

○

دوپہر تک بچوں کی گمشدگی کی خبر واٹر سروس تک پہنچ گئی۔ اخباری نمائندوں نے پرانی فائلیں کھنگالنی شروع کر دیں۔ بچوں کے قتل کے کیس کا پرانا ریکارڈ ایک دم اہمیت اختیار کر گیا۔ بڑے اخبارات نے اپنے بہترین کرائم رپورٹرز کو دار جلنگ کیلئے روانہ کر دیا۔

پورنیا میں ماہر نفسیات ایشور لال اس وقت لنچ کی فکر میں تھا۔ اس کی موکلہ وجیتا دیوی ابھی چند لمحے پہلے رخصت ہوئی تھی۔ ایک سال کی تھراپی کے نتیجے میں اب وہ کافی بہتر ہو گئی تھی۔ آج تو اس نے بڑے اعتماد سے اپنا مذاق بھی اڑایا تھا۔ اسی لیے ایشور لال بہت خوش تھا۔

اس نے قریب رکھا ہوا ریڈیو آن کر دیا۔ خبریں آ رہی تھیں۔ وہ خبر اس نے بھی سنی۔ اس کے چہرے پر اذیت کا تاثر ابھرا۔ پرانے زخم ہرے ہو گئے تھے۔ سادھنا۔۔۔ سادھنا اشیش۔۔۔ انورادھا پٹیل کی بیٹی۔ چودہ سال پرانی بات تھی مگر وہ آج بھی انورادھا کا چہرہ تصور میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ خوبصورت چہرہ' وہ دبلا پتلا جسم اور وہ چاندی جیسی مسکراہٹ۔

انورادھا اپنے شوہر کی موت کے دو سال بعد اس کے پاس آئی تھی۔ اس کے پاس نفسیات کی ڈگری تھی۔ اور وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ ایشور لال نے بخوشی اسے اپنے معاون کی حیثیت سے رکھ لیا۔ وہ عمر میں اس سے چار سال چھوٹی تھی۔ وہ بہت ذہین تھی۔۔۔ اور لوگوں کو سمجھنے کی اس میں فطری صلاحیت موجود تھی جو کہ کسی بھی

ماہر نفسیات کی کامیابی کیلئے سب سے ضروری ہوتی ہے۔

ایشور لال کو وہ پہلی نظر میں بھا گئی۔ اس وقت وہ اڑتیس برس کی تھی۔ وہ بہت اچھی نائب ہی نہیں' بہت اچھی ساتھی بھی تھی۔ ایشور لال نے شادی نہیں کی تھی۔ وہ پابندیوں سے گھبراتا تھا اور اپنے آپ میں مگن تھا مگر انورادھا سے ملنے کے بعد پہلی بار اس کے دل میں شادی کی خواہش جاگی۔

انورادھا نے اس پر کھلنے میں وقت لیا۔ وہ بتدریج اور بہت آہستہ آہستہ اس پر کھلی۔ اس نے ایک پائلٹ سے شادی کی تھی۔ اس کی ایک بچی تھی۔۔۔ سادھنا۔ اس کی ازدواجی زندگی بے حد خوش گوار تھی پھر نمونیا نے اس کے شوہر کو اس سے چھین لیا۔ اس کے شوہر نے اس کیلئے کافی دولت چھوڑی تھی۔ کام اس کی ضرورت نہیں' شوق تھا۔

ایشور لال انورادھا کی بیٹی سے کبھی نہیں ملا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھتی اور ہوسٹل میں رہتی تھی۔ تنہائی سے گھبرا کر انورادھا کو کام کا خیال آیا تھا۔

پھر نومبر کے مہینے میں انورادھا نے اس سے چند روز کی چھٹی مانگی تھی۔ وہ اپنی بیٹی سے ملنے علی گڑھ جا رہی تھی۔ ایشور لال اسے چھوڑنے اسٹیشن گیا۔ "رادھا' پتا ہے' میں تمہیں بہت مس کروں گا۔" اس نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"مجھے امید تو یہی ہے۔" انورادھا نے جواب دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پرچھائیاں سی تھیں۔ "دراصل میں پریشان ہوں۔ پچھلے عرصے سے سادھنا کے خط کم ہی آ رہے ہیں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

"ارے نہیں۔ میں ماں ہوں نا۔ مائیں بچوں کیلئے پریشان ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

نجانے کیسے ان کے ہاتھ مل گئے۔ "پریشان مت ہو۔ بچے بڑے ہوتے ہیں تو مصروفیات آڑے آنے لگتی ہیں اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بلا لینا۔"

"کیوں تمہیں زحمت۔۔۔"

اسی وقت گارڈ نے سیٹی بجائی۔ انورادھا اپنے کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھی۔ "انو۔۔۔ تمہیں شاید علم نہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں— اور مجھے خوشی ہے— اور میں بھی—" وہ ان کی یک جائی کا آخری لمحہ تھا۔ محبت کی کلی کھل گئی تھی لیکن وہ کلی پھول کبھی نہ بن سکی۔

اگلے روز انورادھا نے اسے فون کیا تھا۔ "مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اس وقت میں ایک ریسٹورنٹ سے بات کر رہی ہوں۔ ساوھنا کے ساتھ کھانا کھانے آئی تھی۔ پہنچ کر میں تمہیں فون کروں گی۔ تم گھر پر ہی ہو گے نا؟"

وہ رات بھر فون کا انتظار کرتا رہا لیکن انورادھا نے فون نہیں کیا۔ اگلے روز اسے حادثے کا پتہ چلا۔ انورادھا نے جو کار کرائے پر لی تھی' اس کا اسٹیئرنگ ڈرائیو کے دوران میں ناکارہ ہو گیا تھا۔ کار بے قابو ہو کر ایک ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ انورادھا موقع پر ہی ختم ہو گئی تھی۔

اسے اس وقت ساوھنا کے پاس جانا چاہیے تھا۔ وہ ارادے باندھتا اور توڑتا رہا اور جب اس نے اس پر عمل کیا تو اس کی ساوھنا کے بجائے اشیش کمار سے بات ہوئی۔ تب اسے پتا چلا کہ ساوھنا کی اس سے شادی ہو چکی ہے۔ اشیش کمار کے لہجے میں جو اتھارٹی تھی' وہ اسے اچھی نہیں لگی۔ اشیش یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ اس نے بتایا کہ اس رات انہوں نے انورادھا کو بتا دیا تھا کہ وہ شادی کرنے والے ہیں۔ انورادھا کو اعتراض تھا کہ ساوھنا ابھی بہت کم عمر ہے۔ "ان کا اعتراض فطری تھا۔" اشیش نے بتایا "اور وہ اپنے ہوٹل واپس جا رہی تھیں کہ حادثہ ہو گیا۔ ساوھنا کو بہت صدمہ تھا مگر میں نے اسے سنبھال لیا۔ شادی اسی لیے جلدی کرنی پڑی کہ میں اس صورتحال میں اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔"

اب ایشور لال کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ساوھنا سے تعلق جڑنے سے پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ آواز سے اشیش ٹھیک ٹھاک اور پراعتماد آدمی لگتا تھا۔ آخر پروفیسر تھا۔ انورادھا کو پریشانی یہ ہو گی کہ ساوھنا نے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کا فیصلہ اپنے طور پر کیا ہے مگر اس سلسلے میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھا اور اب تو شادی بھی ہو گئی تھی۔ نہ ہوئی ہوتی تو بھی اسے کوئی اختیار تو نہیں تھا۔

پھر ایشور لال کو ایک اچھی آفر ہوئی اور وہ لندن چلا گیا۔ کئی برس وہ وہاں رہا۔ وہاں اسے قتل کے اس کیس کے بارے میں، معلوم نہیں ہو سکا۔ جس میں ساوھنا کو

ملزمہ کی حیثیت سے نامزد کیا گیا تھا۔ اسے تو برسوں بعد یہاں آنے پر اس کے متعلق معلوم ہوا۔ مگر اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ ساوھنا اب کہاں ہے؟

لندن میں اس کی ملاقات سریتا سے ہوئی۔ انورادھا کی مختصر سی رفاقت نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ تنہائی کی زندگی بہت بے کیف ہے۔ سریتا کا تعلق بھی اسی کے شعبے سے تھا۔ دونوں نے شادی کر لی۔ سریتا بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی لیکن ایشور لال اکثر ساوھنا اشیش کے بارے میں سوچتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ وہ بے چاری اتنے بڑے المیے سے گزری تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ اس کے اتنا قریب ہے۔

انٹر کام چیخا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "بیگم صاحب کا فون ہے۔" سیکریٹری نے اسے بتایا۔

اگلے ہی لمحے سریتا کی آواز ابھری۔ "ایشو— تم نے اس لڑکی ساوھنا کے متعلق سنا؟" وہ پریشان لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں سریتا۔" وہ سریتا کو انورادھا اور ساوھنا کے بارے میں سب کچھ بتا چکا تھا۔

"تو کیا ارادہ ہے؟"

اس سوال نے اسے فیصلے پر پہنچنے میں مدد کی۔ "میں وہ کروں گا جو برسوں پہلے نہ کر سکا۔ یہ کفارہ ادا کرنے کا موقع ہے میرے لیے۔ میں اس کی جو مدد کر سکتا ہوں' کروں گا۔ جیسے ہی موقع ملا' میں تمہیں فون کروں گا۔"

"تو تم وار جلنگ جا رہے ہو؟"

"ہاں ڈیئر۔"

"گڈ لک۔"

ایشور لال نے اپنی سیکریٹری کو تمام اپائنٹ منٹ کینسل کرنے کی ہدایت کی۔ "انہیں بتا دینا کہ یہ ایمرجنسی ہے۔ میں ابھی وار جلنگ جا رہا ہوں۔"

○

"فی الوقت ہم لوگ جھیل کھنگال رہے ہیں اجیت۔ خبر ریڈیو اور ٹی وی پر آ چکی ہے۔ باہر سے مدد کی ضرورت ہے جو طلب کر لی گئی ہے۔" چیف آف پولیس دیال شنکر نے اجیت سے کہا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے میں مایوسی نہیں' خوش امیدی ہو اور۔۔۔ خوش دلی ہو لیکن اس کیلئے یہ کام دشوار تھا۔ اس کے خیال میں اجیت نے اسے دھوکا دیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو اس سے متعارف کراتے وقت جو کچھ کہا تھا' سب جھوٹ تھا۔ اسے سچ بولنا چاہیے تھا اور اسے خود پر بھی غصہ تھا کہ پولیس چیف ہونے کے باوجود وہ اس معاملے میں گڑبڑ محسوس نہیں کر سکا تھا۔ اسے شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔

چیف دیال شنکر کیلئے وہ سیدھا سادہ کیس تھا۔ س اوھنا نے اخبار دیکھا اسے احساس ہوا کہ اب پورا علاقہ اسے پہچان لے گا۔ سب اس کی حقیقت جان لیں گے۔ یہ سوچ کر وہ پاگل ہو گئی ہو گی۔ اس پر وحشت اور جنون طاری ہو گیا ہو گا اور اس کیفیت میں اس نے ان بچوں کے ساتھ وہی کچھ کیا ہو گا جو برسوں پہلے اپنے پہلے بچوں کے ساتھ کیا تھا۔

اس نے اجیت کو بہت غور سے' ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اجیت بھی کم و بیش اسی انداز میں سوچ رہا ہے۔ "ڈاکٹر کھنہ اوپر ہی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہے بھگوان۔" اجیت نے کہا اور ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ وہ خود کو ہی اس واقعے کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ شاید سالگرہ منانے کی ضد کر کے اس نے سادھنا کے اندر عدم تحفظ کا احساس جگا دیا تھا اور اس کے نتیجے میں دبی ہوئی وحشت ابھر آئی تھی اور اس پر ستم

ہستان" کا وہ آرٹیکل؟ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عقبی دروازے پر پولیس والا کھڑا ر آیا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

"کیا بات ہے؟" دیال شنکر نے پوچھا۔

"سادھنا بچوں کو نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جو کچھ بھی ہوا ہو' دھنا ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تمہاری بیوی ہوش و حواس میں واقعی ایسا نہیں کر سکتی لیکن میں نے ایسے لات دیکھے ہیں جب وحشت اور خوف کے زیر اثر آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ کچھ ی جس کی اس سے امید نہیں رکھی جا سکتی۔" چیف دیال نے کہا۔

اجیت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے چیف کو دیکھا لیکن درحقیقت وہ اسے نہیں دیکھ ا تھا۔ "مجھے مدد کی ضرورت ہے۔۔۔ حقیقی مدد کی۔" وہ بڑبڑایا۔

گھر میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے پورا گھر چھان مارا تھا۔ پولیس کے فوٹو گرافر کچن میں تصویریں اتار رہے تھے۔ چائے کی اٹی ہوئی دیگچی ان کی توجہ کا مرکز تھی۔ چائے جو گری تھی' وہاں داغ پڑ گئے تھے۔ ادھر ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔

ایک پولیس والے نے کال ریسیو کی اور پھر میز کی طرف آیا۔ "خبر عام ہو چکی ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اس علاقے میں پریس والوں کی فوج موجود ہو گی۔"

پریس والے! سادھنا کتنی ڈرتی۔۔۔ کتنا گھبراتی ہے۔ وہ چیف دیال کے پاس سے گزرا اور اوپر ماسٹر بیڈ روم کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر' سادھنا کے قریب بیٹھا تھا۔ وہ سادھنا کے ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ اجیت نے مشکل سے سادھنا کو بھیگے ہوئے کپڑوں سے نجات دلا کر دوسرے کپڑے پہنائے تھے۔ اب وہ زرد رنگ کے اونی گاؤن میں تھی اور وہ بہت سمٹی ہوئی' بہت چھوٹی سی لگ رہی تھی۔

اجیت سادھنا پر جھک گیا۔ "جان پلیز' تمہیں بچوں کی خاطر خود کو سنبھالنا ہے۔ دیکھو' یہ ضروری ہے کہ بچوں کو جلد از جلد تلاش کر لیا جائے۔ سادھنا پلیز۔۔۔ تم یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"اجیت۔۔۔ اسے مت چھیڑو۔" ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ "یہ شاک کی حالت میں ہے۔ شدید شاک کی۔ اس کا دماغ اس صدمے سے لڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے اسے پرسکون کرنے کیلئے دوا دی ہے۔"

"لیکن ہمیں پتا تو چلے کہ صورت حال کیا ہے۔" اجیت نے کہا۔ "ممکن ہے' اس نے کسی کو بچوں کو لے جاتے دیکھا ہو۔ سادھنا' سنو۔۔۔ میں تمہیں بٹھاتا ہوں تم بیٹھ سکتی ہو۔ پلیز خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو جان۔"

سادھنا کا وجود مختصر ضرور لگ رہا تھا مگر وہ زیادہ بھاری لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ پوری طرح ہوش میں نہیں تھی اور اس نے بدن ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا۔ سادھنا کو خود اپنا وجود بھاری اور دھندلا محسوس ہو رہا تھا۔ اس رات سے جس رات ممی کو حادثہ پیش آیا ہوا تھا' بہت عرصے تک وہ ایسا ہی محسوس کرتی رہی تھی۔ اسے وہ راتیں یاد تھیں جن میں اس کی پلکیں کسی بوجھ سے جھکی رہتی تھیں۔۔۔ اور وہ خود کو نڈھال محسوس کرتی تھی۔ ان دنوں اشیش اس کا کتنا خیال رکھتا تھا۔ کتنے تحمل سے کام لیتا تھا وہ۔

لیکن اس وقت وہ اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ نہ اشیش کے بارے میں' نہ پرکاش کے بارے میں۔ پرکاش وہ خوب رو طالب علم جو فوج کی طرف سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ جو فوجی تھا۔ وہ شاید اسے پسند کرنے لگا تھا۔ پرکاش کی موجودگی میں بچے کتنے خوش رہتے تھے۔ وہ پرکاش کو بہت اچھا دوست سمجھنے لگی تھی۔

اجیت اسے اٹھا کر بٹھا رہا تھا۔ "ہاں شاباش۔۔۔ ہمت کرو سادھنا۔ ڈاکٹر' اسے کافی دیں۔۔۔؟"

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں گھنشام سے کہتا ہوں۔"

کافی۔۔۔ چائے! وہ چائے تو بنا رہی تھی' جب اس نے اخبار میں وہ آرٹیکل اور تصویر دیکھی تھی۔ سادھنا نے آنکھیں کھول دیں۔ "اجیت۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "اب سب لوگ جان جائیں گے۔ سب کو معلوم ہو جائے گا۔" وہ کہتے کہتے رکی۔ اس سے زیادہ اہم ایک اور بات ہے۔ ہاں۔۔۔ بچے!" اجیت' بچے کہاں ہیں۔ انہیں تلاش کرو۔"

"خود کو سنبھالو میری جان۔ اس سلسلے میں تو ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم بتاؤ۔۔۔ ہر بات۔۔۔ بس خود کو چند منٹ کیلئے سنبھال لو۔"

گھنشام اسی وقت گرم کافی کی پیالی لے آیا۔ "یہ لو کافی۔ سادھنا کا کیا حال ہے صاحب؟"

"ہوش میں آئی تو ہے۔"

"چیف دیال اس سے بات کرنے کیلئے مرا جا رہا ہے۔"

اچانک سادھنا کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ "اجیت۔۔۔ بھگوان کیلئے۔"

"یہ ضروری ہے جان۔" اجیت نے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "بچوں کو تو تلاش کرنا ہے نا۔"

سادھنا نے کافی کا ایک طویل گھونٹ لیا۔ کاش۔۔۔ وہ سوچ پائے۔ کاش۔۔۔ یہ نیند کی دھندلاہٹ دور ہو جائے۔ اسے اپنے ہونٹ ربر کے بنے محسوس ہو رہے تھے لیکن اسے بات تو کرنی تھی۔ اسے نیچے جانا تھا۔ اسے بچوں کی تلاش میں مدد کرنی تھی۔

وہ ڈگمگاتے ہوئے اٹھی۔ پوری قوت ارادی استعمال کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ اجیت نے اسے کمر سے تھام کر سہارا دیا لیکن سادھنا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پاؤں ہیں ہی نہیں۔ اجیت کے سہارے وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

چیف دیال شنکر ڈائننگ روم میں موجود تھا۔ سادھنا کو اس کا رویہ معاندانہ محسوس ہوا۔ پچھلی بار بھی پولیس آفیسر کا رویہ ایسا ہی تھا۔

"اب کیا حال ہے شریمتی جی؟" چیف نے پوچھا۔

وہ بڑا بے پروا سوال تھا۔ جیسے رسماً" کیا گیا ہو جیسے اس کی کوئی پروا نہ ہو کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ "اب میں ٹھیک ہوں۔"

"ہم بچوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کو ہماری مدد کرنی ہو گی۔ آپ نے آخری بار بچوں کو کب دیکھا تھا؟"

"دس بجنے سے ذرا پہلے۔ میں نے انہیں کھیلنے کیلئے باہر بھیجا اور خود کام سے

اوپر چلی گئی۔"

"آپ اوپر کتنی دیر رہیں؟"

"دس منٹ— زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ۔"

"پھر آپ نے کیا کیا؟"

"میں نیچے آئی اور واشنگ مشین لگائی پھر مجھے میگزین نظر آیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔"

"اور آپ نے وہ آرٹیکل دیکھا جو آپ کے بارے میں چھپا ہے۔"

سادھنا سامنے دیکھتی رہی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ آرٹیکل دیکھنے کے بعد آپ کا کیا رد عمل تھا؟"

"میرا خیال ہے' میں چیخ پڑی تھی— اور پتا نہیں۔"

"آپ چائے بنا رہی تھیں؟"

"میں چائے گرم کر رہی تھی۔ میرا ہاتھ لگا تو دیگچی الٹ گئی۔ وہ میں نے جھٹکی نہیں تھی' ہاتھ لگنے سے الٹ گئی تھی۔ آرٹیکل دیکھ کر مجھے لگا کہ میں پھٹ جاؤں گی۔ کچھ ہو جائے گا مجھے۔ میں جانتی تھی' سب کہیں گے کہ میں نے بچوں کو مارا تھا اور یہ بات نوین اور ارملا کو نہیں معلوم ہونی چاہیے۔ میں نے میگزین کو جلا کر آتش دان میں ڈال دیا۔ وہ جل رہا تھا پھر میں نوین اور ارملا کو بلانے کے لیے نکلی۔"

"بچے نظر آئے آپ کو؟"

"نہیں۔ میں نے انہیں پکارا وہ نظر نہیں آئے تو میں جھیل کی طرف دوڑ گئی۔"

"دیکھئے' یہ بات بہت اہم ہے۔ آپ جھیل کی طرف کیوں گئیں؟ اجیت کا کہنا ہے کہ بچے کبھی جھیل کی طرف نہیں گئے۔ آپ نے انہیں منع کیا تھا اور انہوں نے کبھی نافرمانی نہیں کی۔ آپ نے انہیں سڑک پر تلاش کیوں نہیں کیا؟ جنگل میں کیوں نہیں گئیں آپ؟ جھیل ہی کیوں؟"

"کیونکہ میرے سبھاش اور تلجا بھی ڈوب گئے تھے اور اس لیے کہ مجھے نوین اور ارملا کو تلاش کرنا تھا۔ ارمی کا دستانہ مجھے جھولے کی رسی سے الجھا ہوا ملا تھا۔

ارمی ہمیشہ دستانے کھوتی رہتی ہے۔ میں جھیل کی طرف گئی۔ مجھے بچوں کو واپس لے کر آنا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی—" اس سے آگے بولا نہیں گیا۔

چیف دیال شنکر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "سادھنا دیوی' آپ کو یہ بتانا میرا فرض ہے کہ آپ کو وکیل سے قانونی مشورہ لینے کا حق حاصل ہے۔ اس کے بعد ہی آپ میرے سوال کا جواب دیں کیونکہ آپ کا جواب عدالت میں آپ کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔" اور جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اٹھ کر عقبی دروازے کی طرف چل دیا۔ باہر ننھے منے گالوں کی صورت میں برف گر رہی تھی۔ چیف پولیس کار میں بیٹھا اور اس نے ڈرائیور سے کہا۔ "جھیل کی طرف چلو۔"

○

وہ علاقے کی سب سے بڑی اور سب سے گہری جھیل تھی۔ اس وقت جھیل کے کنارے تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ وہ خاموشی سے پولیس کے غوطہ خوروں کو کام کرتے دیکھ رہے تھے۔ رسی کی مدد سے جھیل کے اس حصے کو الگ کر دیا گیا تھا جسے اس وقت کھنگالا جا رہا تھا۔ پولیس بڑے مرتب انداز میں کام کر رہی تھی۔

چیف سیدھا گوپال کے پاس گیا جو اس مہم کا انچارج تھا۔ اس نے کچھ پوچھا بھی نہیں تھا کہ گوپال نے کندھے اچکا دیے۔ یہ اس سوال کا جواب تھا جو چیف اس سے کرنا چاہتا تھا۔

چیف نے برف پر پاؤں مارا۔ وہ جھنجلا رہا تھا۔ غوطہ خور اپنی جان کا خطرہ مول لے کر یہ کام کر رہے تھے— صرف سادھنا اجیت کی وجہ سے۔ بھگوان ہی جانتا ہے کہ بچے کب ملیں گے۔ یہ ہے قانون اور انصاف کا گورکھ دھندا۔ صرف ایک تکنیکی عذر کی بنا پر ایک قاتلہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ اس پر جرم ثابت ہو چکا تھا۔ صرف اس بنیاد پر کہ ایک چالاک وکیل نے ججوں کو متاثر کر دیا تھا۔ اس نے ثابت کر دیا تھا کہ کیس میں بے انصافی ہوئی ہے۔ اہم گواہوں نے جانبداری سے کام لیا ہے۔

"گوپال' یہ لوگ کب تک تلاش جاری رکھیں گے؟" چیف نے پوچھا۔

"دو حصوں کو چیک کیا جا چکا ہے فی الحال یہ ایک اور حصہ چیک کریں گے پھر وقفہ ہو گا۔" گوپال نے کہا اور ٹی وی کے عملے کی طرف اشارہ کیا۔ "لگتا ہے' آج کی خبروں میں ہمیں بہت اہمیت دی جائے گی۔ بہتر ہے کہ آپ بیان تیار کر لیں۔"

چیف دیال نے اپنے سردی سے سن ہاتھ کو اوور کوٹ کی جیب میں ڈالا اور ایک کاغذ نکالا۔ "میں نے کچھ لکھا تو ہے۔" وہ پڑھ کر سنانے لگا۔ "بچوں کو بڑی تندہی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ پورے علاقے کو چیک کیا جا رہا ہے۔ ہمیں رضا کاروں کی خدمات بھی حاصل ہیں۔ ہیلی کاپٹروں سے بھی مدد لی جا رہی ہے لیکن اجیت پال کے گھر کے قریب واقع جھیل کو خاص طور پر ہم اہمیت دے رہے ہیں۔" اس نے کاغذ کو تہ کیا۔ "ٹھیک ہے نا؟"

گوپال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد چیف یہ بیان اخباری نمائندوں کو دے چکا تھا۔ ایک رپورٹر نے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ بچوں کی گمشدگی کے بعد سادھنا دیوی کو جھیل کے پاس ہسٹریا کی کیفیت میں پایا گیا تھا؟"

"یہ درست ہے۔"

اس کے بعد تو سوالات کا تانتا بندھ گیا۔ "سادھنا دیوی کو "کوہستان" میں چھپنے والے آرٹیکل کا علم تھا؟"

"میرا خیال ہے' انہیں علم تھا۔"

"ان کا ردعمل کیا تھا اس آرٹیکل پر؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔"

"آپ کو آج سے پہلے سادھنا دیوی کے ماضی کے بارے میں علم تھا؟"

"نہیں۔ مجھے علم نہیں تھا۔" چیف دیال نے بمشکل خود کو دانت پیسنے سے روکا۔ "اور اب مزید سوالات نہ کریں۔"

چیف وہاں سے ہٹ ہی رہا تھا کہ ایک رپورٹر نے اس کا راستہ روک لیا۔ "سر' گزشتہ چھ برسوں میں خاص طور پر اس علاقے میں بچوں کے متعدد قتل ہوئے ہیں جن میں سے بیشتر ابھی تک حل نہیں ہوئے۔"

"یہ درست ہے۔" چیف دیال نے کہا۔

"اور یہ سادھنا دیوی اس علاقے میں کب سے رہ رہی ہیں؟"

"میرا خیال ہے' چھ سال ہی ہوئے ہیں۔"

"شکریہ چیف۔"

○

کرن کیلئے یہ بہت بڑا شاک تھا کہ سادھنا اجیت ہی درحقیقت بدنام زمانہ سادھنا اشیش ہے مگر اس شاک سے سنبھل کر وہ اپنے شیڈول کے مطابق اس کے کیس پر کام کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

اس نے "کوہستان" کے آرٹیکل سے اسٹارٹ لیا پھر اس نے سادھنا اشیش کی پچھلی ازدواجی زندگی کی تفصیلات کا جائزہ لیا۔ وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر کی نوجوان بیوی تھی۔ اس کے دو بچے تھے۔ گھر کیمپس ہی میں تھا۔ میاں بیوی کی عمروں میں بہت فرق تھا مگر اس کے باوجود ان کی زندگی نارمل تھی۔ کم از کم اس لمحے سے پہلے جب پروفیسر اشیش نے اپنے خوب رو شاگرد پرکاش کو گیس کے چولھے کی مرمت کیلئے اپنے گھر بھیجا۔

اس نے مقدمے کے دوران میں پرکاش کی شہادت کے اقتباسات چیک کیے۔ پرکاش نے بتایا تھا کہ وہ پہلی بار سادھنا سے کب ملا۔

"جس وقت پروفیسر صاحب نے چولھے کی شکایت کے بارے میں اپنی بیوی کی کال ریسیو کی میں آفس میں موجود تھا۔ میں میکینیکل ذہن کا آدمی ہوں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جسے میں ٹھیک نہیں کر سکتا ہوں۔ میں نے پروفیسر صاحب کو اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ چاہتے تو نہیں تھے کہ میں جاؤں مگر کوئی مکینک نہیں ملا تو مجبور ہو گئے۔

"انہوں نے آپ کو اپنی فیملی کے متعلق کوئی خصوصی ہدایت دی؟" وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی پتنی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی لہٰذا میں انہیں کوئی زحمت نہ دوں۔ کوئی مسئلہ ہو تو انہیں فون کر لوں۔"

"تو کیا آپ نے پروفیسر کی ہدایات کا خیال رکھا؟"

"میں ضرور رکھتا مگر اس صورت میں کیا کر سکتا تھا کہ ان کی پتنی تمام وقت میرے پیچھے' میرے ساتھ لگی رہیں۔"

"آبجیکشن یور آنر۔" وکیل صفائی تیزی سے اٹھا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ تاثر مرتب ہو چکا تھا۔

"اچھا۔۔۔ آپ کا سادھنا دیوی سے جسمانی رابطہ قائم ہوا؟" وکیل استغاثہ نے ایک اور سوال کیا۔

"گواہ پرکاش نے ڈائریکٹ جواب دیا۔ "جی نہیں جناب۔۔۔"

"یہ کیسے ہوا؟"

"بات یہ ہے کہ چند روز بعد میں چولھے کا ایک پارٹ لے کر دوبارہ گیا۔ وہاں میں انہیں چولھے کا ایمرجنسی سوئچ دکھا رہا تھا۔۔۔"

"پروفیسر نے تم سے کہا تھا کہ ان کی پتنی کو کوئی زحمت نہ دینا۔"

"میں کیا کرتا وہ چولھے کے سسٹم کو سمجھنے کی ضد کر رہی تھیں۔ وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا' اس میں حرج بھی کیا ہے۔ چنانچہ میں نے انہیں چھو لیا۔"

"مسز اشیش کا کیا رد عمل تھا؟"

"بے حد خوش گوار۔ انہیں اچھا لگا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔"

"آپ ذرا تفصیل سے بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟"

"میں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور انہیں اچانک پیار کر لیا۔ کوئی ایک منٹ بعد انہوں نے نرمی سے مجھے ہٹا دیا لیکن ان کے انداز میں بے دلی تھی جیسے وہ مجھے ہٹانا نہیں چاہتی ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے یہ بہت اچھا لگا۔۔۔"

"مسز اشیش نے کیا کہا؟"

"انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور یوں جیسے مجھ سے مخاطب نہ ہوں' بولیں۔۔۔ میں یہاں سے فرار چاہتی ہوں اور جناب' میں کسی مشکل میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دیکھیں میں آرمی کی طرف سے تعلیم کیلئے یونیورسٹی بھیجا گیا ہوں۔ یہاں سے نکال دیا جاتا تو آرمی میں بھی میرے خلاف کارروائی ہوتی چنانچہ میں نے کہا۔۔۔ سادھنا جی' ہم

ایسی ترکیب کر سکتے ہیں کہ ملتے بھی رہیں اور کسی کو پتا بھی نہ چلے لیکن آپ گھر تو نہیں چھوڑ سکتیں۔ دیکھیں نا' آپ کے بچے ہیں۔"

"اس پر مسز اشیش کا کیا ردعمل تھا؟"

"عجیب سی بات ہے۔ اسی وقت ان کا بیٹا سبھاش آگیا۔ وہ بہت خاموش طبع اور سہما سہما بچہ تھا۔ کبھی چوں بھی نہیں کرتا تھا۔ مسز اشیش کو غصہ آگیا۔ وہ بولیں "لیکن ان بچوں کا تو گلا گھونٹ دیا جائے گا۔"

"شری پرکاش' یہ بات بہت اہم ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ آپ مسز اشیش کے الفاظ دہرا رہے ہیں؟"

"جی جناب۔ مجھے یقین ہے لیکن کسی ماں کی ایسی بات کو کوئی بھی سنجیدگی سے نہیں لے گا۔"

"یہ کس تاریخ کی بات ہے؟"

"13 نومبر۔" وکیل استغاثہ نے ڈرامائی انداز میں دہرایا "اور چار دن بعد دونوں بچے اپنی ماں کی گاڑی سے غائب ہو گئے اور پھر ان کی لاشیں نہر سے برآمد ہوئیں۔ ایسے کہ ان کے چہروں پر پلاسٹک کے شاپر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ یہ گلا گھونٹنا ہی ہے۔"

وکیل صفائی نے تاثر کو کم کرنے کی کوشش کی۔ "تو تم نے مسز اشیش کو لپٹانے کی کوشش جاری رکھی؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں گواہ سے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ وہ بچوں کو لے کر کمرے سے چلی گئیں۔"

"یہ تو صرف تمہارا دعویٰ ہے کہ مسز اشیش نے تمہاری دست درازی کو انجوائے کیا تھا۔"

"یقین کریں جناب۔ عورتوں کے معاملے میں مجھے کبھی دھوکا نہیں ہوا۔"

کرن نے گہری سانس لی اور سادھنا اشیش کے بیان والے کاغذات نکال لئے۔ وہ انہیں پڑھنے لگی۔

"جی ہاں۔ اس نے مجھے پیار کیا تھا۔ میرا خیال ہے' مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایسا کرنے والا ہے مگر میں نے اسے روکا نہیں۔"

"آپ کو یاد ہے کہ آپ نے بچوں کا گلا گھونٹنے کی بات کی تھی؟" وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

"جی' مجھے یاد ہے۔"

"اس سے آپ کا کیا مطلب تھا؟"

کاغذات کے مطابق سادھنا کی آنکھوں میں خالی پن سا لہرا گیا۔ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔ "پتا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔"

کرن نے سر جھٹکا۔ اس لڑکی کو تو گواہ کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی اجازت ہی نہیں ملنی چاہیے تھی۔ اس نے وہاں اپنے کیس کو خراب کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ خود اپنے خلاف سب سے موثر گواہ بن گئی تھی۔ کیوں؟ کیا گڑبڑ تھی اس کے ساتھ۔ کرن نے سوچا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ الزام سے بری ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔

اخبار کے تراشوں سے نمٹ کر کرن نے شوبھا کی دی ہوئی ضخیم فائل کھول لی۔ وہ تیزی سے پڑھتی رہی۔ اس کا ذہن معلومات کو ترتیب دے رہا تھا۔ اہم حصوں کو وہ خط کشیدہ کرتی جا رہی تھی۔

اطلاعی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اسے حیرت ہوئی کہ دروازے پر ایک پولیس والا کھڑا تھا۔ "آپ کو زحمت دینے پر افسوس ہے لیکن دیوی جی' ہم اجیت پال کے بچوں کی گمشدگی کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔"

کرن حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ پولیس انسپکٹر نے ایک نوٹ بک نکال لی۔

"آپ یہیں رہتی ہیں نا؟" اس نے پوچھا۔ "اکیلی؟"

"کیوں۔۔۔ اکیلے رہنا جرم ہے کیا؟"

○

"یہ پی لو سادھنا۔ طاقت آئے گی۔ تمہیں ضرورت ہے اس کی۔" گھنشام دلاسا دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

سادھنا شدت سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

گھنشام نے سبزیوں کا سوپ ایک طرف رکھ دیا۔ شاید سوپ کی اشتہا انگیز خوشبو سادھنا کو مائل کر دے۔

"میں نے کل یہ بنایا تھا۔۔۔ بچوں کیلئے۔" سادھنا نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "بچے بھوکے ہوں گے۔"

اجیت اسے لپٹائے ہوئے بیٹھا تھا۔ "کیوں خود کو اذیت دیتی ہو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

چیف دیال شنکر جھیل سے سیدھا اجیت کے گھر آیا تھا۔ اس نے داخل ہوتے ہوئے سادھنا کی آخری بات سن لی تھی۔ اس نے بہت غور سے سادھنا کی نگاہوں کے خالی پن کو دیکھا۔ اس کا جسم اور ہاتھ ساکت لگ رہے تھے۔ چیف کا تجربہ کہتا تھا کہ کچھ دیر بعد وہ اپنا نام بھی شاید ہی بتا سکے۔ "اجیت۔۔۔ ذرا میرے ساتھ آؤ میں تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اجیت نے سادھنا کے رخسار تھپتھپائے۔ "خود کو سنبھالے رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

چیف اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ جس طرح اجیت نے خود کو سنبھال رکھا تھا' اس پر اسے رشک آ رہا تھا' وہ یقیناً آہنی اعصاب کا مالک تھا۔

چیف دیال نے اپنی خود اعتمادی اور اتھارٹی کا یقین حاصل کرنے کے لیے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرا صاف ستھرا تھا۔ فرنیچر پر گرد کا نام و نشان نہیں تھا۔ دیواروں پر جانے پہچانے مناظر کی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ ان میں ایک اجیت کے عقبی گارڈن کی تصویر تھی۔ پھر غروب آفتاب کے وقت جھیل کی تصویر تھی جس میں کشتیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ کہر کے عقب سے شاہی ہاؤس کے جھانکنے کا خوب صورت منظر بھی تھا۔ چیف دیال نے اکثر سادھنا کو علاقے میں گھوم پھر کر اسکیچ بناتے دیکھا تھا مگر وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے واٹر کلر میں اتنی خوبصورتی اور مہارت سے کام کیا ہو گا۔

"چیف بتاؤ' تم کیا چاہتے ہو؟" اجیت کے سرد لہجے نے اسے چونکا دیا۔

"تم اپنی بیوی کیلئے وکیل کسے کر رہے ہو؟" چیف نے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔

ایک لمحے کو اجیت کی آنکھوں سے بے یقینی جھلکی۔ چیف نے وہ تاثر سمجھ لیا۔

اجیت ابھی تک یہی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی بیوی گمشدہ بچوں کی مظلوم ماں ہے جسے ہمدردی کی ضرورت ہے۔

"میں نے کسی وکیل سے بات نہیں کی ہے۔" بالآخر اجیت نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں تلاش کا نتیجہ کسی بھی وقت۔۔۔"

"اب کسی بھی وقت تلاش کا سلسلہ موقوف ہو جائے گا۔" چیف نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "موسم ایسا ہے کہ کچھ دیر بعد کچھ دیکھا ہی نہیں جا سکے گا مگر میں تمہاری پتنی کو پوچھ گچھ کیلئے پولیس اسٹیشن ضرور لے جاؤں گا۔ اگر تم نے وکیل نہیں کیا ہے تو سرکار کوئی بندوبست کر دے گی۔"

"تم یہ نہیں کر سکتے۔" اجیت نے سخت لہجے میں کہا۔ اس نے خود پر قابو رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی ورنہ وہ پھٹ پڑتا۔ "یہ تو سادھنا کو تباہ کر دے گا۔ برسوں سے ایک ڈراؤنا خواب اس پر مسلط ہے۔ برسوں پہلے بھی اس سے پولیس اسٹیشن میں پوچھ گچھ ہوئی تھی پھر اسے مردہ گھر لے جایا گیا تھا جہاں اس نے اپنے بچوں کی لاشیں شناخت کی تھیں۔ تم یہ تو سوچو کہ وہ اس وقت شاک میں ہے۔ تم تو اسے کچھ بتانے کے قابل ہی نہیں چھوڑو گے۔"

"اجیت۔۔۔ تمہارے بچوں کو تلاش کر کے لانا میری پہلی ذمے داری ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ تو سوچو کہ وہ منحوس آرٹیکل پڑھ کر سادھنا پر کیا گزر چکی ہے اور اس آرٹیکل کے بارے میں سوچو۔ جس نے وہ آرٹیکل چھپوایا ہے' وہ بھی تو میرے بچوں کو اغوا کر سکتا ہے۔"

"ہم اس پر بھی کام کر رہے ہیں۔ ایسے آرٹیکل قبول کر لیے جائیں تو میگزین آرٹیکل لکھنے والوں کی بطور رائلٹی دو سو روپے بھجواتا ہے مگر یہ بھی ہے کہ میگزین کا اسٹاف کوئی آرٹیکل لکھتا ہے اور اسے کسی فرضی نام سے شائع کر دیا جاتا ہے۔"

"تم پتہ چلاؤ کہ وہ آرٹیکل کس نے لکھا ہے۔"

"ہم نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔" چیف دیال کے لہجے میں برہمی تھی۔ "آرٹیکل کے ساتھ جو خط تھا اس میں لکھا تھا کہ اگر یہ آرٹیکل میگزین کیلئے قابل قبول ہو تو شرط یہ ہے کہ اسے 17 نومبر کی اشاعت میں شامل کیا جائے۔ ایڈیٹر

نے مجھے بتایا کہ اس نے شرط کی قبولیت کے جوابی خط کو دو سو روپے کے چیک کے ساتھ 28 اکتوبر کو کے ایل رام داس کودار بلنگ پوسٹ آفس کی معرفت بھیج دیا تھا۔ دو دن بعد اسے وصول بھی کر لیا گیا۔"

"یہ کے ایل رام داس مرد ہے یا عورت؟" اجیت نے پوچھا۔

"ہمیں نہیں معلوم۔ کلرک کو خط یاد ہی نہیں اور چیک اب تک کیش نہیں کرایا گیا ہے۔"

اجیت آتش دان میں دیکھ رہا تھا پھر اس کی نظر بچوں کی تصویر پر پڑی جو سادھنا نے بنائی تھی۔ اس کے حلق میں گولا سا پھنسنے لگا۔

"اجیت۔۔۔ سادھنا کو کپڑے تبدیل کراؤ۔ میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ پلیز۔۔۔"

ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ سادھنا ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ نجانے کب اٹھ کر آ گئی تھی اور دروازے کی چوکھٹ کا سہارا لیے کھڑی تھی۔

پھر اس کے پیچھے گھنشام بھی نظر آیا۔ "یہ آنے کی ضد کر رہی تھی۔ مانی ہی نہیں۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

اجیت نے سادھنا کو لپٹا لیا۔ "تم خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرو جان۔" اس نے بے حد محبت سے کہا۔ "تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔"

گھنشام کو اس کے لہجے میں مایوسی محسوس ہوئی اس کا دل دکھنے لگا۔ وہ مصیبت میں مبتلا ان دوستوں کیلئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ "اجیت۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ "اس صورت حال میں تم سے کہنا مناسب تو نہیں لگتا لیکن بنواری لال جی آج دو بجے شانتی ہاؤس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ سودا بھی بڑا ہے۔ کہو تو۔۔۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں سودے کی۔" اجیت نے جھنا کر کہا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ "سوری گھنشام۔ پریشانی نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ اگر تم انہیں لے جا کر شانتی ہاؤس دکھا دو تو میں بہت شکر گزار ہوں گا۔ تم اس کی ہر چیز سے واقف ہو۔"

"لیکن میں نے جسونت کو بتایا نہیں تھا کہ آج ہم کوئی گاہک لا رہے ہیں۔"

گھنشام نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"اس سے پہلے ہی بات ہو گئی تھی کہ ہم جس وقت چاہیں، کسی کو مکان دکھانے کیلئے لا سکتے ہیں۔ کرائے نامے میں یہ شرط تحریر ہے۔ بس تم اسے فون کر کے بتا دو۔"

گھنشام ہچکچاتے ہوئے جانے کیلئے مڑا۔ وہ اس کڑے وقت میں اجیت اور سادھنا کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ اجیت نے اسے بڑے مشکل وقت میں سہارا دیا تھا۔ اس نے اسے خود اعتمادی دی تھی، کام کرنا سکھایا تھا۔ جینے کا مقصد دیا تھا۔ اس پر بڑے احسانات تھے اجیت کے اور جب سادھنا یہاں آئی تھی تو۔۔۔ گھنشام کو اس بات پر فخر تھا کہ سادھنا نے اس پر اعتماد کیا تھا۔ اس نے جو باتیں کسی کو نہیں بتائی تھیں، اسے بتا دی تھیں اور اس سے مشورہ مانگا تھا۔ کوئی یونہی تو اتنا بھروسہ نہیں کرتا کسی پر مگر اب گھنشام اور افسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ اس صورتحال میں ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔

بغیر کچھ کہے اس نے اپنا اوورکوٹ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عقبی دروازے سے نکل کر وہ اپنی بائیک کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کی نظر جھولے پر پڑی۔ اسے بچے یاد آ گئے۔ اسے ان بچوں سے بہت پیار تھا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ سادھنا گھر کے کاموں میں الجھی ہوئی تھی تو اس نے سادھنا سے کہا تھا کہ وہ بے فکری سے اپنا کام کرے۔ وہ اری کا بھی خیال رکھے گا اور نوین کو بھی سکول سے لے آئے گا۔ "مجھے کچھ کاغذات کے سلسلے میں کورٹ جانا ہے۔"

اس نے کہا تھا "واپسی میں بچوں کو آئس کریم میں کھلا دوں گا۔"

وہ دل گرفتگی سے اس جھولے کو دیکھتا رہا جو بہت اجڑا ہوا اور بے جان لگ رہا تھا۔ اسے احساس نہیں تھا کہ برف کے گالے اس کے چہرے پر گر رہے ہیں۔

"گھنشام۔" کسی نے پکارا۔

اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا کرن اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"مجھے بچوں کے متعلق معلوم ہوا۔ بہت افسوس ہوا۔ میں اجیت سے بات کرنے آئی ہوں ممکن ہے، کچھ مدد کر سکوں۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" اس کے لہجے میں فکر مندی سے گھنشام کو ڈھارس ہوئی۔ "اجیت اور سادھنا گھر میں ہی ہیں۔"

"میں نے "کو ان" میں وہ آرٹیکل بھی دیکھا۔" کرن نے کہا۔

گھنشام کو اس بار کرن کے لہجے میں سرد مہری محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ بھی وہ سمجھ گیا۔ اس نے کرن سے سادھنا کے بارے میں جھوٹ بولا تھا کہ وہ اسے بچپن سے جانتا ہے۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بائیک پر بیٹھ گیا۔ "میں چلتا ہوں۔ مجھے دو بجے کسی سے ملنا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کرن کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر کک لگا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ یہ احساس اسے چند لمحے بعد ہوا کہ کرن کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا رہی ہیں۔

اب اسے اسٹیٹ ایجنسی پہنچنا تھا۔ وہاں اجیت کی کار موجود تھی۔ اسے بنواری لال کو اس میں لے کر جانا تھا۔

○

ہیلی کاپٹروں کی آواز اس کیلئے بے حد خوش کن تھی۔ اس کی وجہ سے اسے پچھلا موقع یاد آ رہا تھا۔ اس وقت بھی یونیورسٹی کیمپس کے اردگرد پھیلے ہوئے میلوں کے علاقے کو بچوں کی تلاش میں چھان مارا گیا تھا۔

اس نے سامنے والی کھڑکی سے جھیل کو دیکھا گہرے نیلے پانی پر برف کی ہلکی سی تہہ جمتی جا رہی تھی۔ محکمہ موسمیات نے برفانی طوفان کی پیش گوئی کی تھی اور اس بار خلاف معمول ان کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی تھی۔ ایسے موسم میں وہ بچوں کو زیادہ دیر تلاش نہیں کر سکیں گے۔ انہیں تلاش روکنی پڑے گی۔

اس نے سات بجے کا شیڈول بنایا تھا۔ وہ بچوں کو بالا خانے سے گزار کر اوپر لے جائے گا۔ اس وقت تک پانی بھی چڑھ چکا ہو گا۔ بس پھر وہ آسانی سے بچوں کو نیچے پانی میں گرا دے گا۔

ابھی اسے ساڑھے پانچ گھنٹے بچوں کے ساتھ گزارنے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکا خاصا خوب صورت ہے لیکن اسے بچی میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کی صورت سادھنا سے بہت ملتی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے وہ ایک دم کھڑکی کی طرف سے پلٹ آیا۔ دونوں بچے کاؤچ پر ایک ساتھ پڑے تھے۔ اس نے دودھ میں انہیں خواب آور دوا ملا کر دی تھی ـــــ اور وہ اس کے زیر اثر سو رہے تھے۔ لڑکے نے بازو پھیلا کر بہن کو یوں لپٹا رکھا تھا جیسے اسے تحفظ دے رہا ہو لیکن جب اس نے جا کر بچی کو اٹھایا تو لڑکے کے جسم میں جنبش بھی نہیں ہوئی۔

بہت احتیاط سے وہ بچی کو بیڈ روم میں لے گیا اور اسے لٹا دیا پھر وہ باتھ روم

میں گیا اور ٹب کا نل کھول دیا۔ ٹب بھر گیا تو اس نے پانی میں ہاتھ ڈال کر چیک کیا۔ پانی کچھ زیادہ گرم تھا لیکن چند منٹ میں قدرے ٹھنڈا ہو جاتا۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ وقت برباد کر رہا ہے۔ اس نے جلدی سے کیبنٹ کھولی اور بے بی پاؤڈر کا وہ ڈبا نکالا جو آج اس نے سپر اسٹور سے پار کیا تھا۔ ریٹا کی نظر بچی تو اس نے پاؤڈر کا ڈبا کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ وہ کیبنٹ بند کرنے والا تھا کہ اسے شیونگ کریم کے پیچھے رکھا ربر کا بلغ نما کھلونا نظر آیا۔ وہ بلغ پرانی تھی اور اس کے رنگ اڑ گئے تھے۔ وہ اسے بھول ہی گیا تھا۔ پچھلی بار بھی اس نے اسے استعمال کیا تھا۔ اس نے بلغ کو اٹھا کر پانی سے بھرے ٹب میں اچھال دیا۔ وہ خود ہی خود ہنس دیا۔

پاؤڈر کا ڈبا لے کر وہ بیڈ روم میں واپس آیا۔ اس نے بڑی آہستگی اور نرمی سے بچی کے کپڑے اتارے۔ بچی تین سال کی تھی۔ کیسی پیاری عمر ہوتی ہے یہ۔ اس نے بچی کو گود میں اٹھایا اور خود سے لپٹا لیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

اس کے اندر برہمی کی تند لہر ابھری۔ بچی پر اس کی گرفت اور سخت ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ فون کو بجنے ہی دے۔ اسے کوئی فون نہیں کرتا تھا۔ کوئی ایسا تھا ہی نہیں تو اس وقت یہ مصیبت کیوں نازل ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔ اگر کسی نے فون اس لیے کیا ہے کہ بچوں کی تلاش میں اس کی رضا کارانہ مدد کی ضرورت ہے تو فون ریسیو نہ کرنا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اس پر شک بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ سوچ کر اس نے بچی کو بیڈ پر پٹخا اور بیڈ روم کا دروازہ بند کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آیا۔ فون وہاں تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو!"

"جسونت جی' میں گھنشام بول رہا ہوں۔۔۔ رین بو اسٹیٹ ایجنسی سے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اچھا۔ کیا بات ہے؟" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ پیشگی اطلاع کے بغیر میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں مگر

مجبوری ہے۔ ابھی بیس منٹ بعد میں ایک گاہک کو مکان دکھانے کیلئے لا رہا ہوں۔ آپ وہاں موجود ہوں گے یا میں اپنی چابی استعمال کروں؟"

○

ایشور لال اپنی گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ تمام راستے اس نے ریڈیو لگائے رکھا۔ وہ خبریں مس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خبروں کے مطابق بچوں کی تلاش جاری تھی مگر ابھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی کوئی سراغ ملا تھا۔

وار جلنگ پہنچ کر اسے اجیت کا مکان تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ مکان سے پیچھے سڑک پر رونق ہی رونق تھی۔ ٹی وی کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ پریس رپورٹرز کا ہجوم بھی تھا۔ پولیس کی نفری اور گاڑیاں الگ تھیں۔

مکان کے دروازے پر پولیس کی ایک گاڑی موجود تھی۔ پولیس والے کسی کو اندر نہیں جانے دے رہے تھے۔ ایشور لال نے اپنی گاڑی روکی تو ایک پولیس والا اس کی طرف آیا۔ "آپ یہاں کس سلسلے میں آئے ہیں؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

ایشور لال کو اس بات کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر کچھ لکھ کر اسے پولیس والے کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ کارڈ لے جا کر مسز اجیت کو دے دو۔"

کارڈ دیکھ کر پولیس والا قدرے مودب ہو گیا۔ "آپ انتظار کریں ڈاکٹر' میں ابھی چیک کرتا ہوں۔"

ایشور لال کار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ پولیس والا فوراً ہی لوٹ آیا۔ "میں اسکواڈ کار ہٹاتا ہوں آپ اپنی گاڑی ڈرائیو وے میں لے جائیں۔ آپ اندر جا سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

ایشور لال کی گاڑی پریس رپورٹرز کے ہجوم کے درمیان سے گزری۔ اس نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی اور اندر چلا گیا۔ سادھنا ڈرائنگ روم میں آتش دان کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دراز قامت اور خوبرو آدمی تھا۔ وہ یقیناً اس کا

شوہر تھا اور سادھنا کو پہچاننے میں تو اسے کوئی دشواری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے بے حد مشابہ تھی۔ اسے دیکھتے ہی اسے انورادھا کا خیال آیا تھا۔

وہاں ایک پولیس آفیسر بھی موجود تھا۔ ایشور لال کو اس کی نظروں میں اپنے لیے عناد محسوس ہوا لیکن اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ سیدھا سادھنا کی طرف بڑھا۔ "مجھے پہلے ہی آ جانا چاہیے۔ تھا۔" اس نے کہا۔

سادھنا کی نگاہوں میں خالی پن تھا۔ "مجھے پچھلی بار امید تھی کہ آپ آئیں گے۔" وہ بولی۔ "جب ممی کا دیہانت ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے لیکن آپ نہیں آئے۔" اس کے لہجے میں شکایت در آئی۔

ایشور لال اسے ڈاکٹر کی ماہرانہ نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ شاک میں ہے۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلی ہوئی تھیں اور لہجہ میکانکی تھا۔ یہ بات بھی اس کے اندازے کی تائید کر رہی تھی۔ "میرا خیال تھا' تم مجھ سے خفا ہو گی۔ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے تھی۔"

"اب کر دیں' مجھے مدد کی ضرورت ہے۔"

ایشور لال نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "میں اسی لیے آیا ہوں بیٹی۔ مجھ سے جو ہو سکے گا' کروں گا۔"

اچانک سادھنا کا جسم لرزنے لگا۔ وہ جھولنے لگی۔ اجیت سہارا دے کر اسے صوفے پر لے گیا اور اسے وہاں بٹھا دیا۔ ایشور لال اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

اجیت نے سادھنا کو کمبل اوڑھا دیا۔ "تمہارا جسم بالکل ٹھنڈا ہو رہا ہے جان!" اس نے اس کا چہرہ ایک لمحے کیلئے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا۔ سادھنا کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رخسار بھیگ کر رہ گئے۔

ایشور لال کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہاں ایک اور عورت بھی موجود ہے۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ سادھنا کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر وہ اجیت سے مخاطب ہوئی۔ "تمہیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں کہ میں قانونی طور پر تمہاری بیوی کی نمائندگی کروں۔ میں باقاعدہ وکیل ہوں۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"وکیل!" سادھنا بڑبڑائی۔ اسے اپنے پچھلی بار کے وکیل کا چہرہ یاد آ گیا۔ وہ اس

سے مسلسل کہتا رہا تھا۔ "مجھے سب کچھ بتا دیں مسز اشیش۔ مجھ سے سچ بولیں۔ مجھ پر بھروسہ کریں۔" یعنی اس کے وکیل تک کو اس کی بے گناہی پر یقین نہیں تھا لیکن کرن کی بات اور تھی۔ وہ عورت تھی۔ وہ اس کا درد سمجھ سکتی تھی۔ "پلیز اجیت' کرن دیدی کو اجازت دے دو۔" سادھنا نے اجیت سے کہا۔

اجیت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے کرن!"

اب کرن ایشور لال کی طرف مڑی۔ "ڈاکٹر' آپ مجھے پیشہ ورانہ رائے دیں کہ سادھنا کی حالت ایسی ہے کہ اسے پوچھ گچھ کیلئے پولیس اسٹیشن لے جایا جا سکتا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" ایشور لال نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "میں اصرار کروں گا کہ پوچھ گچھ ضروری ہے تو یہیں کی جائے۔"

"لیکن مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔" سادھنا کے لہجے میں تھکن تھی۔ اس نے ایشور لال کی طرف دیکھا۔ "آپ کچھ ایسا کر سکتے ہیں کہ مجھے یاد آ جائے۔ ایسی کوئی صورت ہے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی ایسی دوا کوئی ایسی صورت کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یا جو کچھ جانتی ہوں' وہ مجھے یاد آ جائے بلکہ آپ یہ بھی چیک کریں کہ میرے وجود کا کوئی حصہ ایسا بھی ہے جو خود میرے بچوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔"

"سادھنا' یہ سب——" اجیت نے احتجاج کیا لیکن سادھنا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ اس کے چہرے پر اذیت کا تاثر تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے ڈاکٹر!" کرن نے ایشور لال سے پوچھا۔

"شاید—— امکان تو ہے۔" ایشور لال نے پرخیال لہجے میں جواب دیا۔ "یہ ہسٹریا کی طرح کی کیفیت ہے۔ سوڈیم امائیٹل کا ایک انجکشن دیا جائے تو شاید یہ ریلیکس ہو سکے اور ہمیں کچھ بتا سکے—— وہ جو اسے معلوم ہے۔"

چیف دیال اب تک سب کچھ خاموشی سے سن رہا تھا۔ وہ یہ سن کر بھڑک اٹھا۔ "دوا کے زیر اثر دیے جانے والے جوابات عدالت میں قابل قبول نہیں ہوں گے۔

میں آپ کو یہ سب کچھ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔ وہ خاموشی سے اس پولیس مین کو دیکھتے رہے جس کی ڈیوٹی ہی فون ریسیو کرنا تھی۔ اس نے فون ریسیو کیا اور پکارا۔ "چیف۔۔۔ آپ کی ٹرنک کال ہے۔"

"یہ وہ کال ہے جس کا میں منتظر تھا۔" چیف دیال نے کہا۔ "اجیت۔۔۔ اور کرن۔۔۔ آپ بھی آئیں میرے ساتھ۔"

ایشور لال' سادھنا کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر رہے سہے سکون کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔ "جب بھی فون کی گھنٹی بجتی ہے' میں سمجھتی ہوں کہ بچے مل گئے ہیں اور کوئی اطلاع دے رہا ہے۔"

"خود کو سنبھالو بیٹی!" ایشور لال نے شفقت سے کہا۔ "یہ بتاؤ یہ یاد کرنا تمہارے لیے کب سے مسئلہ بنا ہے؟"

"سبھاش اور تجلا کی موت کے وقت سے۔ نہیں۔۔ شاید اس سے بھی پہلے سے۔ مجھے اشیش سے شادی کے بعد کا عرصہ یاد نہیں آتا ہے۔"

"شاید اس لیے کہ ان برسوں کا تعلق تمہارے بچوں سے ہے اور تم اذیت ناک یادوں سے بچنا چاہتی ہو۔"

"لیکن شادی کے بعد میں بہت تھکی تھکی رہنے لگی تھی اور جب بچے کھو گئے تو میری یادداشت جواب دے گئی۔۔۔ جیسے اب ہوا ہے۔۔۔" اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

اسی وقت اجیت واپس آگیا۔ "ڈاکٹر۔۔۔ آپ چند منٹ کرن سے بات کر سکتے ہیں؟" اس نے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" ڈاکٹر اٹھا اور ڈائنگ روم میں چلا گیا۔

چیف دیال اب بھی فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ پولیس اسٹیشن چیخ چیخ کر احکامات دے رہا تھا۔ "پوسٹ آفس پنچو۔ 30 اکتوبر کو وہاں جو لوگ بھی ڈیوٹی پر تھے' ان سے پوچھ گچھ کرتے رہو' یہاں تک کہ کسی کو کے ایل رام داس کے بارے میں کچھ یاد آ جائے۔ یہ یاد آئے کہ وہ لیٹر کس نے ریسیو کیا تھا اور سنو' مجھے مکمل حلیہ

چاہیے۔ اس کا۔۔۔ اور جلد سے جلد۔" اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

ادھر کرن بھی ٹینشن میں تھی۔ "ڈاکٹر!" اس نے ایشور لال سے کہا۔ "ہم سادھنا کی اس کیفیت کو توڑنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو بتا دوں کہ میرے پاس سادھنا کے پچھلے کیس کی مکمل فائل موجود ہے۔ اصل میں' میں اس موضوع پر ایک کتاب پر پہلے سے کام کر رہی تھی۔ گزشتہ تین گھنٹے میں اس فائل میں سر کھپاتی رہی ہوں اور میں نے آج کے "کومستان" میں چھپنے والا وہ آرٹیکل بھی بہت غور سے پڑھا۔ مجھے ایک خیال آیا تھا۔ میں نے چیف دیال سے کہا کہ وہ علی گڑھ فون کر کے میرے خیال کی تصدیق کرے۔ ابھی وہاں سے رابطہ ہوا ہے۔"

ایشور لال نے جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"ڈاکٹر' شاید آپ کو معلوم ہو کہ فوجداری کیسوں میں پولیس کبھی کوئی بات چھپا لیتی ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ آگے ملنے والے ثبوتوں اور شہادتوں کی صداقت کو پرکھ سکے۔ میں نے سات سال پہلے کے اخبارات کے تراشے چیک کیے۔ ان میں لکھا تھا کہ بچے جس وقت غائب ہوئے' سفید ڈیزائن والا سرخ سوئٹر پہنے ہوئے تھے۔ کہیں پوری تفصیل موجود نہیں ہے۔۔۔ کسی بھی اخبار میں نہیں ہے۔ علی گڑھ پولیس نے تصدیق کر دی ہے کہ بچوں کے لباس کی تفصیل انہوں نے دانستہ چھپا لی تھی۔"

ایشور لال کی نظروں میں الجھن تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بات کی کیا اہمیت ہے۔

"اب سنیں' آج کے "کومستان" میں جو آرٹیکل شائع ہوا ہے اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ سبھاش اور تجلا جب غائب ہوئے تھے تو ایسے سرخ سوئٹر پہنے ہوئے تھے جن پر سفید رنگ کی بادبانی کشتیاں بنی ہوئی تھیں۔" کرن کے لہجے میں سنسنی در آئی۔ "پولیس کے علاوہ ایک ہی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو یہ بات جانتا ہو۔ اگر ہم سادھنا کو بے گناہ فرض کر لیں تو وہ وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے بچوں کو اغوا کیا ہو گا اور اس نے یہ آرٹیکل "کومستان" میں چھپوایا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔"

"ڈاکٹر' میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر آپ سادھنا کا جمود توڑ سکتے ہیں تو آپ کو

یہ کام بہت تیزی سے کرنا ہو گا۔ میں نے اجیت کو قائل کر لیا ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر ہمیں سادھنا سے جلد از جلد معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بچوں کے لیے دیر ہو جائے اور انہیں ضرر پہنچ جائے۔"

"مجھے کچھ دواؤں کی ضرورت ہو گی۔" ایشور لال نے کہا۔

"آپ لکھ دیں۔ میں گاڑی بھیج کر دوائیں منگوا دوں گا۔" چیف دیال نے پیشکش کی۔ "رکیں— میں میڈیکل اسٹور کا نمبر ملاتا ہوں۔ آپ اسے دواؤں کے متعلق لکھوا دیں۔ کانسٹیبل جا کر لے آئے گا۔"

ایشور لال نے فون پر میڈیکل اسٹور والے سے بات کی۔ وہ ریسیور رکھ کر مڑا تو چیف کرن سے کہہ رہا تھا۔ "دیکھو جو سوالات کیے جائیں گے اور وہ جو جواب دے گی' میں ریکارڈ کروں گا۔ اگر اس نے اعتراف جرم کیا تو ہم اسے عدالت میں براہ راست تو اس کے خلاف استعمال نہیں کر سکیں گے لیکن کم از کم میں گواہوں کے کٹہرے میں اسے کھڑا کر کے وہی سوالات تو کر سکوں گا۔" "تمہاری یہ امید پوری نہیں ہو گی۔ وہ اعتراف نہیں کرے گی۔" کرن نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ جتنا بتاتی ہے' جانتی اس سے زیادہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے لاشعور میں بہت کچھ ہے جو وہ خود بھی نہیں جانتی۔ پچھلے مقدمے کے دوران میں اس کی تصویر نہیں دیکھی تم نے۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا— بالکل بے تاثر۔"

چیف دیال کا ضبط جواب دینے لگا۔ "تم ایک سانس میں دو باتیں کر رہی ہو۔ ایک طرف تم کہتی ہو کہ سادھنا کی حالت ایسی نہیں کہ میں اس سے پوچھ گچھ کر سکوں اور پھر تم کہتی ہو کہ وہ جتنا بتاتی ہے اس سے زیادہ جانتی ہے۔ سنو شریمتی جی' قابل اعتراض اور متنازعہ عدالتی فیصلوں پر کتاب لکھنا تمہارا مشغلہ ہو گا مگر ان دونوں بچوں کی زندگی میرے لیے بہت اہم ہے۔ یہ میرے لیے مشغلہ نہیں۔"

"میری بات سنو دیال شنکر۔" ایشور لال نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "اور کرن جی تم بھی۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ ماضی میں سادھنا کے بچوں کی اموات کے پس منظر کو کریدنا آج کے کیس کے لیے مدد آور ثابت ہو گا؟"

"مجھے اس پر یقین ہے ڈاکٹر۔" کرن نے بے حد وثوق سے کہا۔ "سادھنا

کریدنے پر نہ صرف آج صبح کے واقعات کے متعلق بتائے گی جو میرے خیال میں بالکل اہم نہیں ہوں گے۔ بلکہ ماضی کے واقعات سے بھی پردے اٹھیں گے۔ آج کے متعلق وہ شاید ہی کوئی کام کی بات بتا سکے لیکن ماضی کے متعلق ایسی باتیں سامنے آئیں گی جن سے خود اس کا شعور بے خبر ہے۔"

"یہ عین ممکن ہے۔" ایشور لال نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"میری التجا ہے کہ آپ اس سلسلے میں کوشش کریں۔" کرن بولی۔

○

گھنشام ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا تو ڈائننگ روم میں اس پولیس والے کے سوا کوئی نہیں تھا جس کی ڈیوٹی ٹیلی فون پر تھی۔ "وہ سب وہاں ہیں۔" پولیس والے نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

گھنشام ڈرائنگ روم کی طرف گیا۔ اس نے وہاں کے منظر کا جائزہ لیا۔ سادھنا کاؤچ پر دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ایک اجنبی شخص اس کے پاس بیٹھا نرم لہجے میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ایک باوقار معمر آدمی تھا۔ اجیت بھی وہیں بیٹھا تھا اور بے حد متوحش دکھائی دے رہا تھا۔ ایک کرسی پر کرن بھی بیٹھی تھی۔

گھنشام کی سمجھ میں آگیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تھکے تھکے انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی ٹھٹھری ہوئی انگلیوں کو حرارت دینے کیلئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی انگلیاں اونی دستانے سے مس ہوئیں۔

"سادھنا، تم کیا محسوس کر رہی ہو؟" ایشور لال نے پوچھا۔

"میں— میں خوف زدہ ہوں۔" سادھنا کا لہجہ خواب ناک تھا۔

"کیوں؟"

"بچے— میرے بچے—"

"سنو سادھنا ہمیں صبح کے واقعات کے متعلق بتاؤ۔ رات تمہیں کیسی نیند آئی تھی؟ تم اٹھیں تو پرسکون تھیں؟"

سادھنا کی سوچ میں ڈوبی آواز ابھری۔ "میں نے خواب دیکھا—"

"خواب میں تم نے کیا دیکھا؟"

"سبھاش اور تلجا کو دیکھا۔ وہ بڑے ہو گئے تھے۔" وہ سسکنے لگی۔ اگر ایشور

لال نے مضبوطی سے اجیت کو نہ روکا ہوتا تو وہ سادھنا کو لپٹا لیتا۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔

پھر اچانک سادھنا چلائی۔ "میں انہیں کیسے قتل کر سکتی تھی۔ وہ میرے بچے تھے— میرے بچے۔"

○

عام حالات میں گھنشام کسی اہم گاہک کو اصل مکان دکھانے سے پہلے علاقے کے اہم مقامات دکھا کر متاثر کیا کرتا تھا لیکن اس وقت اس کا عجیب حال تھا۔ برف باری بھی ہو رہی تھی اور اس کا دھیان بچوں کی— سادھنا— اور اجیت کی طرف تھا۔ چنانچہ وہ بنواری لال کو سیدھا شانتی ہاؤس لے گیا۔

وہ سڑک پر پیچ اور خاصی خطرناک تھی۔ جیسی کہ پہاڑی علاقوں میں ہوتی ہے۔ برف باری کے دوران میں خطرات اور بڑھ جاتے ہیں۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے کن انکھیوں سے بنواری لال کو دیکھا۔ اس کا رنگ کالا تھا اور عمر 45 اور 50 کے درمیان تھی مگر وہ بے حد مہذب اور خوش اطوار لگتا تھا۔ لہجے ہی سے وہ ملباری لگتا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی بیوی اس علاقے میں بسنا چاہتی ہے۔

گھنشام ذہن میں امکانات کی مدد سے تصویر بنا رہا تھا۔ "یہ شانتی ہاؤس بہت اچھی لوکیشن پر ہے۔ یہاں ہوٹل اور ریسٹورنٹ کی بہت گنجائش ہے۔ مکان پرانا ہے لیکن چند برس پہلے اس کے بڑے حصے کی مرمت کرائی گئی تھی۔" اس نے بنواری لال کو بتایا۔ "مکان سے ملحق قطعہ اراضی بھی ہے۔ یہ نو ایکڑ کے قریب زمین ہے۔ اس میں ایک ہزار فٹ لمبا جھیل کا کنارہ بھی شامل ہے۔ وہاں سے علاقے کا خوبصورت ترین منظر دکھائی دیتا ہے۔"

"مگر یہ بہت پرانا ہے۔" بنواری لال کے لہجے میں اعتراض نہیں تھا۔

"جی ہاں۔ وہی معاملہ ہے— نیا نو دن، پرانا سو دن اور اصل میں اہمیت نو ایکڑ اراضی کی ہے اور اس پر شاندار لوکیشن۔"

"معاملہ پٹ گیا تو میں بوٹس بھی خریدوں گا۔"

"بالکل— ہے رام—" گھنشام نے تیزی سے اسٹیئرنگ وہیل گھما کر کار کو سنبھالا جو برف پر پھسل گئی تھی۔ گاڑی سنبھالنے کے بعد اس نے پر تشویش نظروں سے بنواری لال کو دیکھا کہ کہیں وہ گھبرا تو نہیں گیا ہے مگر وہ پرسکون تھا۔

"تم بہت اچھی ڈرائیو کرتے ہو۔" بنواری لال نے کہا۔ "ان راستوں پر برف ہو تو گاڑی چلانا ہنسی کھیل نہیں ہے۔"

"شکریہ مجھے افسوس ہے کہ اجیت ہمارے ساتھ نہیں ہیں مگر صورتحال ہی ایسی تھی کہ—"

"میں سمجھتا ہوں— بچوں کا کھو جانا والدین کیلئے بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔" بنواری لال نے کہا۔ "مجھے تو افسوس ہے کہ آج تمہیں تکلیف دی۔ تم اجیت کے ساتھ کام کرتے ہو تو اس کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتے ہو گے۔ تمہیں بھی فکر ہو گی ان کی طرف سے۔"

گھنشام نے اس کے ہمدردانہ لہجے کو نظرانداز کر دیا۔ "لیجئے— ہم پہنچ گئے۔"

گاڑی نے جیسے ہی موڑ کاٹا "شانتی ہاؤس" پوری طرح نظر آنے لگا۔ گھنشام کو حیرت ہوئی کہ جسونت نے گیراج کے دروازے کھلے چھوڑ دیے تھے۔ بہرحال اس کیلئے تو اچھا ہی تھا۔ وہ گاڑی کو اندر گیراج میں لے گیا۔ اس نے اپنی گاڑی جسونت کی پرانی اسٹیشن ویگن کے برابر کھڑی کر دی۔

دونوں گاڑی سے اترے۔ گھنشام نے کہا۔ "میرے پاس عقبی دروازے کی چابی موجود ہے۔ آیئے— چلیں۔"

گھنشام نے چابی لگائی اور جھنجلا گیا۔ دروازہ ڈبل لاک کیا گیا تھا۔ وہ دوسری چابی ٹٹولتا رہا ساتھ ہی اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا تاکہ جسونت کو پتا چل جائے کہ وہ لوگ آ گئے ہیں۔ بنواری لال بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے کوٹ سے برف جھٹکی۔ جبکہ گھنشام نروس تھا۔ وہ بنواری کو جلد از جلد مکان دکھا کر جان چھڑانا چاہتا تھا۔ یہ دیکھیں— اور یہ دیکھیں— اور اب مجھے اجازت دیں— مجھے اجیت کے پاس پہنچنا ہے۔

گھنشام کے دل و دماغ پر بہت بوجھ تھا— اجیت' سادھنا اور ان کے بچوں کے

علاوہ اسے کرن کی فکر بھی تھی۔ وہ اس سے خفا تھی جبکہ وہ اس سے دیرپا تعلق قائم کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں بھئی گھنشام—"

وہ چونکا۔ "سوری بنواری لال جی۔ آج میرا دھیان ادھر ادھر ہو رہا ہے۔" اس نے لہجے کو خوش گوار رکھنے کی کوشش کی پھر اس نے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے گیا۔ "یہ کچن دیکھیں بہت کشادہ ہے اور گھٹن بھی نہیں ہے یہاں۔ بس ذرا اسے جدید طرز کا بنا دیا جائے۔"

مکان کے باہر ہوا خراتی محسوس ہو رہی تھی۔ اوپر منزل کی طرف سے اسے ایسا لگا جیسے کوئی باریک آواز میں چیخا ہو۔ ممکن ہے' اس کا وہم ہو۔ اس نے بنواری لال کو نچلی منزل کے کمرے اور ان کی کھڑکیوں سے نظر آنے والے مناظر دکھائے۔

"بہت خوب صورت ہے۔" بنواری لال نے کہا۔ "میری بیوی یقیناً خوش ہو گی۔"

"پانی چڑھتا ہے تو ان چٹانوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔" گھنشام نے کہا۔ "اور وہ برف پوش پہاڑ دیکھیں' کتنے قریب لگ رہے ہیں اور یہ جھیل کا کنارہ— وہاں تک' یہ اس مکان کے ساتھ ہے۔"

وہ بنواری لال کو ایک ایک کمرا دکھاتا پھرا۔ ہر کمرے میں بڑا آتش دان موجود تھا۔ فرش بے حد شاندار حالت میں تھا۔

اب وہ دوسری منزل پر تھے۔ "یہ کمرے آپ ہوٹل بنانے کی صورت میں کرائے پر دے سکتے ہیں۔"

بنواری لال کے انداز میں دلچسپی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے دیواری الماریوں کو کھول کر چیک کیا۔ باتھ روم میں نل چیک کئے' پانی آ رہا تھا۔

"تیسری منزل پر کمرے زیادہ ہیں اور ہمارے کرائے دار جسونت جی کا اپارٹمنٹ چوتھی منزل پر ہے۔"

بنواری لال اپنی چیکنگ میں مصروف تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھنشام کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ آخر یہ شخص دیر کیوں لگا رہا

ہے۔ یہ مجھے فارغ کرے تو میں اجیت کے گھر جاؤں۔ شاید کرن بھی وہاں موجود ہو گی پھر اسے بچوں کا خیال آ گیا۔ اگر وہ اس موسم میں کسی کھلی جگہ پر ہوں گے تو۔۔۔ ان کی طبیعت نہ خراب ہو جائے۔

سادھنا گزشتہ روز ارملا کو ایجنسی لائی تھی۔۔۔ اس کے پاس چھوڑنے کیلئے۔۔۔ تو اس نے کہا تھا۔ "باہر لے کر جاؤ تو اس کے دستانوں کا خیال رکھنا کہ یہ پہنے رہے۔ اس کے ہاتھ بہت جلدی ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔" "دیکھ لو۔۔۔ یہ ایک جیسے نہیں ہیں۔ یہ میری بچی دستانے بڑی کثرت سے کھوتی ہے۔ ایک جیسے دو دستانے کم ہی ملتے ہیں مجھے اس کیلئے۔"

گھنشام نے دستانوں کو دیکھا تھا۔ ایک سرخ تھا جس پر ایک مسکراتا چہرہ بنا تھا۔ دوسرا نیلا تھا جس پر سبز رنگ میں چیک کا ڈیزائن تھا۔

گھنشام کو یاد آیا کہ دستانے پہنانے کیلئے ارملا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف اٹھائے تو کیسے پیارے اور معصوم انداز میں مسکرائی تھی پھر وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر لے گیا تھا۔ انہوں نے نوین کو اسکول سے لیا تھا اور راستے میں آئس کریم کھانے کیلئے رکے تھے۔ اس وقت اری نے بے حد معصومیت سے پوچھا تھا۔ "کون کھانے کیلئے میں دستانے اتار دوں تو کوئی حرج تو نہیں۔" کیسی پیاری بچی ہے وہ۔

بنواری لال اپنی چھوٹی ڈائری میں کچھ نوٹ کر رہا تھا پھر اس نے ڈائری بند کر کے جیب میں رکھی۔ "آیئے۔۔۔ اب اوپر چلیں۔" گھنشام نے اس سے کہا۔ "میرا خیال ہے آپ کو اوپر سے منظر زیادہ پسند آئے گا۔"

وہ زینہ چڑھ کر اوپر پہنچے۔ "یہ لیجئے' ہم پہنچ گئے؟"

مگر گھنشام کو دروازہ بند دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس نے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ "عجیب بات ہے ان کی گاڑی گیراج میں موجود ہے۔ بغیر گاڑی کے کہاں جا سکتے ہیں' خیر۔۔۔ میرے پاس بھی چابی ہے۔"

اسی لمحے بالکل اچانک دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔ جسونت کا چہرہ نظر آیا جو پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ "اتنے خراب موسم میں تمہیں تکلیف کرنی پڑی۔" جسونت نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔ پھر اس نے ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر آنے کا

راستہ دیا۔

جسونت نے باری باری دونوں نازل ہونے والوں کے چہروں کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ کہیں انہوں نے بچی کے چیخنے کی آواز تو نہیں سن لی۔ اس سے بھی کیسی حماقت سرزد ہوئی تھی۔ خواہ مخواہ کا بے صبرا پن' گھنشام کا فون ریسیو کرنے کے بعد اسے سب کچھ بہت جلدی جلدی کرنا پڑا تھا۔ بچوں کے کپڑے بھی سمیٹنے تھے پھر افراتفری میں بے بی پاؤڈر کا ڈبا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ پاؤڈر بکھر گیا تھا۔ اسے بھی صاف کرنا پڑا۔

اس نے بچوں کو پھر خواب آور دوا ملا ہوا دودھ پلایا تھا پھر ان کے ہاتھ پیر باندھے' منہ پر ٹیپ چپکایا اور انہیں بیڈ روم کی بڑی دیواری الماری میں چھپا دیا تھا۔ احتیاطاً" اس نے الماری کا تالا بدل دیا تھا۔ کون جانے' اس اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس اس کی بھی ڈپلی کیٹ چابی ہو۔

ان دونوں نے نیچے کافی دیر لگائی تھی۔ اس کی وجہ سے اسے اور مہلت مل گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کوئی چیز سامنے نہیں رہ گئی ہے۔ اس نے بے حد احتیاط سے کام لیا تھا۔ ٹب میں اب بھی پانی بھرا ہوا تھا۔ اس نے اسے یونہی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ لوگ سوچیں گے کہ وہ نہانے کا ارادہ کر رہا تھا' یہ اور اچھا تھا۔

بنواری لال نے اسے چونکا دیا۔ "میں بنواری لال ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

جسونت نے ہاتھ ملانے سے پہلے اپنی ہتھیلیوں کو پینٹ پر رگڑ کر خشک کرنے کوشش کی۔ اسے پسینہ بہت آ رہا تھا۔ اب وہ بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ "میں جسونت ہوں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

ہاتھ ملے تو بنواری لال کے چہرے پر بدمزگی کا سایہ سا لہرایا۔ اسے دیکھ کر جسونت اور خوش اخلاق ہو گیا۔ "آپ سے مل کر خوشی ہوئی بنواری لال جی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ اس شاندار مکان کو بہت خراب موسم میں دیکھ رہے ہیں۔"

ماحول کی کشیدگی وقتی طور پر کم ہو گئی۔ جسونت کو احساس ہوا کہ کشیدگی کا سبب گھنشام ہے اور وجہ صاف ظاہر تھی۔ پچھلے برسوں میں اس نے اسے بارہا سادھنا کے

گھر جاتے اور گھر سے نکلتے دیکھا۔ وہ اس گھر کے فرد کی سی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اکیلا آدمی تھا۔ یقیناً بچوں سے بہت پیار کرتا ہو گا۔ اس کے اپنے بچے نہیں تھے۔ ہوتے تو وہ بھی ان پر توجہ مرکوز رکھتا-- ان کیلئے وجہ بے وجہ پریشان ہوتا-- سادھنا کی ماں کی طرح۔

"اس اپارٹمنٹ کو دیکھیں۔" گھنشام بنواری لال سے کہہ رہا تھا۔ "دو افراد کیلئے کتنا شاندار ہے۔"

"کیا آپ کو فلکیات میں دلچسپی ہے؟" بنواری لال نے اچانک جسونت سے پوچھا۔

جسونت کو ذرا تاخیر سے احساس ہوا کہ اس نے کھڑکی سے دوربین نہیں ہٹائی بلکہ اس کا زاویہ بھی تبدیل نہیں کیا۔ اس کا رخ اجیت کے گھر کی طرف تھا اور اب بنواری لال اس دوربین میں دیکھنے کے ارادے سے کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے دروبین کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ "جی-- مجھے ستارے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

بنواری لال نے دوربین میں دیکھا اور پلکیں جھپکائیں۔ "بہت پاور فل ہے۔" اس نے کہا پھر بڑی احتیاط سے وہ دوربین کو جھکا کر اس کی پہلے والی پوزیشن پر لے آیا۔ پھر وہ سیدھا ہوا اور اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ "اپارٹمنٹ واقعی بہت اچھا ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"میں یہاں بہت خوش رہتا ہوں۔" جسونت نے کہا لیکن اندر ہی اندر وہ غصے سے کھول رہا تھا۔ اس نے دوربین کی پوزیشن تبدیل کر کے خود کو مشکوک کر لیا تھا۔

"آئیں-- آپ کو بیڈ روم اور باتھ روم دکھا دوں۔" گھنشام نے پیشکش کی۔

"ضرور!" جسونت نے بستر کی چادر درست کی اور بے بی پاؤڈر کے ڈبے کو جلدی سے بغلی دراز میں ٹھونس دیا۔

"باتھ روم اتنا بڑا ہے کہ آج کل عام بیڈ روم اتنے بڑے بنائے جا رہے ہیں۔" گھنشام کہہ رہا تھا۔ اسی لمحے اس کی نظر پانی سے بھرے ہوئے ٹب پر پڑی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا "سوری-- ہم نے واقعی آپ کو ڈسٹرب کیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے نہانے کا کوئی وقت مقرر تو نہیں ہے۔" جسونت نے ایسے لہجے میں کہا جو اس کے لفظوں کی نفی کر رہا تھا۔

بنواری لال نے بھی ٹب کو دیکھا وہاں ربر کی ایک بطخ تیر رہی تھی۔ بچے کا کھلونا وہ پھر بدمزہ ہوا۔ یہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس نے سوچا اسی لمحے اس کا ہاتھ دیواری الماری سے مس ہوا۔ مکان واقعی بہت اچھا تھا۔ بہت خوب صورتی سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مالک مکان کی ڈیمانڈ چالیس لاکھ تھی۔ نو ایکڑ زمین اور جھیل کے کنارے کی ملکیت کے ساتھ یہ ڈیمانڈ معقول تھی مگر وہ سوچ رہا تھا کہ تیس لاکھ آفر کرے گا۔ 35 لاکھ تک سودا پٹ سکتا ہے۔

اپنے ذہن میں فیصلہ کرنے کے بعد وہ مالکانہ انداز میں جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے الماری کے ہینڈل کو تھامتے ہوئے کہا۔ "میں یہ الماری دیکھ سکتا ہوں؟ کافی گہری معلوم ہوتی ہے۔"

"سوری دراصل اس کا تالا میں نے آج ہی بدلا ہے-- اور چابی کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔" جسونت نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ دوسری الماری دیکھ لیں۔ یہ سب بالکل ایک جیسی ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ اس کا بس چلتا تو وہ چیخ کر اس شخص کو باہر نکلنے کو کہتا۔ الماری کے بند دروازے کے پیچھے بچے موجود تھے۔ اب اسے پریشانی ہو رہی تھی کہ پتا نہیں اس نے ٹیپ ٹھیک سے چپکایا تھا یا نہیں اور بچے کہیں گھنشام کی آواز نہ پہچان لیں۔ آخر وہ ان کی جانی پہچانی آواز ہے اور ہاتھ پاؤں ماریں-- آواز نکالنے کی کوشش کریں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بس ان لوگوں سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لیا جائے۔

ادھر گھنشام بھی وہاں سے جلد از جلد نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ اسے ایک خوشبو کا احساس ہو رہا تھا جو اسے ارملا کی یاد دلا رہی تھی۔ وہ بنواری لال کی طرف مڑا جو دوسری الماری کھول کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ "کیا خیال ہے آپ کا' چلیں؟"

بنواری لال نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ کا شکریہ جسونت جی۔"

وہ جانے کیلئے مڑے اس بار بنواری لال نے ہاتھ ملانے سے گریز کیا تھا۔

نیچے گیراج میں گھنشام نے اسٹیشن ویگن اور اپنی گاڑی کے درمیان سے گزر کر

اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ کار میں بیٹھتے بیٹھتے اسے گیراج کے فرش پر کوئی سرخ سی چیز نظر آئی۔ اس نے اسے اٹھایا اور اپنے رخسار سے لگا لیا۔ وہ ایک دم سے کار کی سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔

"کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟" بنواری لال نے تشویش سے پوچھا۔

"یہ ارملا کا دستانہ ہے۔" گھنشام کی آواز بھرا گئی۔ "یہ کل میری کار میں گر گیا ہو گا۔ اور ابھی کار سے اترتے وقت نیچے گر گیا ہو گا۔ اری دستانے کھوتی رہتی تھی۔ آج صبح اس دستانے کے ساتھ کا دستانہ جھولے پر ملا تھا۔" گھنشام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھگوان تمہارا دکھ جانتا ہے۔" بنواری لال نے نرم لہجے میں کہا۔ "اور وہ ہی اسے دور کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بچے مل جائیں گے۔ بھگوان بے انصاف نہیں۔ اب کہو تو گاڑی میں ڈرائیو کروں؟"

"پلیز!" گھنشام نے اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا موقع دیا اور دستانہ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ دستانہ اجیت یا سادھنا کو نہیں دکھائے گا۔ ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ ہائے ارمی۔۔۔ اس نے کون کھاتے وقت دستانے اتارے تھے۔ اس کی نظروں میں وہ منظر پھر گیا۔

اوپر کی کھڑکی سے جسونت اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کار موڑ سے گزر کر نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی پھر وہ واپس گیا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے الماری کا تالا کھولا اور لڑکے کو نظرانداز کرتے ہوئے بچی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بچی کو اٹھا کر بیڈ پر ڈالا مگر بچی کی بند آنکھیں اور نیلا پڑتا چہرہ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

○

سادھنا کی مٹھیاں بار بار کھل اور بھنچ رہی تھیں۔ ایشور لال نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم پریشان نہ ہو بیٹی۔ سب جانتے ہیں کہ تم بچوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ تم اسی لیے پریشان ہو نا؟"

"ہاں۔ میں انہیں کیسے مار سکتی ہوں۔ وہ تو میں ہوں۔ میں تو ان کے ساتھ مر گئی تھی۔"

"اپنے کسی محبوب کو کھوتے ہیں تو ہم سب تھوڑے سے مر جاتے ہیں۔ سادھنا بیٹی' تم پیچھے جا کر سوچو' اس وقت جب کوئی مسئلہ نہیں کھڑا ہوا تھا۔ اپنا لڑکپن یاد کرو۔۔۔ اور بتاؤ۔"

"لڑکپن!" سادھنا کے جسم کا تناؤ یک لخت دور ہو گیا۔

"مجھے اپنے پاپا کے بارے میں بتاؤ' میں تو انہیں جانتا بھی نہیں۔"

چیف دیال نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ایشور لال نے اسے تہدیدی نظر سے دیکھا۔ "میں یہ بے سبب نہیں کر رہا ہوں۔ تمہیں تحمل سے کام لینا ہو گا۔" اس نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی بہت اچھے تھے۔ ان کی فلائٹ آتی تو میں ممی کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ایئرپورٹ جاتی۔" سادھنا کی آواز اور لہجے میں تازگی تھی۔ "وہ جب بھی فلائٹ سے آتے' میرے اور ممی کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے تھے۔"

اجیت کی نظریں سادھنا کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اس نے سادھنا کی آواز میں ایسی شگفتگی اور لہجے میں ایسی کھنک پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس کی آواز میں مسرت کی چہکار تھی۔

کرن بہت توجہ سے سن رہی تھی۔ اسے ایشور لال کی ٹیکنیک بہت اچھی لگی تھی۔ وہ اہم باتیں پوچھنے سے پہلے اس کا اعتماد حاصل کر رہا تھا۔۔ اسے خود اعتمادی دے رہا تھا مگر کلاک کی ٹک ٹک اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ احساس دلاتی تھی کہ بہت قیمتی اور اہم وقت گزر رہا ہے اور وہ بار بار گھنشام کو دیکھتی۔ اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا اس کیلئے بہت دشوار تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ گھنشام کے ساتھ اس کا رویہ سخت اور اہانت آمیز تھا۔ اسے گھنشام سے معذرت کرنی چاہیے۔

اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ "یہ تو ہونا ہی تھا۔" چیف دیال نے بدمزگی سے کہا۔

اجیت نے دیا سلائی جلائی اور اس کی روشنی میں لیمپ تلاش کر کے روشن کر دیا پھر اس نے دوسرا لیمپ روشن کیا۔ دونوں لیمپ سادھنا کے دونوں طرف رکھ دیے گئے۔ اجیت کو اس بیمار روشنی میں وہ سب کچھ غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ بچے غائب ہیں۔ سادھنا دواؤں کے زیر اثر ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ سادھنا کیا کہہ رہی ہے۔۔

"ڈیڈی مجھے اور ممی کو اپنی بالکائیں کہتے تھے۔۔ بالکائیں۔۔" سادھنا کہتے کہتے رک گئی۔ آخری لفظ دہراتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

"کیا بات ہے سادھنا!" ایشور لال نے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی تمہیں بالکا کہتے تھے تو تمہیں برا لگتا تھا؟"

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ وہ اور بات تھی۔" سادھنا کے لہجے میں احتجاج تھا۔ آواز بلند تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹی۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔" ایشور لال نے اسے چمکارا۔ "اچھا۔ یونیورسٹی کے بارے میں بتاؤ وہاں تمہارے بہت دوست ہوں گے؟"

"شروع میں تو تھے۔ مجھے لڑکیوں سے دوستی کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔"

"اور پڑھائی؟ تمہیں اپنی مضامین اچھے لگتے تھے؟"

"جی ہاں' سب آسان تھے۔ بایولوجی کے سوا۔" سادھنا کا لہجہ بدل گیا۔ "اصل میں مجھے سائنس سے دلچسپی نہیں تھی لیکن ممی نے مجبور کر دیا تھا۔"

"پھر تم پروفیسر اشیش سے ملیں؟"

"ہاں۔ انہوں نے بایولوجی میں میری مدد کی اور وہ کہتے تھے کہ میں زیادہ گھما

پھرا اور اپنے ساتھیوں سے ملا نہ کروں ورنہ بیمار ہو جاؤں گی۔ انہیں میری بہت فکر تھی۔ وہ مجھے وٹامن کی گولیاں بھی دیتے تھے۔۔ طاقت کیلئے۔ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے وہ۔ میں بہت تھکی تھکی رہتی تھی۔ مجھے ڈیپریشن بھی ہونے لگا تھا۔ میں ممی کو بہت مس کرتی تھی۔"

"لیکن دیوالی پر تو تم گھر آتی تھیں نا؟"

"ہاں مگر نہ جانے کیا ہوا' بہت برا ہوا۔ میں نے اس کے بارے میں لکھا تو نہیں لیکن میرا خیال ہے' میں جانتی تھی۔ ممی ویک اینڈ پر آئیں کیونکہ وہ میری طرف سے فکر مند تھیں اور پھر ممی مر گئیں۔۔ صرف اس لیے کہ وہ مجھ سے ملنے آئی تھیں۔ وہ میرا قصور تھا۔۔ میرا قصور۔۔" اس کی آواز بکھر گئی اور وہ سسکنے لگی۔

گھنشام نے اپنے آنسو چھپانے کیلئے منہ پھیر لیا۔ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ اس نے سوچا۔ یہاں وہ کس کام کا ہے۔ کچھ کر ہی لے' کافی ہی بنا لے۔ وہ اٹھنے لگا۔

"تمہاری ممی کی موت کے بعد اشیش نے تمہاری بہت مدد کی؟" ایشور لال نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ بہت اچھے تھے۔"

"اور تم نے اس سے شادی کر لی؟"

"ہاں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ میرا خیال رکھیں گے اور میں بہت تھکی ہوئی تھی۔"

"تمہیں اپنی ممی کو پیش آنے والے حادثے کا الزام خود پر نہیں لینا چاہیے سادھنا۔"

"حادثہ!" سادھنا کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ "حادثہ؟ وہ حادثہ تو نہیں تھا۔ وہ حادثہ تو نہیں تھا۔"

"وہ حادثہ ہی تھا۔" ایشور لال نے نرم لہجے میں کہا مگر اسے اپنے حلق میں ایک گولا سا بنتا محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔۔ میں نہیں جانتی۔"

"ہمیں پروفیسر اشیش کے بارے میں بتاؤ۔"

"وہ میرے لیے بہت اچھے تھے۔"

"یہ تو تم کہتی رہتی ہو' یہ بتاؤ اس نے تمہارے لیے کیا کیا؟"

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیوں سادھنا؟"

"بس۔۔۔ میں نہیں چاہتی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کے بارے میں بتاؤ۔۔۔ سبھاش اور تبلا کے بارے میں۔"

"وہ بہت پیارے تھے۔۔۔ بہت اچھے۔"

"تم بس اچھا ہی کہتی رہتی ہو۔ پروفیسر اشیش تمہارے ساتھ بہت اچھا تھا۔ بچے بہت اچھے تھے۔ تو تم بہت خوش ہو گی؟"

"خوش؟ میں بہت تھکن محسوس کرتی تھی۔"

"کیوں؟"

"میں بیمار تھی۔ اشیش چاہتے تھے کہ میں اچھی ہو جاؤں۔ وہ کہتے تھے۔۔۔ اچھی بچی بنو سادھنا' وہ میری مدد کرتے تھے۔"

"مدد؟ وہ کیسے؟"

"میں اس بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی۔"

"لیکن یہ ضروری ہے سادھنا۔ اشیش کیا کرتا تھا؟"

"میں تھکی ہوئی ہوں۔ اس وقت بھی تھک گئی ہوں میں۔"

"ٹھیک ہے ایک منٹ آرام کر لو پھر ہم کچھ اور بات کریں گے۔"

ایشور لال اٹھا۔ چیف دیال نے سر کے اشارے سے اسے دروازے کی طرف چلنے کو کہا۔ وہ دونوں ڈائننگ روم میں چلے گئے۔ "مجھے تو بات بنتی نظر نہیں آ رہی ہے۔" چیف دیال نے بلا تمہید کہا۔ "اور اس میں کئی گھنٹے لگ سکتے ہیں اگر تمہارا خیال ہے ڈاکٹر کہ تم پہلے بچوں کے قتل سے متعلق کوئی اہم بات معلوم کر سکتے ہو تو ادھر ادھر کی باتوں میں وقت مت ضائع کرو۔ براہ راست سوال کرو یا پھر میں اسے تھانے لے جا کر پوچھ گچھ کرتا ہوں۔"

"مجھے تیزی دکھانے پر مجبور نہ کرو۔ وہ آہستہ آہستہ کھل رہی ہے۔" ایشور لال نے تحمل سے کہا۔ "اس کا لاشعور تیزی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اور مجھے یہ فکر ہے کہ شاید وہ بچے ابھی زندہ ہوں۔۔۔ اور میں یہاں وقت ضائع کر رہا ہوں۔۔۔ انہیں بچانے کی کوشش کرنے کے بجائے۔" چیف کا لہجہ تند تھا۔

"ٹھیک ہے' میں اس سے آج صبح کے متعلق پوچھتا ہوں مگر پہلے مجھے اس کے پہلے بچوں کے بارے میں پوچھنے دو۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی ربط ہے تو وہ اسے ظاہر کر دے گی۔"

چیف دیال نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "چار بجنے والے ہیں۔" اس نے کہا۔ "آدھے گھنٹے میں روشنی اتنی کم ہو جائے گی کہ دیکھنا محال ہو گا۔ ریڈیو کہاں ہے؟ میں موسم کی خبریں سننا چاہتا ہوں۔"

ٹیلی فون پر مامور پولیس والے نے جلدی سے کہا۔ "ریڈیو کچن میں ہے چیف۔"

کچن میں گھنشام نے کافی بنا لی تھی۔ چیف نے جا کر ریڈیو کھولا تو کچن آواز سے بھر گیا۔ ریڈیو پر خبریں آ رہی تھیں۔ "اجیت پال کے بچوں کی گمشدگی کے کیس نے نیا ٹرن لے لیا ہے۔" خبریں پڑھنے والا کہہ رہا تھا۔ "وار جلنگ کی حدود میں ایک پیٹرول پمپ پر کام کرنے والے اٹینڈنٹ نے یقینی گواہی دی ہے کہ صبح نو بجے اس نے پرکاش کی گاڑی میں پیٹرول بھرا تھا۔ یاد رہے' یہ پرکاش مہتا وہ گواہ ہے جس کے بھاگ جانے کی وجہ سے سادھنا دیوی پر دوبارہ کیس نہیں چلایا جا سکا۔ وہ فوج سے بھاگا ہوا ہے۔ اٹینڈنٹ کی گواہی کے مطابق پرکاش مہتا نروس نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ وار جلنگ ایک ایسے شخص سے ملنے کیلئے آیا ہے جو اسے دیکھ کر ہرگز خوش نہیں ہو گا۔ وہ سرخ رنگ کی مورس میں سفر کر رہا ہے۔"

"لعنت۔۔۔ میں یہاں وقت برباد کر رہا ہوں۔" چیف دیال غرایا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ چیف نے ریسیور اٹھایا۔ "ہاں۔۔۔ میں نے سن لی ہے۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمام روڈ اور پل بلاک کر دو اور سب کو سرخ مورس کے بارے میں مطلع کر دو۔ اسے ہر حال میں پکڑنا ہے۔" ریسیور کریڈل پر پٹخ کر وہ ایشور لال کی طرف

مڑا۔ "اب میں چاہتا ہوں کہ آپ سادھنا سے ایک سوال پوچھیں۔ پرکاش مہتا کل یہاں تو نہیں آیا تھا اور آیا تھا تو اس نے سادھنا سے کیا کہا؟"

ایشور لال اسے گھورنے لگا۔ "تم کس نتیجے پر پہنچ رہے ہو؟"

"یہ پرکاش مہتا وہ شخص ہے جو سادھنا پر دوبارہ مقدمہ چلوا سکتا ہے اور اگر اسے پتا چل جاتا ہے کہ سادھنا یہاں رہ رہی ہے تو کیا وہ اسے بلیک میل کر کے اس سے رقم اینٹھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ اسے پیشکش کرے گا کہ اس بار وہ اپنی گواہی کو اس کے حق میں بدل دے گا اور اس کے بعد سادھنا ہمیشہ کیلئے آزاد ہو جائے گی۔ فرض کر لو' آج وہ سادھنا سے ملا تو کیا اسے دیکھ کر سادھنا پر دیوانگی طاری نہیں ہو سکتی۔"

"اور کیا اس دیوانگی میں وہ اپنے ان بچوں کو بھی قتل نہیں کر سکتی۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟" ایشور لال نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس وقت بچے غائب ہوئے یہ شخص یہاں اس علاقے میں موجود تھا اور پچھلی بار بچے غائب ہوئے' تب بھی یہ وہاں موجود تھا۔ بچوں کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔"

ایشور لال نے اچانک لہجہ نرم کر لیا۔ "مجھے موقع دو چیف میں سادھنا سے اس دن کے بارے میں پوچھوں گا جب اس کے پہلے بچے غائب ہوئے تھے۔"

"میں آپ کو صرف تیس منٹ دوں گا۔"

گھنشام نے جلدی جلدی پیالیوں میں کافی انڈیلی' پیالیاں ٹرے میں رکھیں اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ اجیت کاؤچ کے برابر بیٹھا تھا۔ وہ سادھنا کے ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ کرن مینٹل کے پاس کھڑی آتش دان کو تک رہی تھی۔

گھنشام نے آتش دان کے پاس پڑی میز پر ٹرے رکھ دی۔ "تم کافی پیو گی؟" اس نے کرن سے پوچھا۔

کرن نے اسے سوچ میں ڈوبی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔ شکریہ۔"

گھنشام نے کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔ "تم کوٹ اتار دو نا۔"

"تھوڑی دیر میں اتار دوں گی۔ ابھی تک تو سردی ہی لگ رہی ہے۔" کرن نے کہا۔

ڈاکٹر ایشور لال اور چیف دیال بھی گھنشام کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلے آئے تھے۔ گھنشام نے کافی کی ایک پیالی لے جا کر اجیت کو دی۔ "اجیت۔۔۔ پلیز یہ پی لو۔" اس نے کہا۔

"شکریہ گھنشام۔" اجیت نے پیالی لیتے ہوئے کہا پھر وہ سادھنا سے مخاطب ہوا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا میری جان۔۔۔ میری بے بی؟"

سادھنا پر لرزہ چڑھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کھلیں۔ وہ وحشت زدہ انداز میں چلائی۔ "میں تمہاری بے بی نہیں ہوں مجھے کبھی اس طرح مت پکارنا۔"

○

جسونت گہری سانس لے کر ساکت و صامت وجود کی طرف سے پلٹا۔ اس نے بچی کے منہ سے ٹیپ ہٹا دیا تھا۔۔۔ اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بھی کھول دیے تھے۔ بچی کے بال بے حد چکنے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ اسے نہلانے کے بعد اس کے بالوں میں برش کرے گا لیکن اب کچھ فائدہ نہیں تھا۔ وہ ہوش میں ہی نہیں تھی۔ بے جان جسم سے لاڈ کرنا اسے پسند نہیں تھا اس لیے کہ اس میں جسمانی ردعمل نہیں ملتا۔

لڑکا اب بھی الماری میں ہی پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھایا اور لا کر بیڈ پر لٹا دیا پھر اس نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کی بندشیں کھولیں اور آخر میں اس کے منہ سے چپکا ہوا ٹیپ ہٹایا۔ لڑکا تکلیف سے چلایا پھر اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ "تم نے میری بہن کے ساتھ کیا' کیا ہے؟" وہ چلایا۔

اس کے لہجے کی تندی سے جسونت کو اندازہ ہو گیا کہ بچے نے اپنا پورا دودھ نہیں پیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ وہ سو رہی ہے۔"

"ہمیں گھر جانے دو۔ ہم گھر جانا چاہتے ہیں۔ تم مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ گھنشام انکل یہاں آئے تھے مگر تم نے ہمیں چھپا دیا۔"

جسونت کا ہاتھ اٹھا۔ تھپڑ نوین کے رخسار پر پڑا۔ نوین بہت تیزی سے لڑھکتا

ہوا بیڈ سے اترا اور دروازے کی طرف لپکا۔ وہ دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں دوڑ گیا۔

جسونت بھی اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک نہیں کیا تھا۔ نوین نے اسے کھولا اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف گیا۔ وہاں اسے نیم تاریکی کا تحفظ حاصل تھا۔ جسونت پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑا۔ اس کا توازن بگڑا اور وہ لڑھکنے لگا۔ چھ سیڑھیوں تک لڑھکنے کے بعد ہی وہ سنبھلا۔ اس نے ریلنگ کو تھاما' اٹھا اور تین چار بار سر کو جھٹکا۔ لڑکا شاید تیسری منزل کے کسی بیڈ روم میں چھپا ہوا تھا لیکن سب سے پہلے اسے یہ چیک کرنا تھا کہ کچن کا دروازہ تو کھلا ہوا نہیں ہے۔ دروازے کا دوسرا لاک اتنا اوپر تھا کہ بچے کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"نوین' میں ابھی آتا ہوں تم مجھ سے بچ نہیں سکتے اور تم بہت گندے بچے ہو' میں تمہیں پکڑوں گا تو سزا ضرور دوں گا' سنا تم نے۔"

وہ دبے قدموں باقی سیڑھیاں اترا اور کچن کی طرف جھپٹا۔ دروازہ ڈبل لاک تو نہیں تھا مگر اوپر کی چٹخنی چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے لرزتی انگلیوں سے چٹخنی کو چیک کیا۔ اب وہ مطمئن تھا کہ لڑکا یہاں سے نہیں نکل سکتا۔

اس نے لائٹ آن کی لیکن ایک لمحے بعد ہی لائٹ چلی گئی۔ یہ موسم کا کمال تھا۔ ایسے میں لائٹ تو جانی ہی تھی۔ اب لڑکے کو تلاش کرنے میں دشواری ہو گی۔

وہ غصے سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا پھر اس نے دیا سلائی جلائی اور مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کر دیا مگر روشنی ناکافی تھی۔ "سنو نوین بیٹے!" اس نے لڑکے کو پکارا۔ "اب میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم باہر آ جاؤ میں تمہیں گھر لے چلوں گا۔۔۔ تمہاری ممی کے پاس۔"

○

پرکاش مہتا بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا۔ وہ ڈھنگ کی ملازمت بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ پکڑے جانے کے ڈر سے۔ ادھر ادھر الیکٹرک یا گیس کا کوئی چھوٹا موٹا کام پکڑ لیتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ افلاس کا شکار تھا۔ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ وہ سخت بے زار تھا۔

ایک سادھنا تھی جو اسے اس قسم کی زندگی سے نجات دلا سکتی تھی۔ اسے وہ کامیابی سے بلیک میل کر سکتا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں آ جاتا تو وہ ملک سے نکل بھاگنے کی سوچتا۔ وہ کوئی عام فوجی بھگوڑا ہوتا تو اب تک نکل بھی لیا ہوتا مگر پروفیسر اشیش کے بچوں کے مرڈر کیس کے اہم ترین گواہ کی حیثیت سے اس کی شہرت ہو چکی تھی۔ اسے با آسانی پہچانا جا سکتا تھا۔

اب وہ خود کو دوبارہ مقدمے میں ملوث نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلی بار مقدمے کے دوران میں وکیل استغاثہ نے جو کہا تھا' وہ اسے اب بھی یاد تھا۔ اس نے کہا تھا۔ "بات صرف ناخوش گوار اور نا آسودہ ازدواجی زندگی کی نہیں۔ ملزمہ محبت میں گرفتار تھی۔ وہ بہت پرکشش عورت ہے۔ 18 سال کی عمر میں اس کی شادی ایک بڑی عمر کے آدمی سے ہو گئی۔ اس پڑھے لکھے شخص کے ساتھ ازدواجی زندگی بہت سی عورتوں کیلئے قابل رشک ہو گی مگر سوال یہ ہے کہ کیا سادھنا اشیش مطمئن تھی؟ جی نہیں' وہ مطمئن نہیں تھی۔ پروفیسر کا شاگرد گیس کے چولہے کی مرمت کیلئے اس کے گھر آیا تو وہ اس پر ریجھ گئی۔ شوہر کو بھول گئی اور شوہر بھی وہ جو اس کے چولہے کے معاملے میں چند گھنٹوں کی پریشانی بھی برداشت نہ کر سکا۔ خیر۔۔۔ تو سادھنا جی نے اس لڑکے کی پیش قدمی کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ وہ یہاں سے نکلنا چاہتی ہے اور لڑکے نے بچوں کا

حوالہ دے کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے کہہ دیا کہ وہ بچوں کا گلا گھونٹ دے گی۔ اب می لارڈ۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ پرکاش مہتا جیسا جوان آدمی چند بوسوں سے بہل سکتا ہے جبکہ ایک جوان اور خوب صورت عورت پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی آغوش میں گرنے کیلئے تیار ہے۔ وہ اس نعمت کو کیسے ٹھکرا سکتا ہے۔"

یہ وہ موقع تھا کہ پرکاش کو اپنی خراب پوزیشن کا پہلی بار احساس ہوا۔ یہ وکیل استغاثہ کسی بھی وقت اسے سادھنا کے ساتھ شریک جرم کی حیثیت سے ملوث کر سکتا ہے۔ صرف اس لیے کہ جس وقت سادھنا نے چولہے کی شکایت کیلئے اپنے شوہر کو فون کیا تو وہ اس کے کمرے میں موجود تھا اور وہ ایسا نہیں تھا کہ اپنی خدمات یوں رضاکارانہ پیش کرتا پھرتا ہو مگر اس نے کچھ لڑکوں سے سن رکھا تھا کہ پروفیسر کی بیوی بہت کم عمر اور بہت خوبصورت ہے۔ اس نے سوچا' اس پر ڈورے ڈال کر دیکھے۔

اور اس نے جا کر دیکھا تو قائل ہو گیا۔ سادھنا تو کسی ماہر سنگ تراش کے تراشے ہوئے خوب صورت مجسمے سے بھی حسین تھی۔ وہ وہاں دوپہر کے قریب پہنچا۔ سادھنا اپنے بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی۔ اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

پرکاش مہتا لڑکیوں کے معاملے میں بہت تجربہ کار تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ سادھنا تک پہنچنے کا راستہ صرف اور صرف اس کے بچے ہیں۔ چنانچہ اس نے بچوں پر توجہ مرکوز کی۔۔۔ اور دو منٹ میں انہیں رام کر لیا۔ وہ ہنسنے چہکنے لگے۔ چولہے میں کوئی بڑی گڑبڑ نہیں تھی مگر اس نے جان بوجھ کر کام بڑھا دیا۔۔۔ اور ایک پرزے کا پیچ بھی ڈال دیا۔

پہلے دن وہ زیادہ دیر نہیں رکا۔ وہ پروفیسر کو شک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آفس گیا اور اسے پرزے کی ضرورت کے متعلق بتایا۔ پروفیسر اس کے جھانسے میں آ گیا۔ چنانچہ وہ اگلے روز بھی اس کے گھر پہنچ گیا۔ اور اس سے اگلے روز بھی۔ اس نے سادھنا سے بات چیت شروع کر دی۔ سادھنا نے اسے بتایا کہ اس کی ماں کی موت کے بعد اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا؟ لیکن اب میں بہتر ہو رہی ہوں مگر یہ بات میرے شوہر کو معلوم نہیں۔ انہیں پتا چلے گا تو وہ بہت ناراض ہوں گے لیکن سچ یہ ہے کہ میں ان دواؤں کے بغیر خود کو زیادہ بہتر محسوس کرتی ہوں۔"

پرکاش کو اندازہ ہو گیا کہ سادھنا کو اپنے شوہر سے کوئی خاص لگاؤ نہیں بلکہ وہ اس سے بور ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے دانہ ڈالا۔ اس نے کہا۔ "آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ آپ کتنی حسین ہیں۔"

اس پر سادھنا کا چہرہ تمتما اٹھا تھا مگر وہ کچھ بولی نہیں۔

"آپ باہر نکلا کریں نا۔ لوگوں سے ملیں جلیں' فریش ہو جائیں گی۔"

"میرے پتی اتنے تھک جاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتے بلکہ ان کو کسی کا آنا بھی اچھا نہیں لگتا۔"

"مگر اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟"

سادھنا خاموش رہی لیکن اس کے چہرے کا تاثر بتاتا تھا کہ وہ بھی یہی سوچ رہی ہے۔

اس لمحے پرکاش کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ تنہائی کی ستائی ہوئی اس حسین عورت کو ہاتھ صاف کر سکتا ہے۔۔۔ اور اس نے پیش قدمی کی تھی۔

جس صبح پروفیسر اشیش کے بچے غائب ہوئے' اس صبح پرکاش ایک کلاس میں تھا جس میں صرف چھ طالب علم تھے۔ یعنی اس کے پاس وقت واردات پر اپنے کہیں اور ہونے کا ٹھوس ثبوت موجود تھا لیکن وکیل استغاثہ نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ اس کے باوجود وہ شریک جرم ثابت ہو سکتا ہے اور پھر عدالت میں وکیل استغاثہ کے بیان نے اسے دہلا دیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ شریک جرم کی حیثیت سے ملوث کر دیا جائے گا۔ ایسے میں اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ شہر چھوڑ کر فرار ہو جائے۔

جس روز اس نے شہر چھوڑا' اس روز اسے فوج سے بلاوے کا خط بھی موصول ہوا تھا۔ کچھ دیر کو اس نے سوچا کہ چلا جائے تو جان چھوٹ جائے گی۔ لیکن فوراً ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یوں تو وہ پکا پھنس جائے گا۔ فوجی بھگوڑا بننا مرجانے کے مقابلے میں بہرحال بہتر تھا۔

اسے اخبارات سے پتہ چلا کہ عدالت نے سادھنا کو سزائے موت سنائی ہے۔۔۔ اور پھر پروفیسر اشیش کی خودکشی کی خبر اخبارات میں چھپی۔ اس نے اپنی کار اس نہر

کے کنارے چھوڑی تھی جس میں سے اس کے بچوں کی لاشیں برآمد ہوئی تھیں اور اس نے رقعہ چھوڑا تھا۔"یہ سب میرا قصور ہے میں اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتا تھا کہ میں نے سوچا' میں اسے ٹھیک کر دوں گا لیکن میں غلطی پر تھا۔ اس کے نتیجے میں میرے بچے زندگی سے محروم ہو گئے۔ ساوھنا سے میری التجا ہے کہ مجھے معاف کر دے۔۔۔ اشیش۔"

پھر ایک معجزہ رونما ہوا۔ ساوھنا کے خلاف جن دو عورتوں نے گواہی دی تھی ان کو کسی نے آپس میں گفتگو کرتے سنا جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ ساوھنا کو ناپسند کرتی تھیں اسی لیے انہوں نے اس کے خلاف بڑھا چڑھا کر بیان دیے۔ ساوھنا کا وکیل اس گواہ کو اپیل میں لے گیا۔ مقدمے کی پوری کارروائی جانبدارانہ قرار دے کر کالعدم قرار دے دی گئی۔ دوبارہ مقدمہ اس لیے نہیں چلایا جا سکا کہ اب وہی اہم ترین گواہ تھا۔۔۔ اور وہ روپوش ہو گیا تھا۔ یوں ساوھنا سزائے موت سے بچ گئی۔

اس معاملے میں ایک بات پرکاش کو پریشان کرتی تھی۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ساوھنا قتل کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ وہ ہرگز قاتل نہیں ہے۔ وہ بے چاری تو عدالت میں بھی خود کو بچانے کی کوشش نہیں کر رہی تھی اور پروفیسر اشیش نے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ اس نے گواہی دیتے ہوئے کہا تھا۔۔۔ ساوھنا بہت اچھی ماں ہے مگر اس کا لہجہ' اس کا انداز اس کے بیان کی نفی کر رہا تھا۔

مقدمے کی سماعت کے دوران میں ہی یہ بات سامنے آئی تھی کہ ساوھنا کی ماں نے اس کیلئے بینک میں ایک تگڑی رقم چھوڑی ہے۔ درحقیقت اس کے پالنٹ باپ نے ان کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے مالی منصوبہ بندی کی تھی۔ سو ساوھنا اب کروڑ پتی تو نہیں تھی لیکن اسے زندگی بھر کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔ اور بے چارہ پرکاش مہتا روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر رہا تھا۔ اسے ڈھنگ کے کپڑے بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ تنہائی الگ ستاتی تھی۔ وہ صنف نازک کی قربت کو ترس گیا تھا۔ اسے بار بار خیال آتا کہ وہ ساوھنا سے رقم اینٹھ سکتا ہے مگر اخبارات کے مطابق ساوھنا کا کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔

پھر ایک دن قسمت اس پر مہربان ہو گئی۔ وہ ایک بنگلے میں الیکٹرک کا کام کر رہا

تھا۔ بنگلے کا مالک اپنے ایک دوست کے ساتھ برابر والے کمرے میں گفتگو کر رہا تھا۔ ساوھنا کا نام سن کر پرکاش کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ غور سے سنتا رہا۔ بنگلے کا مالک گرمیوں میں دار جلنگ گیا تھا۔ وہ اپنے دوست کو بتا رہا تھا کہ وہاں اس نے بچوں کے قتل میں ملوث ساوھنا کو دیکھا تھا۔ وہ وہاں رین بو اسٹیٹ ایجنسی کے مالک اجیت پال سے شادی کر چکی تھی۔۔۔ اور اس سے اس کے دو بچے بھی تھے۔ دوست نے شک کا اظہار کیا کہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر بنگلے کے مالک نے کہا کہ اسے پورا یقین ہے کہ وہ وہی ساوھنا تھی۔ اب تو پرکاش کے لئے راستہ کھل گیا لیکن دار جلنگ جانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ اس کیلئے اسے چوری کرنا پڑی۔ اس کیلئے ایک تو اس نے بنگلے پر ہی ہاتھ صاف کیا پھر اس نے ایک سرخ مورس بھی اڑا لی۔ اب وہ دار جلنگ جا سکتا تھا۔

پرکاش سب کچھ طے کر چکا تھا۔ وہ ساوھنا کو پیش کش کرے گا کہ اس پر دوبارہ مقدمہ بھی چلا تو وہ اپنی گواہی بدل دے گا۔ اول تو وہ ملک ہی چھوڑ جائے گا اور ساوھنا ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے گی۔ اس کیلئے اسے پانچ لاکھ روپے دینے ہوں گے۔

پرکاش نے اپنی داڑھی صاف کر دی اور بال چھوٹے کرا لیے پھر وہ دار جلنگ پہنچ گیا۔ دار جلنگ پہنچ کر اس نے نقشے کی مدد سے ساوھنا کا گھر تلاش کیا۔ اس کی لوکیشن اس کیلئے بہت مناسب تھی۔ ایک راستہ جنگل کی طرف سے بھی وہاں جاتا تھا۔ وہ اس کے لیے بہت مناسب تھا لیکن پیٹرول پمپ پر اس سے چوک ہو گئی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اٹینڈنٹ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ برف باری دیکھنے کیلئے آیا ہے۔ بس یہاں وہ غیر محتاط ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "میں یہاں ایک ایسے شخص سے ملنے آیا ہوں جو مجھے دیکھ کر بالکل خوش نہیں ہو گا۔"

وہ پونے دس بجے اس علاقے میں داخل ہوا۔ وہ جنگل سے گزر کر کچی سڑک پر پہنچا۔ اس وقت مخالف سمت سے ایک پرانی اسٹیشن ویگن اسے آتی نظر آئی۔

اس نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے راستہ دیا۔ پھر وہ کچی سڑک سے گزر کر ساوھنا کے مکان تک پہنچ گیا مگر اسی لمحے ساوھنا گھر سے نکلی۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے جھیل تک گیا۔ ساوھنا جھیل میں اتری مگر

چند لمحے بعد واپس آئی اور کنارے پر ڈھیر ہو گئی۔ پرکاش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چکر کیا ہے اور وہ اس چکر میں پڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے احساس تھا کہ سادھنا اسے دیکھ رہی ہے مگر اس کی نظروں کے خالی پن کو دیکھتے ہوئے اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے' پہچاننا تو دور کی بات ہے۔

وہ واپس چل دیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی موٹیل میں ٹھہرے گا اور سادھنا سے اگلے روز ملے گا۔

اس نے موٹیل میں کمرا لیا--- اور فوراً ہی سو گیا۔ سہ پہر میں وہ جاگا۔ اس نے کمرے میں موجود ٹی وی آن کیا تو سب سے پہلے اسے اپنی ہی تصویر نظر آئی۔ وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اس نے خبر سنی اور اپنی حماقت پر خود کو کوستا رہا۔ پولیس کو اس کی یہاں موجودگی کا علم ہو گیا تھا اور جب اسے سادھنا کے بچوں کی گمشدگی کا علم ہوا تو وہ پاگل ہی ہو گیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بری طرح پھنس گیا ہے۔ داڑھی صاف کر کے اور بال چھوٹے کرا کے وہ ویسے ہی سات سال پہلے والا پرکاش لگ رہا تھا۔ داڑھی صاف کرتے وقت اس نے یہ سوچا بھی نہیں تھا وہ تو خود کو سوبر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچوں جیسے حلیے میں پولیس اسے پریشان کر سکتی تھی مگر وہ احتیاط اب گلے پڑ گئی تھی۔

اب اگر حقیقت یہ ہے کہ سادھنا ہی نے اپنے ان بچوں کو ختم کر دیا ہے تو کون مانے گا کہ وہ اس میں ملوث نہیں۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں اور شاید یہ اسی وقت ہوا ہو گا جب وہ وہاں پہنچا تھا۔ اسے اس پرانی اسٹیشن ویگن کا خیال آیا جو اسے سڑک پر ملی تھی۔ وہ کچی سڑک سے ہی آ رہی تھی--- اور اس سڑک پر صرف سادھنا ہی کا گھر تھا۔ اس نے اس کے ڈرائیور کے متعلق یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے سوا کچھ یاد نہیں آیا کہ وہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا اس لیے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔

پرکاش مہتا کی بقا کی جبلت اسے بتا رہی تھی کہ اب سرخ مورس اس کیلئے مخدوش ہے۔ علاقے میں موجود پولیس اس کی تلاش میں ہو گی اور اس نے یہ بھی سمجھ لیا کہ اسے جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہیے۔ اس نے اپنی چیزیں بیگ

میں رکھیں اور چپکے سے موٹیل سے نکل آیا۔ اس کی کار کے برابر ایک فوکس ویگن کھڑی تھی۔ اس نے اس کا بونٹ کھولا' چند تار ملائے۔ اس کے بعد گاڑی اسٹارٹ کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

چھ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ پولیس کی کھڑی ہوئی ایک رکاوٹ پر پہنچا اور تیس سیکنڈ بعد اسے عقب نما آئینے میں اپنے پیچھے پولیس کی ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ گاڑی کی چھت پر سرخ روشنی جل بجھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ خود کو پولیس کے حوالے کر دے لیکن دہرے خوف نے اسے مزاحمت پر مجبور کر دیا۔ اسے تو فوج سے فرار بھی بھگتنا تھا۔ نہیں--- پکڑے جانا کسی بھی اعتبار سے اس کیلئے اچھا نہیں تھا۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا' اپنا سوٹ کیس ایکسیلریٹر پر رکھا اور کار سے کود گیا۔ وہ جنگل میں گھس ہی رہا تھا کہ تعاقب کرنے والی پولیس کار موڑ کاٹ کر سامنے آئی۔ وہ سائرن بجاتی ہوئی فوکس ویگن کے تعاقب میں دوڑتی چلی گئی۔

○

نوین سمجھتا تھا کہ اگر اسے بچ کر نکلنا ہے تو آواز پیدا کرنے سے۔۔۔ اپنے قدموں کی آہٹ سے بچنا ہو گا۔ اسے وہ دن یاد تھا جب ممی نے قالین اٹھوایا تھا تو انہوں نے کہا تھا۔ "اب نیا قالین آنے تک تم بچوں کو ایک نیا کھیل کھیلنا ہو گا۔ اس کھیل کا نام ہے "تمیز سے چلنا۔" سو وہ اور اری وہ کھیل کھیلنے لگے۔ اس میں انہیں پنجوں کے بل چلنا ہوتا تھا۔۔۔ دبے قدموں۔۔۔ کوئی آواز پیدا کئے بغیر۔ انہوں نے اس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ وہ ایک دوسرے کو ڈرانے لگے۔ ایک کو دوسرے کی آمد کا پتا ہی نہیں چلتا تھا بلکہ وہ ممی کے بھی پیچھے پہنچ جاتے تھے اور وہ بے خبر رہتی تھیں۔

اب۔۔۔ یہاں بھی اسے وہی کھیل کھیلنا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا نکلا اور سیڑھیاں اتر کر پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ اسے اس مکان سے نکلنا تھا اور ارملا کو بچانے کیلئے ڈیڈی کو لے کر آنا تھا۔

نیچے پہنچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا پھر وہ کچن کی طرف لپک لیا۔ وہاں دروازہ تھا۔ وہ اس کی طرف جھپٹا۔ وہ اس کا ہینڈل گھمانے ہی والا تھا کہ اسے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کے گھٹنے کانپنے لگے۔ اس نے جلدی سے ہاتھ ہینڈل سے ہٹا لیا۔ اگر دروازہ پھنس گیا۔۔۔ نہیں کھلا تو برا آدمی اسے پکڑ لے گا۔ یہ سوچ کر وہ کچن سے دبے پاؤں نکلا اور عقبی کمرے میں چلا گیا۔

کچن میں لائٹ آن ہوئی مگر اگلے ہی لمحے اندھیرا ہو گیا۔ نوین صوفے کے پیچھے دبک گیا۔ کمرے میں پتا نہیں کب سے صفائی نہیں ہوئی تھی۔ گرد کے ذرات اس کی

ناک میں گھسے تو ناک میں سرسراہٹ ہونے لگی لیکن وہ جانتا تھا کہ چھینکنا اس کیلئے خطرناک ہے۔ وہ فوراً ہی پکڑ لیا جائے گا۔

ایک لمحے بعد کچن میں روشنی ہوئی۔ برے آدمی نے لیمپ جلا لیا تھا۔ پھر اس نے پکارا۔ "نوین بیٹے' میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔۔۔ باہر آ جاؤں۔"

بنواری لال فوراً ہی واپس جانے کے موڈ میں تھا مگر اچانک ہی اسے ڈپریشن کا احساس ہونے لگا پھر سر میں درد بھی شروع ہو گیا۔ ایسے میں پانچ گھنٹے کی ڈرائیو اسے ناممکن لگنے لگی۔ اوپر سے موسم اتنا خراب تھا پھر گھنشام کے دکھ نے بھی اسے بے چین کر دیا تھا۔ گھنشام نے اپنے بٹوے میں سے اسے بچوں کی ایک تصویر نکال کر دکھائی تھی۔ بلاشبہ دونوں بچے بہت خوبصورت تھے اور انہیں کسی نے اغوا کر لیا تھا۔ یہ خیال ہی بنواری لال کیلئے اذیت ناک تھا۔

اسے ایک اچھا ریسٹورنٹ نظر آیا تو اس نے گاڑی روک دی۔ اس نے سوچا کیوں نہ ڈھنگ سے کھانا ہی کھا لے۔ ساتھ ہی وہ وہاں پوچھ گچھ بھی کرے گا کہ ریسٹورنٹ کیسا چلتا ہے۔ آخر وہ بھی تو اس علاقے میں یہی بزنس کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

وہ سیدھا بار کی طرف چلا گیا۔ ریسٹورنٹ میں اس وقت کوئی گاہک موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک جام طلب کیا۔ بارمین نے جام اس کے سامنے رکھا تو اس نے پوچھا۔ "کچھ کھانے کو بھی مل سکے گا؟"

"کیوں نہیں سر!"

بنواری لال کو بارمین کا لہجہ اچھا لگا۔ وہ یقیناً اچھا ملازم تھا۔ بار بھی اس نے صاف ستھرا رکھا تھا۔

"ہمارے ہاں ڈھائی سے پانچ بجے تک کچن بند رہتا ہے۔" بارمین نے کہا۔

"لیکن آپ اگر یہیں کھانا چاہیں تو۔۔۔"

"کیوں نہیں۔" بنواری لال نے جلدی سے کہا۔ "کیا مل سکتا ہے؟"

"کباب اور بریانی موجود ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" بنواری لال ڈپریشن دور کرنے لگا۔ "تم اچھا کام کرتے ہو۔"

"میرا اصول ہے کہ کام سلیقے اور محبت سے کرنا چاہیے۔" بارمین نے کہا۔

"میں بھی اسی بزنس میں ہوں۔" بنواری لال نے کہا۔ "یہ آگے شانتی ہاؤس ہے نا' میں اسے خریدنے کا سوچ رہا ہوں۔ وہاں ہوٹل اور ریسٹورنٹ کیسا چلے گا۔"

بارمین نے چند لمحے سوچا جیسے شانتی ہاؤس کی لوکیشن سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

"وہ تو بڑے بزنس کی جگہ ہے۔" اس نے کہا۔ "اچھا ماحول' اچھا کھانا' اچھی شراب اور اچھی سروس ہو تو کامیابی یقینی ہے۔ آپ مہنگا بھی دیں گے تو لوگ آئیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کے ساتھ جھیل کا کنارہ بھی ملے گا۔ بوٹنگ، کلب بھی بنایا جا سکتا ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے مگر وہ جو ٹاپ فلور پر مصیبت رہتی ہے اس سے پیچھا چھڑا لیجیے گا۔"

"میں بھی اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ عجیب سا آدمی ہے۔"

"وہ ہر سال یہاں مچھلی کے شکار کیلئے آتا ہے۔ یہ بات میں نے اجیت کے منہ سے سنی تھی۔ یہ اجیت پال بہت اچھا آدمی ہے۔ اسی کے تو بچے کھوئے ہیں آج۔"

"ہاں— میں نے بھی سنا تھا۔"

"بہت پیارے بچے ہیں۔ ہاں— میں کہہ رہا تھا کہ ابھی چند ہفتے پہلے وہ کرائے دار ایک دن یہاں آیا— کچھ پینے کیلئے۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔ دیکھتا رہتا ہوں نا۔ تو میں نے یونہی بات کرنے کی غرض سے کہا کہ آپ یہاں ستمبر میں آئیں۔ ان دنوں یہاں بڑا مال ہوتا ہے پانی میں۔ پتا ہے' اس احمق نے کیا کہا۔"

بنواری لال نے کھاتے ہوئے ہاتھ روک لیا اور اسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"وہ میری بات سمجھا ہی نہیں۔ بولا— مجھے مال میں کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ بتائیں' کوئی شخص جو ہر سال مچھلی کا شکار کھیلنے یہاں آتا ہو وہ بھلا میری بات نہیں سمجھے گا مگر وہ سمجھا ہی نہیں کہ میں مچھلیوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ ظاہر ضرور کرتا ہے لیکن اسے مچھلی کے شکار میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

بنواری لال نے کھانا ختم کیا۔ اب وہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ وہ شانتی ہاؤس کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ مکان اسے ہر اعتبار سے بہت پسند آیا تھا۔ بس جسونت کے اپارٹمنٹ میں اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا— اچھا نہیں لگا۔

اس نے بل ادا کیا اور کوٹ کے کالر اوپر کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے وہ گھر واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اندر ایک تحریک تھی جو اسے دوبارہ شانتی ہاؤس جانے پر اکسا رہی تھی۔

جسونت نروس تھا۔ وہ اس سے اور گھنشام سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا— اور وہ دوربین! جسونت نے اس کا رخ تبدیل کر دیا تھا لیکن اس نے اسے دوبارہ وہیں سیٹ کر کے دیکھا تھا۔ اسے ایک مکان نظر آیا تھا جہاں پولیس کی بے شمار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہی یقیناً اجیت کا گھر تھا اور وہ دوربین کتنی طاقت ور تھی۔ جسونت اس کی مدد سے دوسروں کے گھروں میں جھانکتا تھا۔

ممکن ہے جس وقت بچے غائب ہوئے ہوں' جسونت نے دوربین سے انہیں دیکھا ہو۔ ممکن ہے' اس نے اغوا کرنے والے کو دیکھا ہو لیکن ایسا ہوتا تو وہ یقیناً پولیس کو اطلاع دیتا۔ بنواری لال سوچے جا رہا تھا۔

اس نے سگریٹ نکالی اور لائٹر کی مدد سے سلگا لی۔ کھانے کے بعد سگریٹ کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اس کے ذہن میں شکوک سرسرا رہے تھے۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟ پولیس کو فون کرے اور کہے کہ وہ شخص نروس تھا لہٰذا وہ اسے چیک کریں اور اگر پولیس چیک کرے تو جسونت کہے گا— جس وقت وہ لوگ آئے' میں نہانے جا رہا تھا۔ مجھے اس

طرح ڈسٹرکب کیے جانا اچھا نہیں لگا۔۔ اور یہ معقول جواب ہو گا۔

اس پر بخواری لال کو ربری بلخ کا خیال آ گیا جسے اس نے باتھ ٹب میں تیرتے دیکھا تھا اور بے بی پاؤڈر کی خوشبو جو وہاں پھیلی ہوئی تھی۔

اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے لائٹر نکالا اور اسے گلووز کمپارٹمنٹ میں چھپا دیا۔ اب وہ شانتی ہاؤس جائے گا۔ کہے گا کہ اس کا سونے کا لائٹر یہاں کہیں گر گیا ہے۔ وہ اسے ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ یہ شانتی ہاؤس میں گھسنے کا معقول بہانہ تھا۔ وہ مکان کا جائزہ لیتا یا تو اس کا شبہ بے بنیاد ثابت ہو جاتا یا اور قوی ہو جاتا۔ اس صورت میں وہ پولیس کو مطلع کر دیتا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور شانتی ہاؤس کی طرف چل دیا۔

○

وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ماضی میں جانا اس کیلئے بے حد اذیت ناک تھا لیکن سوالات اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ وہ اشیش کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔۔ ممی کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور اسے جواب دینا تھا۔ اس کے بغیر وہ سوالات سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔

اسے اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی ڈرامہ دیکھ رہی ہو۔ ممی ریسٹورنٹ میں۔۔ تبھی اس نے آخری بار انہیں دیکھا تھا۔۔ ممی کے چہرے پر پریشانی تھی۔ وہ کبھی اسے دیکھتی تھیں اور کبھی اشیش کو۔

"یہ لباس تم نے کہاں سے لیا سادھنا؟" ممی نے پوچھا۔

اسے اندازہ ہو گیا کہ لباس ممی کو پسند نہیں آیا ہے۔ وہ سفید لباس تھا۔

"اشیش نے پسند کیا تھا میرے لیے۔ آپ کو اچھا لگا؟"

"کچھ بچکانا ہے۔ چھوٹی بچیوں پر اچھا لگ سکتا ہے۔"

پھر ممی اٹھ گئیں۔ انہیں فون کرنا تھا۔۔ شاید ڈاکٹر ایشور لال کو۔ ممی ڈاکٹر ایشور لال سے بہت متاثر تھیں۔ خطوں سے ہی اندازہ ہوتا تھا اور وہ خوش بھی تھیں اور وہ انہیں خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔ کاش، یہ تھکن کا احساس دور ہو جائے۔ شاید

اس نے یہ بات اشیش سے بھی کہی تھی۔

اشیش اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ابھی آتا ہوں ننھی بچی۔"

اور اسی وقت ممی آ گئیں۔ "سادھنا۔۔ میں اور تم کل بات کریں گے۔ یہ ضروری ہے اور ہاں۔۔ تنہائی میں۔۔ اشیش کی موجودگی میں نہیں۔ میں تمہیں پک کر لوں گی۔ ہم ناشتہ ساتھ ہی کریں گے۔"

پھر فون آیا۔ "ایک افسوس ناک حادثہ ہو گیا۔ اسٹیئرنگ میں گڑبڑ کی وجہ سے۔۔"

"غم نہ کرو میں تمہارا خیال رکھوں گا تمہاری نگہداشت کروں گا ننھی بچی۔" اشیش کہہ رہا تھا۔

پھر چتا جلائی جا رہی تھی پھر وہ اشیش کے ساتھ پھیرے لے رہی تھی۔ وہ وہی سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ بچکانا جو اشیش نے پسند کیا تھا لیکن اس کے کندھے پر گریس کا دھبا تھا۔ "اشیش۔۔ یہ میرے کپڑوں پر گریس کا دھبہ کیسے لگ گیا۔" یہ تو بس میں نے اس روز پہنا تھا۔۔ ممی سے ملنے کیلئے۔"

"کوئی بات نہیں صاف ہو جائے گا۔ فکر مت کرو۔" اشیش کے مانوس ہاتھ اپنے مخصوص انداز میں اس کے کندھوں کو تھپک رہے تھے۔

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ وہ چلائی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو سادھنا؟" سوال کرنے والی آواز پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔ مجھے یقین نہیں۔ میں خوف زدہ ہوں۔"

"اشیش سے خوف زدہ ہو؟"

"نہیں۔ وہ تو بہت اچھے ہیں۔ وہ مجھے دوا دیتے ہیں۔ بچے بھی کبھی کبھی۔۔ اشیش بہت اچھے تھے۔"

"کیا اشیش کا برتاؤ بچوں کے ساتھ بہت اچھا تھا؟"

"وہ بچوں کو فرماں بردار دیکھنا چاہتے تھے۔ سبھاش ان سے ڈرتا تھا۔۔ تبلا بھی، وہ کہتے تھے۔۔ واہ۔۔ ننھی بچی کی بھی ایک بہت ننھی بچی ہے۔"

"یہ کہتا تھا اشیش؟"

"ہاں۔۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ مجھے کھانے کے بعد دوا نہیں لینی چاہیے۔ میں بہت تھک جاتی ہوں۔ میں کہیں دور چلی جانا چاہتی ہوں۔"

"اشیش سے؟"

"میں بیمار نہیں ہوں۔ اشیش بیمار ہیں۔"

"کیا بیماری ہے اشیش کو؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"سادھنا' ہمیں اس دن کے بارے میں بتاؤ جب تمہارے بچے غائب ہوئے تھے۔۔ سبھاش اور تلجا۔"

"اشیش بہت خفا ہیں۔"

"کیوں؟ وجہ کیا ہے؟"

"انہوں نے مجھے دوا لینے کے بجائے ضائع کرتے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے مجھے زبردستی زیادہ دوا پلا دی ہے۔ میں سوئی سوئی سی ہوں۔ تلجا رو رہی ہے۔ اشیش اس کے پاس۔۔ اشیش نے اسے مارا ہے۔۔ کہتے ہیں' اس نے بستر میں پیشاب کیا ہے۔ مجھے اس کو لے جانا ہے۔ صبح میرا برتھ ڈے ہے۔"

"سادھنا' تمہیں اشیش سے محبت نہیں تھی؟"

"مجھے کرنی چاہیے لیکن تلجا بہت چپ چپ ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم برتھ ڈے کیک لائیں گے۔ میں دونوں بچوں کو لے کر نکلی ہوں ہم نے موم بتیاں خریدی ہیں۔۔ کیک کیلئے۔ بارش ہو رہی ہے۔ تلجا کی طبیعت بگڑ رہی ہو گی۔"

"اشیش اس روز یونیورسٹی گیا تھا؟"

"ہاں انہوں نے فون کیا میں نے بتایا کہ ہم بازار جائیں گے اور راستے میں' میں تلجا کو ڈاکٹر کو دکھاؤں گی۔ مجھے اس کی بڑی فکر ہے۔ اشیش کے پوچھنے پر میں نے بتایا ہے کہ ہم گیارہ بجے بازار جائیں گے۔ ٹی وی پر بچوں کا پسندیدہ پروگرام دیکھنے کے بعد۔"

"تم نے تلجا کے متعلق پریشانی کا اظہار کیا تو اشیش نے کیا کہا؟"

"انہوں نے کہا موسم خراب ہے آج تلجا کا باہر جانا ٹھیک نہیں۔ میں نے کہا'

میں شاپنگ کروں گی تو انہیں کار میں ہی چھوڑ دوں گی۔ وہ ضد کر رہے ہیں کہ میں گھر پر ہی کیک بناؤں۔ وہ میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ بے چارے بچے۔۔ انہیں خوش ہونے کا۔۔ ہنسنے کھیلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ مجھے اشیش کو شروع ہی میں ان پر سختی سے روکنا چاہیے تھا۔ یہ میرا قصور ہے۔ پرکاش آتا ہے تو بچے کتنا خوش رہتے ہیں۔۔ خوب ہنستے بولتے ہیں۔"

"سادھنا' تمہیں پرکاش سے محبت ہو گئی تھی؟"

"نہیں میں تو جیسے پنجرے میں قید تھی۔ کسی سے بات کرنے کو بھی ترس گئی تھی۔ پرکاش آیا تو اس سے بات کرنے لگی۔ جو کچھ پرکاش نے کہا' حقیقت وہ نہیں تھی۔۔ حقیقت وہ نہیں تھی۔ بات میں نے کہی مگر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔" اس کی آواز بتدریج بلند ہونے لگی۔

ایشور لالؒ کا لہجہ تسلی دینے والا۔۔ تھپکی دینے والا تھا۔ "پھر تم گیارہ بجے بچوں کو بازار لے گئیں؟"

"ہاں۔۔ میں نے اسٹور کے باہر گاڑی کھڑی کی۔ بچوں سے کہا کہ وہ گاڑی میں ہی بیٹھے رہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ بیٹھے رہیں گے۔ بہت پیارے بچے تھے وہ۔۔ بس پھر اس کے بعد میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔۔ کبھی نہیں۔"

"تم اسٹور میں کتنی دیر رہی تھیں؟"

"زیادہ دیر نہیں۔ مشکل سے دس منٹ پھر میں باہر آئی۔ بچے کار میں موجود نہیں تھے۔" اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔۔ حیرت تھی۔

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچا' ممکن ہے وہ میرے لیے تحفے خریدنے نکلے ہوں۔ سبھاش کے پاس پیسے تھے۔ میں نے انہیں ادھر ادھر دکانوں میں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں ملے۔"

"تم نے کسی سے پوچھا بچوں کے بارے میں؟"

"نہیں میں نہیں چاہتی تھی کہ اشیش کو پتا چلے۔ انہیں پتہ چلے گا تو وہ ناراض ہوں گے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ بچوں کو سزا دیں اور مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تلجا

نے بستر میں پیشاب نہیں کیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"بستر تو بالکل سوکھا تھا تو پھر اشیش نے کیوں مارا۔ کیوں رلایا؟ خیر— کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بچے تو اب ہیں ہی نہیں۔ سبھاش بھی غائب ہے— اور تلجا بھی۔ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔"

"اچھا— آج کی بات کرو تم نے نوین اور ارملا کو ڈھونڈا؟"

"مجھے جھیل کی طرف جانا چاہیے۔ جلدی کرو— جلدی— پانی میں کچھ نظر آ رہا ہے۔ پانی میں کچھ ہے۔"

"کیا تھا سادھنا؟"

"کوئی سرخ سی چیز— شاید اری کا دستانہ— مجھے اس کو پکڑنا چاہیے۔ پانی بہت ٹھنڈا ہے ہاتھ بھی نہیں پہنچ رہا ہے۔ ارے— نہیں— یہ دستانہ نہیں ہے۔"

"تم نے کیا کیا؟"

"پانی سے باہر نکل آئی۔ کنارے پر گر گئی۔ وہاں وہ موجود تھا۔ جنگل میں۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔"

چیف دیال اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ ایشور لال نے اشارے سے اسے ٹھہرنے کو کہا۔ اس کے انداز میں تنبیہہ بھی تھی۔ "وہاں کون تھا سادھنا۔ بتاؤ ہمیں' کون تھا وہ؟"

"ایک شخص جسے میں جانتی ہوں وہ پرکاش مہتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔" سادھنا کی پلکیں بری طرح پھڑپھڑائیں۔

اجیت کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ گھنشام نے ایک گہری سانس لی۔ ایشور لال اٹھ کھڑا ہوا۔ "دوا کا اثر ختم ہو رہا ہے۔"

"ڈاکٹر— میں تم سے اور کرن دیوی سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" چیف دیال کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو اجیت—" ایشور لال کے لہجے میں تاکید تھی۔ "سادھنا اب کسی بھی لمحے جاگ سکتی ہے۔"

"ڈائننگ روم میں پہنچ کر چیف دیال ایشور لال اور کرن کی طرف مڑا۔

"ڈاکٹر— یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟"

"میں نہیں سمجھتا کہ اب سادھنا سے مزید پوچھ گچھ کی جا سکتی ہے۔" ایشور لال نے کہا۔

"اور ہمیں پتا کیا چلا۔ بس یہ کہ وہ اپنے پہلے شوہر سے خوف زدہ تھی اور یہ کہ آج صبح پرکاش مہتا جھیل پر موجود تھا۔ بس؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو تم نے توجہ سے نہیں سنا شاید یا تم سمجھ نہیں پائے۔" ایشور لال کے لہجے میں غصہ اور حیرت تھی۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی جو مجھے بچوں کی تلاش میں مدد دے سکے اور میں نے سنا کہ سادھنا دیوی اپنی ماں کی موت کا ذمے دار خود کو سمجھتی ہیں اور اپنے پہلے شوہر کے بارے میں اس کا رد عمل ہسٹریائی تھا۔"

"چیف— تمہیں پتا ہے پیڈوفیلیا کیا ہوتا ہے؟"

کرن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

ایشور لال نے چیف کو جواب دینے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "یہ ایک نفسیاتی اصطلاح ہے جو بچوں کے ساتھ جنسی اختلاط کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

"اس کا یہاں کیا تذکرہ؟"

"پوری طرح تو نہیں' مگر ہے۔ سادھنا کی شادی 18 برس کی عمر میں ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ دیکھنے میں وہ اور چھوٹی لگتی ہو گی۔ اسی لیے اشیش کمار نے اس سے شادی کی اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ سادھنا کو ایسی دوائیں استعمال کراتا رہا— وٹامن کے نام پر— جنہوں نے اس کی یادداشت پر برا اثر ڈالا اور وہ مضمحل رہنے لگی۔ سنو چیف' تم کسی طرح اشیش کمار کے بارے میں چھان بین کرو وہ بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے کا عادی رہا ہو گا۔"

چیف دیال نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جہاں سے برف گرتی دکھائی دے رہی تھی۔ "وہ معصوم بچے یا تو اس موسم میں باہر بھٹکتے ہوئے ٹھٹھر رہے ہیں یا پتا نہیں' کس طرح کے مجرم کے قبضے میں ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ ہی نہ ہوں۔ میرا پہلا فرض انہیں تلاش کرنا ہے اور تم مجھ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں چھان بین کیلئے کہہ رہے ہو جو مرچکا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ڈیوٹی پر موجود پولیس مین نے کال ریسیو کی۔ "میں ابھی چیف سے بات کراتا ہوں۔" اس نے کہا۔

چیف دیال تیزی سے فون کی طرف لپکا۔ ایشور لال اور کرن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چیف فون پر بات کر رہا تھا۔ "کتنی دیر پہلے؟ کہاں؟"

ایشور لال دل ہی دل میں بھگوان سے پرارتھنا کر رہا تھا کہ یہ خبر بچوں کے متعلق ہو۔۔۔ اور کوئی اچھی خبر ہو۔

چیف نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور ان کی طرف مڑا۔ "پرکاش مہتا آج صبح ساڑھے دس بجے دار جلنگ موٹیل پہنچا تھا۔" اس نے بتایا۔ "اس نے ایک اور گاڑی پر ہاتھ صاف کیا۔ وہ گاڑی ابھی کچھ دیر پہلے ایک کھائی میں گری ہے لیکن پرکاش بچ نکلا ہے۔ اسے تلاش کرنا ہے۔ میں اسی سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

چیف دیال کے جانے کے بعد بھی ایشور لال کھڑا سوچتا رہا۔ وہ سادھنا کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ وہ اس معاملے میں ملوث ہے۔ وہ تصور میں انورادھا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے فون کیا تھا اور اس کے بعد اشیش کمار کہیں چلا گیا تھا۔ وہ کہاں گیا تھا؟ کیا اس نے انورادھا کی باتیں سن لی تھیں؟ سادھنا نے کہا کہ اس کے لباس پر کندھے پر گریس کا دھبا تھا بلکہ اس نے بالواسطہ یہ کہا تھا کہ وہ دھبا اشیش کے ہاتھوں سے لگا ہو گا۔ اشیش اس کے کندھوں کو خاص انداز میں تھامنے کا عادی تھا۔ تو کیا اشیش نے انورادھا کی کار میں گڑبڑ کی تھی؟ لیکن کیوں؟ اسے کیا فائدہ ہو سکتا تھا اس سے؟ اور اب تو وہ اس دنیا میں نہیں تھا۔

○

ٹی وی پر پانچ بجے کی مقامی خبروں میں بچوں کی گمشدگی چھائی ہوئی تھی۔ سادھنا کے پہلے بچوں کی کلپس بھی دکھائی گئیں۔ پرکاش مہتا کو بھی عدالت سے نکلتے دکھایا گیا۔ پروفیسر اشیش کمار کو بھی دکھایا گیا۔ نیوز مین کہہ رہا تھا۔ "اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ پرکاش مہتا اس علاقے میں موجود ہے۔ اس کی تصویر آپ نے دیکھی اگر یہ شخص آپ کو کہیں نظر آئے یا آپ کے پاس کوئی ایسی معلومات ہوں جو بچوں کی گمشدگی سے متعلق ہوں تو فوراً پولیس سے رابطہ کریں۔ فون نمبر نوٹ کر لیں۔۔۔"

ریٹا اور جارج نے بجلی جاتے ہی اسٹور بند کر دیا تھا۔ وہ گھر پہنچے تو بیٹری سے چلنے والے چھوٹے سے ٹی وی پر انہوں نے خبریں دیکھیں۔ "یہ آدمی مجھے جانا پہچانا لگتا ہے۔" ریٹا نے تبصرہ کیا۔ "دیکھنے میں ہی اچھا نہیں لگتا۔"

جارج نے بیوی کو گھور کر دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ لڑکیوں میں بہت مقبول ہو گا۔"

"اوہ۔۔۔ تم شاید جوان آدمی کی بات کر رہے ہو۔" ریٹا نے کہا۔ "نہیں۔۔۔ میں اس پروفیسر کے متعلق کہہ رہی تھی۔"

"اسے کون اہمیت دے رہا ہے۔" جارج نے کہا۔ "اس نے تو خودکشی کر لی تھی۔ پولیس کی توجہ جوان آدمی پر ہے۔"

ریٹا ہونٹ کاٹنے لگی۔ "اچھا۔۔۔ خودکشی کر لی تھی۔ اوہ۔۔۔"

"اب تم کھانے کی فکر کرو۔"

"کھانے میں دیر نہیں لگے گی لیکن ان بچوں کا تصور کرتی ہوں تو کھانے کا خیال بھی برا لگتا ہے۔ خدا جانے کہاں ہوں گے بے چارے۔۔۔ ان کی مصیبت کے

سامنے ہمارے مسائل اور پریشانیاں کتنے چھوٹے لگتے ہیں۔"

"کیسی پریشانیاں؟"

"وہ۔۔۔ بات یہ ہے کہ۔۔۔" ریٹا ہچکچا رہی تھی۔ موسم گرما میں ہاتھ کی صفائی دکھانے والوں نے انہیں بہت پریشان کیا تھا۔ اس موضوع پر جب بھی بات کی جاتی' جارج اپ سیٹ ہو جاتا تھا مگر موسم سرما میں ہجوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ مسئلہ بھی نہیں ہوتا مگر آج صبح جسونت نے بے بی پاؤڈر کا ایک ڈبا پار کیا تھا۔ ریٹا کو اس بات کا یقین تھا۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

سوال یہ تھا کہ جسونت نے بے بی پاؤڈر کا ڈبہ کیوں چرایا؟ اسے بے بی پاؤڈر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ریٹا کو یہ سوال پریشان کر رہا تھا۔

○

وہیں ایک اور گھر بھی تھا جہاں پانچ بجے والی خبریں سنی جا رہی تھیں۔ یہ گھر اس علاقے میں تھا جہاں بجلی اب بھی موجود تھی۔ شرما اس وقت اپنے بچوں کے ساتھ شام کی چائے پی رہا تھا۔ اسی وقت ٹی وی اسکرین پر نوین اور ارملا کی تصویریں دکھائی گئیں۔ کومل شرما نے بلا ارادہ اپنے بچوں کی طرف دیکھا۔ اس کے چار بچے تھے۔۔۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ نوین اور ارملا کو دیکھ کر اس نے بے ساختہ بھگوان کو پکارا۔

"میرے بچوں کے ساتھ ایسا کچھ نہ ہونے دینا بھگوان۔"

"یہ تو بہت موٹا ہو گیا ہے۔" اچانک اس کے سب سے بڑے بیٹے انیل نے کہا۔

"کومل نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کون موٹا ہو گیا بیٹے؟"

"وہ آدمی۔۔۔ وہ جو سامنے نظر آ رہا ہے۔ اسی نے تو پچھلے مہینے مجھے پوسٹ آفس سے اپنا لیٹر لانے کے بدلے میں دس روپے انعام دیا تھا۔"

اس وقت ٹی وی پر پرکاش مہتا کو کورٹ سے نکلتے دکھایا جا رہا تھا۔ اشیش کمار اس کے آگے تھا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے انیل۔" کومل نے کہا۔ "اس بے چارے کو تو مرے ہوئے کئی برس ہو چکے ہیں۔"

انیل جھنجلا گیا۔ "آپ کبھی مجھ پر یقین نہیں کرتیں نا۔ یہ اب بہت موٹا ہو گیا ہے۔۔۔ اور اس کے بال اڑ گئے ہیں۔۔۔ یہ گنجا ہے۔ لیکن یہ وہی آدمی ہے۔"

نیوز مین کہہ رہا تھا۔ "آپ کے پاس کسی بھی قسم کی معلومات ہوں' خواہ وہ آپ کو غیر متعلق لگیں' بہتر ہے کہ پولیس کو اطلاع ضرور دیں۔۔۔"

"انیل' ٹی وی بند کر دو۔" شرما نے بیٹے سے کہا۔ "دیوا بتی کا وقت ہو رہا ہے۔"

لیکن پوجا کے دوران میں بھی کومل کا ذہن الجھا رہا۔ انہوں نے اپیل کی تھی کہ پولیس سے تعاون کیا جائے۔ بظاہر غیر متعلق لگنے والی معلومات بھی پولیس کی مدد کر سکتی ہیں۔ پوجا ختم ہوئی تو اس نے انیل سے پوچھا۔ "تمہارے پاس وہ دس روپے کا نوٹ اب بھی ہے جو تمہیں اس آدمی نے دیا تھا؟"

"جی ہاں میں نے اسے خرچ بھی نہیں کیا۔"

"اور وہ پتہ جو اس شخص نے دیا تھا۔"

"وہ بھی ہے میرے پاس۔"

"ذرا لے کر تو آؤ میں اس کا نام دیکھنا چاہتی ہوں۔" کومل نے بیٹے سے کہا۔

شرما اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ انیل کے جانے کے بعد اس نے کہا۔

"کومل۔۔۔ تم کس چکر میں پڑنا چاہتی ہو؟"

"پتہ نہیں میرے اعصاب پر بوجھ سا ہے۔" کومل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "ہم بچوں کی بات کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایسے میں بچوں میں خود اعتمادی کہاں سے آئے گی۔"

○

معاملات خراب رخ پر جا رہے تھے۔ پہلے تو وہ اسٹیٹ ایجنٹ نازل ہو گیا۔۔۔ خریدار کو لے کر پھر بچی کے جاگنے کا انتظار۔۔۔ اور اس کے بعد لڑکا ہاتھ سے نکل گیا اور ابھی تک چھپا ہوا ہے۔

جسونت کو خوشی کا جو احساس ہو رہا تھا وہ معدوم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ

جھنجلاہٹ نے لے لی تھی۔ لڑکا خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ اگر وہ فرار ہو گیا تو یہ تباہ کن ثابت ہو گا۔ اب تو بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کو فوراً ٹھکانے لگا دیا جائے۔

لیکن ایک بات تھی خطرے کا احساس اس کے جسم میں سنسنی دوڑا دیتا تھا۔ پچھلی بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ چپکے سے کیمپس سے نکلا اور بازار گیا تو اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ بس وہ یہ جانتا تھا کہ اسے سادھنا کو' بچی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے سے روکنا ہے۔ بچی ڈاکٹر کے پاس جائے گی تو اس کی پول کھل جائے گی۔

اس نے اپنی کار بڑی احتیاط سے پارک کی تھی۔ وہاں اس پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس نے سادھنا کو اپنی گاڑی میں آتے دیکھا پھر وہ بچوں کو گاڑی میں چھوڑ کر اسٹور کے اندر گئی۔ ادھر ادھر کوئی نہیں تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ بارش ہو رہی تھی۔ موقع بہت اچھا تھا۔

صرف ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بچے اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اس سے ڈرتے تھے۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا تو وہ اسے دیکھ کر چونکے اور سہم گئے۔ "جلدی کرو۔ آج ممی کا برتھ ڈے ہے۔ ہمیں ایک کھیل کھیلنا ہے ممی کے ساتھ۔" اس نے ان سے کہا۔ وہ اٹھے اور اس کے ساتھ چل دیئے۔

وہ انہیں اپنی گاڑی تک لے آیا۔ اس نے انہیں ڈکی میں بیٹھنے کو کہا۔ انہوں نے چوں بھی نہیں کی۔ اس نے پلاسٹک کے شاپر ان کے چہروں پر چڑھائے اور ہاتھ سے ان کا منہ اور ناک بند کر دی۔ وہ چند لمحے تڑپے پھر ان کی جدوجہد دم توڑ گئی۔ اس نے مطمئن ہو کر ڈکی کو بند کیا اور تیز رفتاری سے واپس کیمپس پہنچ گیا۔ پورا معاملہ صرف چند منٹ میں نمٹ گیا تھا۔

اس کی کلاس لیب میں تجربے میں منہمک تھی۔ کسی کو اس کی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ضرورت پڑنے پر پوری کلاس گواہی دیتی کہ وہ تمام وقت ان کے سامنے رہا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے نکلا ہی نہیں تھا۔

پھر اسی رات موقع پا کر وہ گاڑی کو نہر کے کنارے لے گیا اور بچوں کی لاشوں کو نہر میں پھینک دیا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور خطرہ دور ہو گیا تھا۔ اب پھر

اسے خطرے کو دور کرنا ہے۔

بچوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ یہاں محفوظ ہو گا۔ اسے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔ وہ یہاں سادھنا کی اذیت کو دیکھے گا۔۔۔ اور محظوظ ہو گا اور پرسوں شام وہ باہر نکلے گا۔ کوئی نہ کوئی چھوٹی بچی مل ہی جائے گی۔ ہمیشہ مل جاتی ہے۔ وہ اسے بتائے گا کہ وہ اسکول میں آنے والا نیا ٹیچر ہے۔ یہ ترکیب ہمیشہ کامیاب رہتی تھی۔

وہ اب بھی کچن میں تھا۔ اس نے لیمپ اوپر کر کے اٹھایا ہوا تھا۔ اس نے پھر پکارا۔ "نوین۔۔۔ تم اپنی ممی کے پاس نہیں جانا چاہتے؟ وہ بھگوان کے پاس نہیں گئی ہے۔ ٹھیک ٹھاک۔۔۔ اور خیریت سے ہے۔ آ جاؤ بیٹے۔"

پھر وہ ہال میں بڑھنے لگا اسے اچانک ہی عقبی کمرے کا خیال آیا تھا۔

وہ لیمپ کو سر سے اوپر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں پتلیے اجالے میں ادھر ادھر ٹٹول رہی تھیں۔ تیزی سے گھومتے ہوئے اس نے لیمپ کو بھی جھلایا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ لیمپ کی متحرک روشنی نے صوفے کے پیچھے ایک انسانی سائے کو نمایاں کر دیا تھا۔

"نوین۔۔۔ پکڑے گئے نا۔" اس نے خوشی سے چیخ کر کہا پھر وہ قہقہے لگانے لگا۔

"اس بار تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔"

○

بنواری لال پہاڑی راستے پر ڈرائیو کر رہا تھا۔ روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ چند فٹ آگے دیکھنا بھی ناممکن تھا اس لیے وہ بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ راستہ پھسلواں ہونے کی وجہ سے گاڑی کیلئے خطرناک ہے۔

چند منٹ بعد وہ شانتی ہاؤس کے ڈرائیو وے میں داخل ہوا۔ گاڑی روک کر اس نے مکان کی طرف دیکھا تو وہاں مکمل اندھیرا دیکھ کر اسے اپنی حماقت پر پچھتاوا ہونے لگا۔ اس وقت اوپری منزل بھی تاریک تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ بجلی چلی گئی ہے مگر اس جسونت کے پاس یقیناً لیمپ تو ہوں گے۔ اس موسم میں تو بجلی کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہوتا۔

اس نے سوچا' ممکن ہے جسونت سو گیا ہو اور اسے بجلی کے جانے کا پتہ ہی نہیں چلا ہو اور کیا پتا۔۔۔ فرض کر لو کوئی رومانوی چکر ہے۔ کوئی عورت جسونت کے پاس آئی ہو اور وہ نہیں چاہتا ہو کہ اس عورت کو کوئی دیکھے۔ یہ ناممکن تو نہیں۔ جسونت اکیلا آدمی ہے۔۔۔ اور اکیلے آدمی ایسے چکر چلاتے رہتے ہیں۔

یہ خیال اسے حقیقت سے بہت قریب لگا اور جسونت کو شرمندہ کرنا اچھا نہیں تھا۔ اس نے سوچا' حماقت کو آگے بڑھانے کے بجائے خاموشی سے واپس ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔

وہ گاڑی چلانے ہی والا تھا کہ اسے نیچے کے کچن کی کھڑکی میں روشنی نظر آئی پھر وہ روشنی حرکت میں نظر آئی۔ وہ ہال سے گزری۔ کوئی لیمپ لے کر چل رہا تھا۔

بنواری لال نے گلووز کمپارٹمنٹ سے بڑی ٹارچ نکالی اور کار سے اتر کر تیز قدموں سے مکان کی طرف چلا۔

اس نے اپنے ذہن میں مکان کے نقشے کو دہرایا۔ عقبی سیڑھیوں تک پہنچنے کیلئے ہال سے گزرنا ہوتا تھا۔ وہی عقبی کمرا تھا۔ وہ مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھا۔ عقبی کمرے کی کھڑکی کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ اسی لمحے روشنی کھڑکی تک آ گئی۔ وہ محتاط انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

پھر اسے جسونت نظر آیا۔ وہ کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بنواری نے سننے کیلئے کھڑکی سے کان لگا دیا۔

"نوین۔" جسونت پکار رہا تھا۔ "نوین۔۔۔"

بنواری لال کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ یعنی بچے اس مکان میں موجود تھے۔ گھنشام نے اسے بچوں کے نام بتائے تھے۔

لیمپ کی روشنی دائرے میں گھومی۔ جسونت کا بھاری جسم نمایاں طور پر نظر آیا۔ بنواری لال کو احساس تھا کہ جسمانی اعتبار سے وہ جسونت کے جوڑ کا نہیں ہے۔ تو کیا اسے جا کر پولیس سے مدد لینی چاہیے؟ لیکن جسونت نے نوین کو پکڑ لیا تو چند منٹ سے بھی بہت بڑا فرق پڑ سکتا ہے۔

پھر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے جسونت کو صوفے کے پیچھے دبکے ہوئے نوین کو پکڑتے دیکھا۔ بچے نے بھاگنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ جسونت نے لیمپ نیچے رکھ دیا تھا اور اب دونوں ہاتھوں سے بچے کا گلا دبا رہا تھا۔

اب بنواری لال نظریں نہیں چرا سکتا تھا۔ اس نے ٹارچ کے ذریعے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔ جسونت نے گھوم کر دیکھا۔ بنواری لال نے اندر ہاتھ ڈال کر کھڑکی کھول دی پھر وہ بڑی پھرتی سے کھڑکی سے اندر کود گیا۔ لیکن خود کو سنبھلنے میں اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ گئی۔ جسونت نے اسے تیزی سے اٹھایا اور ہتھیار کی طرح سر سے بلند کیا۔

"نوین' بھاگ جاؤ۔ مدد لے کر آؤ۔۔۔ بھاگ جاؤ بچے۔" بنواری لال نے چیخ کر کہا۔

اسی لمحے ٹارچ اس کے سر پر پوری قوت سے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے چھانے لگے۔

○

سادھنا کاؤچ پر اٹھ بیٹھی تھی اور سامنے کی طرف گھور رہی تھی۔ اجیت نے آتش دان میں آگ جلا دی تھی۔ لکڑیاں چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور آتش دان میں شعلے ناچ رہے تھے۔

کل؟ ابھی کل ہی کی تو بات ہے نا؟ وہ نوین کے ساتھ باغیچے میں ٹہل رہی تھی۔ نوین نے ٹوٹا ہوا برش اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ آتش دان میں کام آ سکتا ہے نا ممی؟"

نوین بہت پیارا بچہ تھا۔۔۔ بالکل اجیت کی طرح۔ سادھنا کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس کیلئے یہ بات طمانیت بخش ہے کہ نوین ارملا کے ساتھ ہے۔ وہ بہت ذمے دار بچہ ہے۔ حتی الامکان اپنی بہن کا خیال رکھے گا۔

"ہے بھگوان۔"

اسے نہیں پتا تھا کہ یہ بلند آواز میں اس کے منہ سے نکلا ہے۔ اجیت بڑی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی آواز سن کر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر کرب تھا۔۔۔ پریشانی تھی۔ لگتا تھا کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا چھونا سادھنا کو اچھا نہیں لگے گا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ سوچنا چاہتی ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اسے یہ یقین رکھنا چاہیے کہ بچے ابھی زندہ ہیں۔ وہ کیسے مر سکتے ہیں جبکہ اس کے دل میں امید کا ننھا سا دیا جل رہا ہے۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ صبح میں نے پرکاش متا کو دیکھا تھا؟" اس نے اجیت سے کہا۔

"ہاں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خواب ہو؟ ڈاکٹر ایشور لال کو یقین تھا میری بات کا؟"

"اس کا خیال ہے کہ تم نے جو کچھ بتایا' سب درست تھا۔"

اجیت نے کہا۔ "اور سادھنا' یہ حقیقت ہے کہ پرکاش کو اس علاقے میں دیکھا گیا ہے۔ وہ دار بلنگ موٹیل میں چند گھنٹے ٹھہرا بھی تھا۔ یہ طے ہے کہ اس موسم

میں وہ نکل نہیں سکے گا۔ پکڑا جائے گا۔"

"لیکن پرکاش بچوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

اسی وقت ایشور لال کمرے میں چلا آیا۔ اس کے پیچھے کرن بھی تھی۔ ایشور لال نے سادھنا کو بہت غور سے دیکھا۔ "اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو بیٹی۔؟" اس نے پوچھا۔ سادھنا اسے بہتر لگ رہی تھی۔۔۔ بڑی حد تک اپنے قابو میں۔۔۔

"ٹھیک ہوں میں نے اشیش کے متعلق بہت باتیں کی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"ایک بات ہے جو میں یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوئی بہت اہم بات ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔"

"یاد آئی وہ بات؟" ایشور لال نے پوچھا۔

"نہیں۔" سادھنا اٹھی۔ اس کے انداز میں بے چینی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اپنے دماغ پر چھائی ہوئی دھند سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے باہر جھانکا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ باریک زرد لباس پہنے ہوئے ہے۔ اسے سردی کا احساس ہونے لگا۔ "میں لباس تبدیل کروں گی۔" اس نے کہا۔

وہ خاموشی سے اوپر چلی گئی۔ اجیت اپنی سوچوں میں گم تھا۔ اوپر سادھنا نے سرد دیوار سے رخسار ٹکا دیا۔ اچانک دروازہ کھلا اور اجیت اندر آیا۔ "سادھنا۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟" اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔ سچ مچ۔"

اجیت نے تیزی سے بڑھ کر اسے لپٹا لیا۔ وہ بھی اس سے لپٹ گئی۔

اجیت کے معاملے میں شروع ہی سے ایسا تھا۔ وہ اسے چاہتی تھی اس کا لمس اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کی قربت کی وہ خواہش کرتی تھی۔ بے چارہ اشیش' اس کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ اس سے تو وہ بچتی پھرتی تھی اور تلجا کی پیدائش کے بعد تو وہ پتی پتنی کی حیثیت سے کبھی ملے ہی نہیں۔ پتا نہیں اشیش نے ہی اس کا گریز محسوس کر لیا ہو۔ وہ اس معاملے میں ہمیشہ خود کو مجرم محسوس کرتی تھی۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" اسے نہیں پتا تھا کہ یہ اس نے کہا ہے۔ یہ

لفظ تو وہ سوتے میں بھی کہتی تھی اجیت سے۔

"میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں سادھنا۔ اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم کتنے کرب میں تھیں۔ میرا خیال تھا کہ میں سمجھتا ہوں لیکن درحقیقت میں نہیں سمجھتا تھا۔"

"اجیت— ہمارے بچے واپس آئیں گے نا؟" سادھنا کی آواز لرز رہی تھی— جسم میں بھی لرزش تھی۔

اجیت کی بانہوں کی گرفت میں گرم جوشی بڑھ گئی۔ "کیا کہہ سکتے ہیں جان مگر جو کچھ بھی ہو' ہم دونوں تو ہیں نا ایک دوسرے کے لیے۔ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ حقیقت کبھی نہیں بدلے گی اور سنو' انہوں نے پرکاش کو جنگل سے گرفتار کیا ہے۔ ڈاکٹر پولیس اسٹیشن جا چکے ہیں۔ میں بھی جا رہا ہوں کرن کے ساتھ۔"

"میں بھی چلوں۔ شاید وہ مجھے سچ بتا دے۔"

"نہیں— کرن کا ایک آئیڈیا ہے جو کامیاب ہو سکتا ہے لیکن تم سامنے جاؤ گی تو ممکن ہے کہ پرکاش زبان بند کر لے۔"

"اجیت—" سادھنا کے لہجے میں یاس تھی۔

"دیکھو جان— خود کو سنبھالے رکھو— بس اور تھوڑی دیر۔ گھنشام تمہارے پاس رکے گا۔ میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

اجیت کے جانے کے بعد سادھنا باتھ روم میں چلی گئی۔ اس نے لبادہ اتارا' شاور کو ایڈجسٹ کیا۔ شاور سے مناسب حد تک گرم پانی کا فوارہ چھوٹا۔ وہ اس کے نیچے کھڑی ہوئی تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے جسم سے تھکن اور اعصاب سے کشیدگی دھل رہی ہے۔ اس نے چہرہ پانی کے سامنے کر دیا۔

اب تو اسے ٹب میں نہائے مدتیں ہو گئی تھیں۔ اشیش سے شادی کے بعد اس نے باتھ ٹب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اس کے تصور میں ایک موہوم سی یاد ابھری۔ ٹب— اشیش اصرار کرتا تھا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے نہلائے گا اور اسے برا لگتا تھا۔ ایک بار اس نے چڑ کر اشیش کو دھکیلا تھا۔ اشیش کا پاؤں پھسلا تھا اور وہ منہ کے بل پانی میں گرا تھا۔ اس کا چہرہ پانی کے اندر تھا۔ وہ اتنا بوکھلایا کہ چند لمحے خود کو باہر

نکال ہی نہ سکا اور جب اس نے چہرہ پانی میں سے اٹھایا تو اس کے منہ سے بے ربط' بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں اور جسم پر لرزہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ بہت غصے میں تھا لیکن غصے سے کہیں زیادہ وہ خوف کا شکار تھا۔

اس روز سادھنا کو پتہ چلا کہ اشیش پانی میں ڈبکی لگانے سے ڈرتا ہے۔

ہاں— یہ ہے وہ بات! اس نے سوچا وہ یہی بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ پانی کا خوف جسے وہ چھپا کر رکھتا تھا۔ ہے بھگوان۔ سادھنا نے شاور بند کیا۔ تولیے سے جسم خشک کر کے لباس پہنا— اور پھر بری طرح چیخنے لگی۔ اسے خود پر قابو نہیں تھا۔

○

اجیت اور کرن پولیس اسٹیشن پہنچے تو ہیڈ محرر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ یہاں؟ مجھے آپ کے بچوں کی گمشدگی پر افسوس ہے جناب۔" اس نے اجیت سے کہا۔

"یہ بتاؤ پرکاش مہتا سے کہاں پوچھ گچھ ہو رہی ہے؟" اجیت نے پوچھا۔

ہیڈ محرر ایک دم چوکنا ہو گیا۔ "آپ کا اس سے کیا تعلق؟"

"چیف کو بتاؤ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ فوراً۔"

ہیڈ محرر احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن اجیت کے لہجے کی سنگینی نے اسے روک دیا۔ اس نے قریب کھڑے کانسٹیبل سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "جا کر چیف کو بتاؤ کہ شری اجیت ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اجیت نے ادھر ادھر دیکھا وہاں بنچ پر دو افراد بیٹھے تھے۔ وہ یقیناً پتی اور پتنی تھے اور ان کی عمریں اجیت اور سادھنا جتنی ہی ہوں گی۔ پتا نہیں' وہ یہاں کس سلسلے میں بیٹھے ہیں۔ اجیت نے سوچا مرد کچھ خجل سا لگ رہا تھا جبکہ عورت ڈٹ کر بیٹھی تھی۔ ممکن ہے' دونوں میں لڑائی ہوئی ہو۔۔۔ اور عورت تھانے کچہری پر تلی ہوئی ہو۔

چیف دیال لپکتا ہوا آیا۔ "کیا بات ہے اجیت؟"

اجیت کے بجائے کرن نے پوچھا۔ "پرکاش مہتا یہاں موجود ہے؟"

"ہاں اور ڈاکٹر ایشور لال بھی میرے ساتھ ہیں۔ پرکاش کوئی جواب نہیں دے رہا ہے۔ کہتا ہے وکیل سے بات کیے بغیر بات نہیں کروں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا اس لیے ہم آئے ہیں۔" کرن نے کہا پھر وہ دھیمی آواز میں اسے اپنی اسکیم بتانے لگی۔

چیف نے نفی میں سر ہلایا۔ "بات نہیں بنے گی وہ بہت سمجھ دار ہے۔۔۔ اور بھگوڑا ہی سہی' بہرحال فوجی ہے۔ ہم اس پر قانون سے ہٹ کر سختی نہیں کر سکتے۔"

"ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے۔ دیکھیں نا' ایک ایک پل اہم ہے اگر اس کا کوئی شریک بھی ہے تو بچے اس کے پاس ہوں گے اور وہ شخص پرکاش کی گرفتاری کا سن کر نروس ہو سکتا ہے۔۔۔ اور کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"چلو۔۔۔ بات کر دیکھو امید نہ باندھنا۔"

چیف کرن کو لے کر اندر جانے لگا تو بنچ پر بیٹھی ہوئی عورت مضطرب ہو کر اٹھی۔ "چیف۔۔۔ مجھے ایک منٹ دے سکتے ہیں آپ؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پکارا۔

چیف دیال نے پلٹ کر اسے بہت غور سے دیکھا۔ "کوئی اہم بات ہے؟"

"ممکن ہے' اہم نہ ہو' اصل میں میرے بیٹے نے مجھے بتایا ہے کہ۔۔۔"

"آپ بیٹھیے۔" چیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک اہم معاملہ نمٹاتے ہی میں آپ سے بات کروں گا۔"

کومل دوبارہ بیٹھ گئی۔ ہیڈ محرر نے اس کے انداز میں مایوسی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتائیں' میں کچھ کر سکتا ہوں؟"

لیکن کومل کو اس پر بھروسہ نہیں تھا۔ جب وہ اور شرما آئے تھے تو انہوں نے اسے بتانے کی کوشش کی تھی کہ ان کے بیٹے کے پاس شاید ایک اہم اطلاع ہے جو اجیت پال کے بچوں کی گمشدگی سے متعلق ہے۔ ہیڈ محرر نے پریشان ہو کر کہا۔ "آپ بیٹھ جائیں آج ہم فون پر بھی دن بھر ایسی ہی کالیں بھگتتے رہے ہیں۔ چیف کو فرصت ملے تو وہی آپ سے بات کریں گے۔"

چنانچہ اب کومل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہیڈ محرر کی پیشکش مسترد کر دی مگر وہ تہیہ کر چکی تھی کہ بات کیے بغیر یہاں سے نہیں ٹلے گی۔

اسی وقت ایک اور جوڑا پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا۔ "ہیلو مسٹر جارج۔۔۔ مسز جارج۔" ہیڈ محرر نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"تمہیں بھی یقین نہیں آئے گا۔" جارج نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔ "اس موسم میں میری بیوی یہ رپورٹ درج کرانے کے لیے یہاں آئی ہے کہ آج صبح

کسی نے ہمارے اسٹور سے بے بی پاؤڈر کا ایک ڈبہ چرایا ہے۔"

ریٹا اپ سیٹ نظر آ رہی تھی۔ "مجھے ہرگز پروا نہیں کہ یہ بات بظاہر کتنی احمقانہ لگ رہی ہے۔ بہرحال مجھے چیف دیال سے بات کرنی ہے۔"

"وہ ابھی آئیں گے آپ بیٹھیں۔" ہیڈ محرر نے کہا۔ اس نے بنچ کی طرف اشارہ کیا' جہاں کومل اور شرما بیٹھے ہوئے تھے۔

ریٹا اور جارج بھی بنچ پر بیٹھ گئے۔ جارج غصے سے بڑبڑایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم یہاں کیوں خوار ہو رہے ہیں۔"

شرما نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "یہی حال ادھر بھی ہے۔" کومل نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہم ان بچوں کی خاطر یہ تکلف اٹھا رہے ہیں جو شاید اس سے بہت بڑی تکلیف میں ہوں گے۔"

○

چیف کے کمرے میں پرکاش مہتا کرن کو معاندانہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر خوف زدہ تھا۔ اجیت کے بچوں کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ بچوں کو کچھ ہو گیا تو یہ لوگ اسے اس کے سر منڈھنے کی کوشش کریں گے لیکن کسی نے بھی اسے سادھنا کے گھر کے قریب نہیں دیکھا تھا۔ یہ بات اس کے حق میں جاتی تھی۔

"تم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہو۔" کرن اس سے کہہ رہی تھی۔ "تم فوج سے بھاگے ہوئے ہو— اور اب پولیس کی تحویل میں ہو۔ اب بچوں کے معاملے میں تم ملوث ہو یا نہیں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری اس علاقے میں موجودگی بے معنی نہیں ہے۔"

پرکاش جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے لیکن اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ "دیکھا جائے گا۔"

اجیت اس کی طرف بڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "میری بات غور سے سنو بھگوڑے۔ میری پتنی نے آج صبح تمہیں میرے گھر کے پاس جنگل

میں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ ہوا' تم اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہو۔ اگر تم ہمیں سب کچھ بتا دو اور بچے ہمیں مل جائیں تو میرا وعدہ ہے کہ تم پر بچوں کے اغوا کا الزام نہیں عائد کیا جائے گا اور یہ کرن شرما— یہ ملک کی ٹاپ کی وکیل ہیں' یہ تمہاری سزا کم سے کم کرا دیں گی۔ کیا خیال ہے؟ منظور ہے کہ نہیں؟" اجیت کا انداز اچانک جارحانہ ہو گیا۔ "اور اگر مجھے بعد میں پتہ چلا کہ تم تعاون کر کے میرے بچوں کو بچا سکتے تھے— لیکن تم نے تعاون نہیں کیا اس صورت میں تم کسی بھی جیل میں جاؤ' میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

"اجیت—" چیف دیال نے اجیت کو پکڑ کر کھینچا اور پرکاش سے دور کر دیا۔

پرکاش نے سمجھ لیا کہ اب اس کے پاس کوئی پتا بھی نہیں رہا کہ کھیل سکے۔ اس نے کندھے جھٹک دیے۔ اس نے کرن سے پوچھا۔ "تم میرا کیس لو گی؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" کرن نے کہا۔

پرکاش اجیت سے نظریں چرا رہا تھا۔ "ٹھیک ہے میں بتاتا ہوں۔ میں بمبئی میں تھا—"

وہ سب بڑی توجہ سے اس کا بیان سن رہے تھے۔ پرکاش نے بتایا کہ وہ سادھنا سے کچھ رقم وصول کرنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ ملک سے فرار ہو سکے۔

"تمہارا سادھنا کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کرن نے پوچھا۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ اس طرح کی ہے ہی نہیں۔ لیکن میرے وکیل نے مجھے سمجھایا تھا کہ میں سادھنا کو پھنسانے کی کوشش کروں ورنہ وکیل استغاثہ مجھے بھی ملوث ثابت کر دے گا۔"

"آج صبح کی بات کرو۔" چیف دیال نے تند لہجے میں کہا۔ "تم اجیت کے گھر کب پہنچے تھے؟"

"دس بجنے میں چند منٹ ہوں گے۔" پرکاش نے کہا۔ "میں گاڑی آہستہ چلا رہا تھا۔ مجھے کچے راستے کی تلاش تھی پھر مجھے اس گاڑی کو راستہ دینے کیلئے اپنی گاڑی روکنی پڑی اور وہ دوسری گاڑی اس کچے راستے سے ہی آئی تھی۔"

"دوسری گاڑی؟" اجیت کے لہجے میں بے تابی تھی۔ "کیسی گاڑی؟"

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ہیڈ محرر لپکا ہوا آیا۔ "چیف میرا خیال ہے' آپ باہر بیٹھے ہوئے لوگوں سے بات کر لیں۔ ان کے پاس آپ کیلئے بہت اہم اطلاعات ہیں۔"

○

سادھنا نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔ بھگوان— نہیں۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اس بار بھی وہی کچھ نہ ہونے دینا بھگوان۔

وہ کپڑے بدل کر تیزی سے نیچے آئی۔ وہاں گھنشام ڈائننگ روم میں سینڈوچ اور کافی کا پاٹ لیے اس کا منتظر تھا۔ "سنو سادھنا' بیٹھو اور کچھ کھا لو۔ یہ ضروری ہے—"

"مجھے چیف دیال سے ملنا ہے۔" سادھنا نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔ "مجھے اس کو ایک اہم بات بتانی ہے۔" اس کی آواز میں ہسٹریا کی کیفیت ابھر رہی تھی۔ وہ فون کی ڈیوٹی پر موجود پولیس والے کی طرف مڑی جو دروازے میں کھڑا تھا۔ "پولیس اسٹیشن فون کرو۔ نہیں' میں خود کرتی ہوں۔" وہ فون کی طرف لپکی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ریسیور اٹھاتی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو—؟" اس نے کہا۔

دوسری طرف سے دبی دبی سی آواز ابھری۔ "ممی— ممی— پلیز آ جائیں اور ہمیں یہاں سے لے جائیں۔ ارمی کی طبیعت خراب ہے۔"

"نوین۔" وہ ماؤتھ پیس میں چلائی۔ "نوین' تم کہاں ہو؟"

"ہم—" نوین کی آواز اچانک ڈوبتی گئی۔ لائن بے جان ہو گئی۔"

اس نے فون کو جھنجھوڑ ڈالا۔ "آپریٹر۔" وہ دیوانہ وار چلائی لیکن رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

"کیا بات ہے سادھنا؟" گھنشام اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ نوین کا فون تھا۔ اس نے کہا کہ ارمی کی طبیعت خراب ہے۔"

"گھنشام کے چہرے پر یقینی تھی۔ شک کے سائے تھے۔

"وہ نوین ہی تھا۔" سادھنا چلائی۔ اس نے ایکسچینج کا نمبر ملایا۔ "آپریٹر' تم بتا سکتے ہو کہ ابھی میرے فون پر کال کس نمبر سے کی گئی تھی—؟" کہاں سے کی گئی تھی؟"

"سوری شریمتی جی۔ یہ تو معلوم ہو ہی نہیں سکتا اور موسم بھی گڑبڑ کر رہا ہے۔"

"یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ کال کہاں سے آئی تھی۔"

"رابطہ ٹوٹنے کے بعد یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا شریمتی جی۔"

سادھنا نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ "کسی نے شاید ٹیلی فون بے کار کر دیا۔ شاید اس نے جس کے قبضے میں بچے ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کی آواز تھی؟" پولیس والے نے پوچھا۔

سادھنا نے خود کو سنبھالنے کیلئے میز کا سہارا لیا۔ "تم مجھے پاگل نہ سمجھو وہ نوین ہی تھا۔ کیا میں اس کی آواز نہیں پہچانوں گی۔ پولیس اسٹیشن کا نمبر بتاؤ۔"

پولیس والے نے ہچکچاتے ہوئے نمبر بتایا۔ اسے ڈر تھا کہ چیف اس کی کھنچائی کریں گے فون پر اس کی ڈیوٹی تھی۔

سادھنا نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف ہیڈ محرر نے فون ریسیو کیا۔ سادھنا اس سے بات کرنے والی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ "فون ڈیڈ ہو گیا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

پولیس والے نے ریسیور سے کان لگا کر سنا اور بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"تم مجھے پولیس اسٹیشن لے چلو— نہیں— ایسا کرو تم چلے جاؤ کیا پتا فون ٹھیک ہو جائے اور نوین مجھے فون کرے۔ تم چیف کو جا کر بتاؤ کہ نوین نے فون کیا تھا۔ تم تھانے جاؤ ہم یہیں رہیں گے۔" سادھنا نے کہا۔

"لیکن میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" پولیس والا گھبرا گیا۔

"پلیز— دیکھو تھانہ دور نہیں اور تمہارے پاس گاڑی بھی ہے۔ تم پانچ منٹ میں جاؤ گے اور پانچ منٹ میں آؤ گے۔ دس منٹ لگیں گے۔ پلیز۔"

پولیس والا سوچتا رہا۔ چیف نے اسے یہاں رکنے کو کہا تھا لیکن اگر بچے نے فون کیا ہے اور اس نے چیف کو اطلاع نہیں دی تو چیف اس پر غصے ہو گا۔ اس نے

سوچا' یہ کام گھنشام کے سپرد کر دے اور خود یہاں رکا رہے لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ بات ذمے داری کی تھی اور جب فون ہی ڈیڈ ہو گیا تو اسے اپنی ذمے داری پوری کرنے کیلئے خود ہی جانا ہو گا۔

"ٹھیک ہے' میں جاتا ہوں۔ آپ دونوں یہیں رہیے گا۔" اس نے کہا اور عقبی دروازے کی طرف لپکا۔

سادھنا نے کہا۔ "گھنشام بھائی' نوین کو پتا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ بتانے ہی والا تھا کہ لائن کٹ گئی۔ اب سوچو' وہ کسی سڑک پر تو نہیں ہو گا۔ وہ باہر نہیں ہے۔ کاش۔۔۔ کسی طرح پتہ چل جائے۔ اندازہ ہی ہو جائے۔"

گھنشام اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔ اسے تو سادھنا کی دماغی صحت پر شبہ ہو رہا تھا۔

"اور نوین نے کہا کہ ارمی کی طبیعت خراب ہے۔ آج میں اسے باہر بھی نہیں جانے دینا چاہتی تھی لیکن پھر میں نے سوچا' آدھا گھنٹہ کھیلنے دیا جائے۔ کیا حرج ہے سو میں نے اسے سرخ دستانے پہنائے۔ وہ والے جن پر مسکراتا ہوا چہرہ بنا ہے اور میں نے کہا۔۔۔ دستانے مت اتارنا۔ سردی بہ تے مجھے یاد ہے' اس وقت میں نے سوچا تھا کہ شکر ہے آج اس کے پاس ایک جیسے دستانوں کی جوڑی موجود ہے۔ لیکن جب میں انہیں ڈھونڈنے نکلی تو ایک دستانہ مجھے جھولے کی رسی سے الجھا ہوا ملا۔ ہائے۔۔۔ اب میں سوچتی ہوں' کاش میں نے انہیں باہر نہیں جانے دیا ہوتا۔"

اس نے گھنشام کے چہرے کو نہیں دیکھا جو بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ "کیا کہہ رہی ہو تم سادھنا؟ میں تو سمجھا تھا کہ مسکراتے ہوئے چہرے والا ایک ہی دستانہ ہے تمہارے پاس۔"

"ایک ہی تھا مگر کل رات دوسرا بھی مل گیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔" گھنشام اچانک پھٹ پڑا۔ "بھگوان' میں بھی کتنا احمق ہوں۔" اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دوسرا دستانہ نکال لیا۔ "یہ مجھے شانتی ہاؤس کے گیراج میں پڑا ملا اور میں نے سمجھا کہ یہ میری کار میں سے گرا ہے لیکن اگر آج دونوں دستانے موجود تھے تو یہ ممکن نہیں۔۔۔ اور وہ منحوس آدمی۔"

سادھنا نے اس سے دستانہ جھپٹ لیا۔ "یہ۔۔۔ یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

"بتا تو رہا ہوں شانتی ہاؤس کے گیراج سے۔ آج میں ایک گاہک کو مکان دکھانے وہاں لے کر گیا تھا۔"

"شانتی ہاؤس جہاں وہ جسونت رہتا ہے۔ میں نے اسے بس ایک بار دیکھا تھا اور وہ بھی دور سے۔ ارے۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" ایک لمحے میں سادھنا کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ بالکل صاف اور واضح اگرچہ وہ دیر سے سمجھی تھی۔ "سنو گھنشام میں شانتی ہاؤس جا رہی ہوں ممکن ہے' ابھی دیر نہ ہوئی ہو۔ تم پولیس اسٹیشن جاؤ اور اجیت کو اور پولیس کو لے کر آؤ۔ میں مکان میں داخل ہو سکتی ہوں۔"

"میں شانتی ہاؤس چلا جاتا ہوں۔۔۔"

"نہیں۔ میں جاؤں گی۔" سادھنا کا لہجہ ہسٹریائی تھا۔ "تم میرے سوال کا جواب دو میں مکان میں داخل ہو سکتی ہوں؟"

گھنشام کو اندازہ ہو گیا کہ اس کیفیت میں سادھنا سے بحث کرنا بے سود ہو گا۔

"میرے پاس سامنے کے دروازے کی چابی ہے۔" اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ "یہ شانتی ہاؤس کی چابیاں ہیں۔"

سادھنا نے چابیاں لیں اور عقبی دروازے کی طرف لپکی۔ گھنشام اس کے پیچھے تھا۔ سادھنا اپنی کار میں بیٹھی اور گھنشام نے اپنی بائیک اسٹارٹ کی۔

برف باری تیز ہو رہی تھی۔ اس میں دیکھنا مشکل تھا لیکن سادھنا پوری رفتار سے گاڑی چلا رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ اس پہاڑی سڑک پر پہنچ گئی جو شانتی ہاؤس کی طرف جاتی تھی۔ برف کی وجہ سے سڑک خطرناک ہو رہی تھی۔ گاڑی پھسل بھی رہی تھی۔ اور۔۔۔ نظر بھی کم ہی آ رہا تھا۔

وہ درخت سادھنا کو آخری لمحے میں نظر آیا جب گاڑی اس کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔ سادھنا نے اسٹیئرنگ کاٹا پھر بھی گاڑی درخت سے ٹکرا گئی۔

سادھنا گاڑی سے اتری اور پیدل ہی چڑھائی کی طرف لپکی۔ گاڑی پر وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔

وہ پورچ تک پہنچی تو اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر گئی۔ اس کے گھٹنے میں درد کی

لہرا اٹھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا اور داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ سن انگلیوں سے اس نے چابی ٹٹولی اور اسے دروازے میں لگایا۔ پہلے تو تالے نے مزاحمت کی۔ اسے شبہ ہونے لگا کہ اس نے غلط چابی لگائی ہے مگر اسی لمحے چابی گھومی اور زنگ آلود تالا کھل گیا۔

اس نے دروازے کو دھکیل کر کھولا۔

اندر اندھیرا تھا۔۔۔ اور موت کی سی خاموشی۔ وہ چیخ کر نوین کو پکارنا چاہتی تھی۔۔۔ لیکن اس نے خود پر قابو رکھا۔

گھنشام نے بتایا تھا کہ وہاں دو زینے تھے۔ ایک سامنے اور دوسرا عقبی سمت۔ دونوں زینے ہال میں تھے۔ وہ بڑی بے یقینی کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ تاریکی ایسی تھی کہ اسے اپنے ہاتھ بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ زینے تک پہنچی۔ اس نے اپنے سلیپر اتار دیے۔ وہ گیلے ہو رہے تھے جس کے نتیجے میں شور ہو سکتا تھا۔

ہر زینے میں تین فلائٹس تھے۔ پہلا زینہ چڑھنے کے بعد وہ رکی۔ اس کی سانس پھول گئی تھی۔ سامنے کھلا ہوا دروازہ تھا پھر اسے واضح طور پر نوین کی آواز سنائی دی۔ "اے۔۔۔ یہ مت کرو۔ دور ہٹو۔۔۔" آواز اوپر سے آئی تھی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ اپنی تھکن اور کمزوری بھی بھول گئی تھی۔ اوپر پہنچ کر وہ ہچکچائی۔ ہال میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ اب ہر طرف سناٹا تھا۔ وہ محتاط انداز میں ڈرائنگ روم سے گزرتی ہوئی بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ وہاں موم بتی کی روشنی تھی۔

اسے ایک شخص نظر آیا۔ اس کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے بیڈ پر پڑے وجود کو سنبھال رہا تھا جو ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ ایک ننھے سے سر پر پلاسٹک کا شاپر چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سادھنا کو نوین کی آنکھیں نظر آئیں۔ وہ چلائی۔ "اسے چھوڑ دو اشیش۔" اسے خود بھی بعد میں احساس ہوا کہ اس نے کس کا نام لیا ہے۔

اس شخص نے پلٹ کر دیکھا تب سادھنا کو ارملا بیڈ پر پڑی دکھائی دی۔

ایک لمحے کو وہ شخص سناٹے میں آیا مگر فوراً ہی اس کے چہرے پر خباثت بکھر گئی۔۔۔ "تم۔۔۔؟" وہ جارحانہ انداز سے سادھنا کی طرف بڑھا۔

سادھنا کو اپنی کلائی پر اس کی گرفت محسوس ہوئی۔ اگلے ہی لمحے اس نے جھٹکا دے کر خود کو چھڑایا اور بیڈ کی طرف لپکی۔ وہ نوین کے سر کو پلاسٹک کے بیگ سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نوین کے رخسار نیلے ہو رہے تھے۔ اسے اس کی سانسوں کی پھنکار سنائی دی تو وہ مڑی۔ اشیش اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کا پاؤں ارملا کے جسم سے ٹکرایا۔ ارملا کے جسم میں حرکت تھی۔ وہ زندہ تھی۔

وہ بلا ارادہ چیخنے لگی۔ وہ مدد کیلئے چیخ رہی تھی۔ اشیش کا ہاتھ اس کے منہ پر آ جما۔ وہ اس کی ناک بھی دبا رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

اسی وقت ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ اس کو پھندا لگ گیا۔ وہ سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی مگر سانس اس کے سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ اس عالم میں بھی اسے احساس تھا کہ کوئی اس کا نام لے کر اسے پکار رہا ہے۔ شاید وہ اجیت کی آواز تھی۔ یقیناً وہ اجیت تھا۔ اس نے جواب میں اسے پکارنا چاہا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ نکل ہی نہیں سکتی تھی۔

"ممی۔۔۔ ممی۔۔۔ وہ اری کو لے کر جا رہا ہے۔" نوین چلایا۔ وہ اسے جھنجھوڑ بھی رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھی۔ اشیش ارملا کو اٹھا کر اس کے قریب سے گزر رہا تھا اور ارملا رو رہی تھی۔

"اسے چھوڑ دو اشیش۔ تم اسے چھونا بھی نہیں۔"

جواب میں اشیش نے اسے خوں خوار نظروں سے دیکھا اور ارملا کو اٹھائے ہوئے ساتھ والے تاریک کمرے کی طرف بڑھا۔

وہ اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے پیچھے چلی۔ وہ آنکھوں کے سامنے چھائے ہوئے اندھیرے کو جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ادھر سیڑھیوں پر کسی کے اوپر

آتے ہوئے قدموں کی چاپ بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اندھیرے میں اشیش کو دیکھنے کی کوشش کی پھر کھڑکی کے سامنے اسے اس کا ہیولا نظر آیا۔ وہ بالا خانے کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"اجیت— اوپر— وہ اوپر جا رہا ہے۔" بالآخر اسے اپنی کھوئی ہوئی آواز مل گئی۔ پھر وہ بھی اشیش کے پیچھے بالا خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اشیش اس بالکونی کی طرف جا رہا تھا جہاں سے جھیل کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ تنگ بالکونی بے حد کمزور اور مخدوش تھی۔ "اشیش' وہاں مت جاؤ۔ واپس آ جاؤ۔" وہ چلائی۔ "یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔"

اشیش آخری سیڑھی پر تھا۔ اس نے بالا خانے کی طرف کھلنے والے دروازے کو دھکیلا۔ ارملا خوف زدہ ہو کر بری طرح رو رہی تھی اور اسے پکار رہی تھی۔ "ممی— ممی—"

اشیش دروازے سے گزرا۔ وہ بالکونی کی طرف جا رہا تھا۔ سادھنا وجود کی پوری قوت مجتمع کر کے اس کے پیچھے دوڑی۔ بالکونی کی ریلنگ بہت نیچی تھی۔ سادھنا نے اشیش کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی۔ اسے ڈر تھا کہ ارملا نہ گر جائے۔ "اشیش' رک جاؤ اشیش—" وہ چلائی۔

اشیش کے چہرے سے برف کے ذرات ٹکرا رہے تھے۔ وہ پلٹا اور اس نے سادھنا کو لات مارنے کی کوشش کی۔ ناکام ہو کر وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف ہٹا۔ اسے خود پر قابو نہیں تھا لیکن اس نے ارملا کو مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ریلنگ سے ٹکرایا اور اسے خود کو سنبھالنے کا موقع مل گیا۔ اس کی سانسیں اکھڑی اکھڑی تھیں مگر وہ اس عالم میں بھی ٹوٹے ٹوٹے ہذیانی قہقہے لگا رہا تھا۔

اب وہ ارملا کو ریلنگ سے ٹکائے کھڑا تھا۔ "آگے مت آنا۔ ورنہ میں بچی کو نیچے پھینک دوں گا۔" اس نے سادھنا سے کہا۔ "ان لوگوں سے کہو کہ واپس جائیں۔ ان سے کہہ دو کہ مجھے چھونے کی بھی کوشش نہ کریں۔"

"تم ارملا کو مجھے دے دو میں تمہاری مدد کروں گی۔" سادھنا گڑگڑا رہی تھی۔

"میں انہیں سمجھاؤں گی کہ تمہارے ساتھ نفسیاتی مسائل ہیں تم بیمار ہو۔"

"تم میری مدد نہیں کرو گی۔ تم تو چاہو گی کہ وہ مجھے تباہ کر دیں۔" وہ ایک قدم اور ریلنگ کی طرف بڑھا۔

"نہیں اشیش— یہ غلطی مت کرو۔ تمہیں تو پانی سے خوف آتا ہے تم پانی کے اندر اپنا سر گوارا ہی نہیں کر سکتے۔ جب تمہاری لاش برآمد نہیں ہوئی تو مجھے اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم نے خودکشی نہیں کی ہے تم خود کو کبھی ڈبو نہیں سکتے مگر مجھے یہ بات یاد ہی نہیں رہی تھی۔"

اسی وقت اسے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ ریلنگ ٹوٹ رہی تھی۔ اشیش کا سر پیچھے کی طرف گیا۔ اس کے ہاتھ آگے کی طرف بڑھے۔ ارملا اس کے ہاتھ سے چھوٹی۔ سادھنا تیزی سے جھپٹی۔ اس کے ہاتھ میں ارملا کے بال آ گئے۔ اس نے مضبوطی سے بچی کو پکڑ لیا۔ اسی لمحے پیچھے کی طرف گرتے ہوئے اشیش نے چیختے ہوئے اس کی ٹانگ تھام لی۔

اسی لمحے دو مضبوط بازوؤں نے پیچھے سے سادھنا کو پکڑ لیا۔ گرفت بہت مضبوط تھی پھر ان مہربان ہاتھوں نے ارملا سمیت اسے پیچھے کھینچ لیا۔

سادھنا اجیت سے لپٹی کھڑی تھی۔ اشیش کا بھاری بھرکم وجود ٹوٹی ہوئی ریلنگ سے گزرتا دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے پانی میں چھپاکے کی آواز سنائی دی۔

ڈراؤنا خواب ختم ہو گیا تھا۔

○

آتش دان میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ کمرا خوب گرم ہو رہا تھا۔ اور کافی کی مہک ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ریٹا اور جارج اپنا اسٹور کھول کر ڈبل روٹی اور گوشت لے آئے تھے۔ جس وقت اجیت اور سادھنا اسپتال میں بچوں کے پاس تھے وہ ان کے گھر میں سینڈوچ بنا رہے تھے۔ گھنشام ان کے ساتھ تھا۔

وہ بچوں کے ساتھ گھر واپس آئے تو ٹی وی والوں نے بچوں کے ساتھ کار سے اترتے ہوئے ان کی فلم بنائی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگلے روز وہ انٹرویو دیں گے۔

"مگر میں ان سب لوگوں کا شکریہ ضرور ادا کروں گا جن کی دعاؤں نے ہمارے بچوں کو نقصان پہنچنے سے بچایا۔" اجیت نے مائیک میں کہا۔

اب سادھنا ارملا کو لپٹائے ہوئے کاؤچ پر بیٹھی تھی۔ بچی کمبل میں لپٹی ہوئی تھی اور سو رہی تھی۔

نوین اجیت کی گود میں تھا اور ایشور لال سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں فخر تھا۔ "جب اچھے آدمی نے چیخ کر مجھ سے کہا کہ میں بھاگ جاؤں اور مدد لے کر آؤں تو میں وہاں سے نہیں نکلا۔ وہ دونوں لڑ رہے تھے۔ میں اوپر ارمی کے پاس گیا۔ وہاں سے میں نے ممی کو فون کیا مگر پھر فوراً ہی فون خراب ہو گیا۔۔۔ اور برا آدمی آ گیا۔"

"تم بڑے زبردست بچے ہو۔" اجیت نے کہا۔ اس کی نگاہیں سادھنا اور ارملا کے چہروں سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ سادھنا کے چہرے سے پریشانی دھل گئی تھی اور وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

چیف دیال نے کافی کی پیالی خالی کر کے رکھی اور اس بیان کا جائزہ لینے لگا جو

اسے اخبار نویسوں کو دینا تھا۔

پروفیسر اشیش کمار عرف جسونت کو پانی سے زندہ نکال لیا گیا تھا لیکن اس کی حالت بہت تباہ تھی۔ مرنے سے پہلے بہرحال اس نے اعتراف کر لیا کہ اپنے بچوں کو اس نے ہی قتل کیا تھا۔ اس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ چودہ سال پہلے سادھنا کی ماں انورادھا کی موت میں بھی اس کا ہی ہاتھ تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ انورادھا سادھنا سے اس کی شادی نہیں ہونے دے گی۔ جس وقت انورادھا ریسٹورنٹ میں سادھنا کے ساتھ تھی، اس نے جا کر اس کی گاڑی کے اسٹیرنگ میں گڑبڑ کر دی تھی۔

بنواری لال اسپتال میں تھا۔ اس کا سر پھٹا تھا مگر اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ ڈاکٹروں نے نوین اور ارملا کا معائنہ کیا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی جنسی زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ نوین کے رخسار پر نیل تھا جو اشیش کے تھپڑ کی نشانی تھا۔

چیف دیال کو لگ رہا تھا کہ تھکن اس کی ہڈیوں تک میں اتر گئی ہے اور وہ شرمندہ تھا کہ اس نے اپنے تجربے کے باوجود سادھنا کو سمجھنے میں غلطی کی۔ صرف اس لیے کہ وہ اس کی اصل کو نہیں پہچان سکا تھا اور وہ اپنے موقف پر اس طرح ڈٹ گیا تھا کہ اس نے کسی کی بھی نہیں سنی۔۔ نہ سادھنا کی، نہ اجیت کی اور نہ ڈاکٹر ایشور لال کی۔

گھنشام نے کرن سے کافی کو پوچھا۔

"کافی۔" کرن نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "اس وقت تو کافی ضروری ہے۔" اس نے گھنشام کو غور سے دیکھا۔ "آپ بھی پی لیں۔ کتنے تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔"

گھنشام نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ کرن کے لہجے میں اسے معذرت محسوس ہوئی تھی مگر یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔

کرن اس اداسی کی وجہ سمجھ سکتی تھی۔ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "یہ دن ہی ایسا تھا۔ ہر شخص نے حقائق کو نظرانداز کر دیا۔ آج صبح میں نے سوچا تھا کہ اجیت سے پوچھوں گی کہ شانتی ہاؤس کے کرائے دار کی کھڑکی سے چمک سی کیوں نظر آتی ہے اگر اس بات کی چھان بین کر لی جاتی تو بات اتنی آگے نہیں بڑھتی۔"

"ہوتا ہے۔۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔" چیف دیال نے کہا۔

"مگر تم نے اہم کام کیا۔" کرن نے گھنشام سے کہا۔ "اگر تم اس خریدار کو شانتی ہاؤس دکھانے نہ لے جاتے تو اشیش کمار ڈسٹرب نہ ہوتا اور بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے شیطانی منصوبے پر عمل کر گزرتا۔

گھنشام کے چہرے پر پہلی بار طمانیت ابھری۔ "شکریہ کرن۔ ورنہ مجھے تو احساس جرم ستا رہا تھا۔ مجھے دستانے کے متعلق سادھنا کو فوراً ہی بتا دینا چاہیے تھا۔"

"ابھی مجھے موٹر سائیکل پر گھر چھوڑ دو گے؟" کرن کی نگاہوں میں دعوت تھی۔

"ضرور۔" گھنشام کی نگاہوں میں وعدہ تھا۔ خوشی تھی۔ اس نے سوچا' آج وہ کرن سے کھل کر بات کرے گا۔

سادھنا سوچ رہی تھی وہ مطمئن تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ بہت بڑی بات تھی کہ اس کا ماضی درست ہو گیا تھا۔ اب اسے دنیا سے چھپنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ قید سخت سے آزاد ہو گئی تھی۔ اس نے ارملا کو سینے سے بھینچتے ہوئے نوین کی طرف دیکھا جو اجیت سے لپٹا بیٹھا تھا۔

"ممی۔" نوین نے مندا سی آواز میں کہا۔ "میں آپ کا جنم دن کا تحفہ تو ابا کو نہیں۔"

"تم فکر نہ کرو بیٹے۔" اجیت نے اسے دلاسا دیا۔ "ہم ممی کا جنم دن مل کر منائیں گے اور مجھے معلوم ہے کہ تمہاری ممی کیلئے کون سے تحفے مناسب ہیں۔" اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ اب وہ سادھنا کو دیکھ رہا تھا۔ "اب تم اپنی ممی کے بالوں کا اصل رنگ دیکھ لینا اور اب تمہاری ممی بہت اچھی تصویریں بنائیں گی۔

لیکن نوین سو چکا تھا اور سادھنا اور اجیت جاگ رہے تھے۔۔۔

ختم شد